کلیاتِ
محسن نقوی
بندِ قبا
برگِ صحرا
طلوعِ اشک
ریزہ حرف
رختِ شب
خیمۂ جاں

بندِ قبا

خوشبو کی سرد لہر سے جلنے لگے جو زخم

پھولوں کو اپنا " بندِ قبا " کھولنا پڑا

بندِ قبا

محسن نقوی

ترتیب

غزلیں:۔

اِنتساب

نکہتوں سے بھری،
عنبریں ساعتوں
یَم بہ یَم راحتوں
مُسکراتی ہُوئی صُورتوں کے لیے

ہنستے بَستے بدن کی
مہکتی بَستے بدن کی
صبحوں جیسی کرن کانچ
برفاب سی مُورتوں کے لیے

اُس کے نازک نَفَس
حُسن کے نام ہے۔ ہر غزل کا کنول
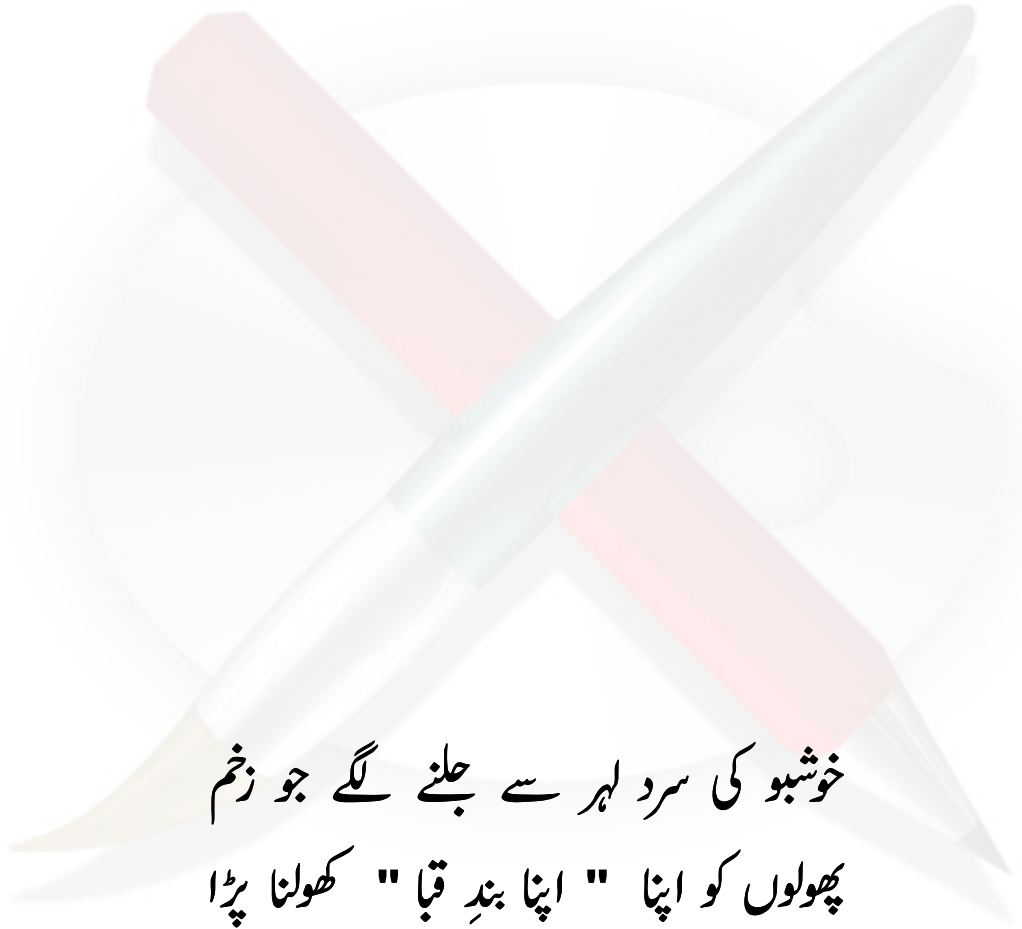
خوشبو کی سرد لہر سے جلنے لگے جو زخم
پھولوں کو اپنا " اپنا بندِ قبا " کھولنا پڑا

آغاز سفر

"بندِ قبا" کے اشعار میرے اُن دِنوں کی یادگار ہیں، جب میں نے گورنمنٹ کالج، بوسن روڈ ملتان میں ایم۔ اے اُردو کا طالب علم تھا۔ کالج کی فضا یاروں کی ٹولیاں، جذباتی زندگی کا اُجلا سا بانکپن، ہلکی پُھلکی ادبی شرارتیں، چھوٹی چھوٹی رنجشیں، خوبصورت ادبی جھمیلے، چھبتے ہوئے مشاعروں کی رِم جھم..... سارے ملتان میں ہم چار پانچ دوستوں کی ٹکڑی ادبی ہنگاموں کی جان سمجھی جاتی تھی۔ ان میں انوار احمد، فخر بلوچ، عبدالرؤف..... اور اصغر ندیم سیّد شامِل تھے۔ ہم دوستوں کی محفل شام کو ایک کیفے میں جمتی اور رات گئے تک ہم اَدبی معرکوں کی باتیں سوچتے رہتے۔ ملمتان شہر کے بعض شُعراء سے ہماری ادبی موسیقی کے کومل سُر یُوں ہی ٹکراتے رہتے۔ اس ہم نے مل کر "بندِ قبا" کی اشاعت کا منصوبہ سوچا۔ فاقہ مستی اور تنگدستی کا دَور تھا۔ مِل مِلا کر ہم نے آپس میں چندہ جمع کیا اور "بندِ قبا" مکمل خود اعتمادی سے بازار میں لے آئے۔ اس کے اشعار نے اُس وقت ادبی فضا میں اپنی استطاعت بھر ارتعاش پیدا کیا، مُلک بھر کے ادبی جریدوں میں تبصرے ہُوئے۔ ایک ہزار کتاب توقع سے پہلے اُٹھ گئی، اور سب مطمئن ہو کر اس کی آمدنی سے ایک دوسرے کی دعوتیں کرتے رہے اور پھر میں نے "بندِ قبا" کو بُھلا دیا۔ یہاں تک کہ میرے اپنے پاس بھی اس کا کوئی نسخہ محفوظ نہ رہا۔ یہ تیرہ ۱۳ سال پہلے کی بات ہے۔ جب میرا نام بِکتا تھا نہ کلام..... اس کے بعد ۷۸ میں میرے کلام کا دوسرا مجموعہ "برگِ صحرا" مارکیٹ میں آیا۔ یہ مجموعہ ماورا پبلشر کے زیرِ اہتمام شائع ہُوا، اور اس کی اشاعت میں میرے دیرینہ دوست خالد شریف نے اپنے حُسنِ خیال کی تمام رعنائیوں کی دھنک بکھیر کر رکھ دی، فی الحقیقت "برگِ صحرا" ادبی دُنیا میں میری پہچان کا وسیلہ ثابت ہوا اور اس کا کریڈٹ مُجھ سے کہیں زیادہ خالد شریف کو جاتا ہے۔ جس نے اس کی خُوبصورتی میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔

جنوری ۸۲ء میں میری مذہبی قصائد اور منقبت پر مشتمل مجموعہ "موجِ ادراک"" کِرن پبلشرز" لاہور کی جانب سے میرے بھائی اور دوست سید اختر جمیل کاظمی نے شائع کیا، یہ مجموعہ اپنی معنویت، ڈِکشن اور ہئیت کے اعتبار سے پہلے دونوں مجموعوں سے ہٹ کر شائع ہُوا، اور اسے " کرن پبلشرز" کا حُسنِ انتظام کہیئے یا میرے قارئین کی محبت، کہ یہ مجموعہ مارکیٹ میں آنے سے پہلے افتتاحی تقریب ہی میں اختتام کو پہنچ گیا اور دوسرے ایڈیشن کی کتابت دوبارہ شروع ہو چکی ہے۔

اب میری شاعری کی نقادوں کو میرے فِکر وفن کو پرکھنے کی ضرورت محسوس ہُوئی تو "بندِ قبا" کا تقاضہ بھی شروع ہُوا، جب کہیں مجھے خیال آیا کہ میرے پاس تو اس کی ایک بھی کاپی موجود نہیں، اُدھر یار لوگوں کا اصرار کہ "بندِ قبا" کا دُوسرا ایڈیشن شائع کیا جائے۔ ممنون ہوں کہ میرے جگری یار پروفیسر اسلم عزیز درانی (جو میری شاعری کے بچپن کی تمام حرکتوں کے عینی شاہد ہیں) کے پاس "بندِ قبا" کا ایک نسخہ

موجود تھا،سواُنہوں نے پندرہ دِنوں کے لیے یہ نُسخہ برادرم خالد شریف کو مستعار دیا۔اور یُوں اب اس کا دوسرا ایڈیشن آپ کے سامنے ہے۔

"بندِ قبا" کے بارے میں غالبًا میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ اس کے اشعار میری شاعری کے پہلے باب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ان اشعار میں میرے اُس دور کے مُنہ زور جذبوں کی "ساون سندھ روانی" کا سُراغ مِلتا ہے

خُدا کرے آپ کو اس کے اشعار پسند آ جائیں اور اگر کوئی شعر آپ کے معیار پر پورا نہ اُترے تو بھی میں معذرت خواہی کا عادی نہیں ،کیوں کہ مُجھے شعر کہنے اور آپ کو اپنے رائے دینے کا مکمل حق پہنچتا ہے۔

محسن نقوی

۱۶ جنوری س۱۹۸۴ء لاہور

نئی نسل کا مُنفرد شاعر

اُردو غزل اپنے ارتقائی سفر کی ہر منزل پر نت نئے رجحانات، افکار و معتقدات کو جذبے کا آب و رنگ دے کر اپنے دامن کو سمیٹتی رہی ہے، اس کی تہ داری، پہلو داری اور رمز و ایمانے حیات و کائنات کی وسعتوں اور بوقلمونی کی ترجمانی کا حق بھی ادا کیا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ طرزِ احساس، اندازِ فکر اور اسلوبِ اظہار میں بھی تغیّرات ہوتے رہے ہیں، چنانچہ نئی غزل بھی نئے طرزِ احساس اور نئے ذہنی روّیے کی آئینہ دار ہے۔ یہ نیا طرزِ احساس اور نیا ذہنی رویّہ اقدار کے عدم تعیّن، بے اطمینانی، بے یقینی اور جذباتی ناآسودگی کا عطیہ بھی ہے اور جدید ترین مغربی رجحانات کا فیضان بھی، جدید معاشیات اور جدید تہذیب کے پیراڈاکس کی وجہ سے اس کے پاؤں تلے کی زمین بھی سرکنے لگی ہے۔ معاشرتی اقدار مسخ ہو رہی ہیں، اخلاقی اصول اور انسانی رشتے ختم ہو رہے ہیں اور بے بسی و بے چارگی کا احساس بھی بڑھتا جا رہا ہے۔ حساس لیکن کم حوصلہ افراد عقل و شعور کی روشنی میں صورت حال کا تجزیہ کرنے اور سماجی عمل سے اِس پر قابو پانے کی کوشش کے بجائے زندگی کی طرف منفی رویّہ اختیار کرنے لگے ہیں۔ ہمارے بعض جدید شعراء کے یہاں یہ منفی روئیہ نمایاں نظر آتا ہے۔ ان کا ذہنی سفر ذات سے کائنات کی طرف نہیں بلکہ کائنات سے ذات کی طرف ہے۔ وجُود کو ایک جبر اور آشوب سمجھنے کے رجحان نے مریضانہ انفرادیت پیدا کر دی ہے، جدید تر غزل بھی اسی صورتِ حال سے دوچار ہے۔ نئی نفسی کیفیات اور نئے ذہنی رویّے کی بوقلموں لیکن متضاد اور مزاجی نوعیّتوں کے بھرپور اظہار کے لیے غزل کا سانچہ ناکافی ثابت ہُوا تو نت نئی علامتیں اور نئے طرزِ اظہار تراشے گئے۔ لیکن صہبائے خام کی تیزی و تُندی سے آبگینہ پگھلنے لگا، زبان کے اصول وضوابط کو تخیل دشمن سمجھ کر تخیل کی معروضیت ہی کو ختم کر دیا گیا اور ابلاغ کو "قاری" کا مئسلہ سمجھ لیا گیا، اور اب تو "مریضانہ "انفرادیت، لا اور سپاٹ واقعیت زدگی، مسلمات سے انحراف اور ان کی تردید کو بھی جدیدیت سے تعبیر کرنے کا فیشن عام ہو گیا۔ ایسے پُر آشوب اَدبی ماحول میں کسی شعری مجموعے کا تعارف یا پیش لفظ لکھنا کم از کم میرے لیے دُشوار ضُرور ہے۔

"بندِ قبا" نوجوان شاعر محسؔن نقوی کی غزلیات، قطعات اور فردیات پر مشتمل ہے۔ محسؔن بنیادی طور پر غزل کا شاعر ہے۔ اس لیے اُس کے قطعات میں بھی تغزّل کی کارفرمائی زیادہ نظر آتی ہے۔ اس کی غزلوں کے جائزے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے غزل کے " طیقہ، راسخہ " کو یکسر نظر انداز نہیں کیا ہے، بلکہ شاید کلاسیکی غزل کی مشق سے جدید غزل کی منزل پر پہنچا ہے، وہ کلاسیکی غزل کی لفظیات (Diction) کو کلیتاً رد نہیں کرتا، اس کے یہاں نقشِ قدم، صلِ گل، فصلِ خزاں، زنجیر بہ پا، کفِ آئینہ گر، نذرِ وفا، رنگِ حنا، نغمۂ جاں، پیمانہ بکف، شامِ غریباں، حُسنِ بُتاں، اندازِ تغافل، آبلہ پائی جیسی ترکیبیں نظر آتی ہیں تو جدید غزل کا "ڈِکشن" بھی بہت زیادہ ملتا ہے۔ یہ "

ڈکشن " تقلیدی نہیں ہے بلکہ اس کے شعری مہیجات سے ہم آہنگ ہے۔ وہ اردگرد کے ماحول سے تشبیہات اور استعارات اخذ کرتا ہے۔ اس لیے اس غزل مین عجمیت کے مقابلے پر زیادہ مانوس فضا ملتی ہے۔

محسنؔ کی غزل کی نمایاں خصوصیت توازن واعتدال ہے، اُس نے جدیدیت کے شوق میں غزل کی روایات کو نظرانداز نہیں کیا۔ مترنّم زمینوں کے انتخاب اور مُردّف غزلوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ جدید تر شُعراء کی طرح غنائیت سے بے نیاز نہیں، وہ غزل کو غنائی شاعری سمجھتا ہے اور اُس کے غنائی تقاضوں سے عہدہ برآ ہونا چاہتا ہے۔ وہ غزل کے مزاج سے خُوب واقف ہے۔ اسی لیے غزل کا نیا لہجہ اور نیا آہنگ بخشنے کی دُھن میں مضحک لسانی تجربے نہیں کرتا، وہ غزل میں لہجے کی نرمی و شگفتگی اور شخصیت کے پُرخلوص اظہار کا قائل نظر آتا ہے۔

محسنؔ کی غزلوں میں موضوعات کا تنوع ملتا ہے۔ ان موضوعات کا تعلق اِردگرد کے مشاہدوں اور تجربوں سے ہے، اُن میں فطری گہرائی و گیرائی کے ساتھ ساتھ زندگی کی چھوٹی چھوٹی حقیقتیں اور معصوم صداقتیں بھی ہیں، اُن میں کچھ نہ کچھ سماجی معنویت ہے، اِن تجربوں میں عشق کو بُنیادی حیثیت حاصل ہے۔ محسنؔ نے حُسن و عشق کی مختلف کیفیتوں کو پیش کیا ہے۔ لیکن یہ کیفیتیں کلاسیکی غزل سے مختلف اور جدید طرزِ احساس کی مظہر ہیں۔ محسنؔ کے نزدیک عشق کو ضرورت اہمیت حاصل ہے۔ لیکن وہ پُوری زندگی پر حاوی نہیں ہے، بلکہ زندگی کے گونا گوں تجربوں میں سے صِرف ایک تجربے ہے، اور بس! گویا وہ عشق کو لمحاتی صداقت سمجھتا ہے۔ ایک فرد کی دوسرے فرد کی طرف کشش، ایک خواہش، احساسِ جمال کا تقاضا، جس پر دُوسرے تجربوں کو قربان نہیں کیا جاسکتا، اور جِسے نظرانداز بھی کیا جاسکتا ہے۔ حسب ذیل مثالوں سے محسنؔ کے اس نظریے کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

اب اس کو کھو رہا ہوں بڑے اشتیاق سے
وہ جس کو ڈھونڈنے میں زمانہ لگا مجھے

==☆==

تم یاد کرو پہلی ملاقات کی باتیں
میں پہلی ملاقات ذرا بھول گیا ہوں

==☆==

کچھ وہ بھی کم آمیز تھا م تنہا تھا، حسیں تھا
کچھ میں بھی مخل ہو نہ سکا اُس کے سُکوں میں

==☆==

کب تلک میرے تصوّر میں پھرے گا چُپ چاپ
تجھ سے ممکن ہو تو کچھ دیر بُھلا دے مجھ کر

==☆==

تو بھی اپنے جُرم کی تعزیر پر حیرت نہ کر
میں بھی اپنے گھر کی بربادی پہ شرمندہ نہیں

==☆==

مہتاب کی کرنوں سے سلگتا ہُوا چہرہ
خوابوں میں بھی اندازِ حیا مانگ رہا ہے

==☆==

دِل بھی گُستاخ ہو چلا تھا بہت
شُکر ہے آپ بے وفا نکلے

==☆==

مرے جزاج کے دشمن مری شکست بھی دیکھ
بصد خلوص تری لے میں ڈھل رہا ہوں میں

==☆==

تیری زُلفیں بھی پریشاں ہیں مرے دِل کی طرح
تو بھی کچھ دیر مرے ساتھ رہا ہو جیسے

==☆==

محسؔن نقوی مریضانہ دروں بینی کا قائل نہیں، وہ سماجی معنویت کو کسی صُورت میں بھی نظرانداز نہیں کرتا، اُس کے اکثر اشعار میں زندگی اور زندگی آموز رجحانات ملتے ہیں۔ وہ ترقی پسند تحریک کے زیرِ اثر کہی ہُوئی غزلوں کے نئے شعور د آہنگ سے مکمل طور پر آشنا ہے۔

مزاجِ عظمتِ آدم کی بات ہے ورنہ
زمین کا ظُلم ترے آسماں سے کم تو نہ تھا

==☆==

یہ اندھیرا یہ روشنی کیا ہے
آؤ سوچیں کہ زندگی کیا ہے

==☆==

امیرِ شہر نے الزام دھر دیئے ورنہ
غریب شہر کچھ اتنا گُناہ گار نہ تھا

==☆==

شہرِ دِل پر مسلّط رہیں ظلمتیں
دشتِ ہستی میں سُورج اُگائے گئے

==☆==

کیا غضب ہے کہ جلتے ہُوئے شہر میں
بجلیوں کے فضائل سُنائے گئے

==☆==

لبوں کو سی کے گُنہ گارِ گ
اِسی کا نام ہے دُنیا ، اِسی کا نام سماج

خُود اپنے فِکر کی پستی پہ دسترس ہے مجھے
بلندیوں کا خُدا بن کے مجھ کو یوں نہ پُکار

پھول مانگو تو زخم دیتے ہیں
اب یہی رسمِ دوستاں ٹھہری

کس درجہ حسیں تھا مرے ماحُول کا غم بھی
میں بھول گیا آپ کا اندازِ سِتم بھی

اب محسنؔ نقوی کا احساس کچھ اور تیز ہو جاتا ہے

حق بات پہ کٹتی ہیں تو کٹنے دو زبانیں
جی لیں گے مرے یار با اندازِ دِگر بھی

کیوں درد کی قندیل جلائے کوئی دِل میں
حالات کی تلخی تو زیادہ بھی ہے کم بھی

آسانیوں کی بات نہ کر اے حریفِ زیست
اِن مشکلوں کو دیکھ جو رستے سے ہَٹ گئیں

میں فکر کے مہتاب پہ پہنچا تو زمیں پر
مجھ کو کئی ذرّے مہ و اختر نظر آئے

سُوکھے ہُوئے پتّوں کو اُڑانے کی ہوس میں
آندھی نے گرائے کئی سر سبز شجر بھی

کِس کی دہلیز پہ جھکیں محسنؔ
جتنے انساں تھے سب خُدا نکلے

وہ عام جدید شعراء کی طرح واقعیت زدگی اور ماحول کی ترجمانی کی دُھن میں عام اشیائے ضُرورت کی فہرست تیاّر کرنا غزل کا منصب نہیں سمجھتا بلکہ اِن چھوٹی چھوٹی حقیقتوں کو اپنا موضُوع بناتا ہے۔ جن میں زندگی آمیز سماجی معنویت ہے، اُس کا مخصوص لب ولہجہ اس کے ذہنی خلوص کی نشان دہی کرتا ہے ، وہ جدید شاعر ہے، مگر اُس کا انداز جدید شُعراء سے جُدا ہے۔ اس کے انداز میں رنگینی اور رعنائی ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ گُلشن میں پھول کھلتے رہے
یہ حادثہ ہے کہ دامن میں کوئی تار نہ تھا

جدید غزل گو شُعراء کی طرح محسنؔ نقوی بھی مناظرِ قُدرت کو علامتی رنگ دینے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر اس کوشش میں بھی وہ اپنا ایک خاص انداز رکھتا ہے۔

پتّوں پہ جم گئی ہے کئی موسموں کی گرد
شاخوں کا جسم لپٹا ہوا چادروں میں ہے

خُوشبو کی سرد لہر سے جلنے لگے جو زخم
پھولوں کو اپنا ''بندِ قبا'' کھولنا پڑا

آندھی چلی تو دُھوپ کی سانسیں اُلٹ گئیں
عُریاں شجر کے جسم سے شاخیں لپٹ گئیں

مِٹّی کے معجزے رہے مرہونِ کارواں
پانی کی خواہشیں تھیں کہ لہروں میں بٹ گئیں

محسؔن بھولے سے بھی ''اینٹی غزل'' یا خارجی غزل کے قریب نہیں پھٹکتا، اُس کے ذوقِ شعری سے یہ توقّع بھی نہیں، اِس کے طرزِ احساس، اندازِ فکر اور پیرایہء اظہار میں عصری عوامل کی کارفرمائی ضرور ہے۔ لیکن اِس کی غزلوں میں منفی رجحانات بار نہیں پاتے اس کے ہاں غزل کا مثبت پہلو، موضوعاتی تنوّع ،پُرخلوص سادگی اور رمزیاتی و ایمائی طرزِ احساس سبھی کچھ موجود ہے، البتہ اُس نے ایک آدھ شعر منفی پہلو کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے بھی کہہ لیا ہے۔

خوشی سے چھین لے میری متاعِ فکر مگر
مرے بدن سے یہ ملبوسِ عافیت نہ اُتار

''ملبوسِ عافیت'' کو ''متاعِ فکر'' سے زیادہ عزیز رکھنا نئی نسل کے ایک خاص طبقہ کے عافیت کوشش ذہنی رویّے پر دلالت کرتا ہے۔

مجموعی طور پر محسنؔ نئی نسل کا ایک منفرد شاعر ہے، اور اُس کی غزلوں میں جدید تر فکر کے مثبت پہلوؤں کی نمائندگی یعنی موضوعاتی تنوع، سماجی معنویت، پُر خلوص سادگی، لہجے کی نرمی اور شگفتگی، اس کے فنی ارتقاء کی بیّن دلیل ہے۔

خلیل صدیقی
صدر شعبہء اُردو، گورنمنٹ کالج ملتان،
(۱۹۶۹ء)

تازہ دَم شاعر

بقول آتش اگر غزل گوئی ''کارِ مُرصّع سازاں'' ہے تو ''بندِ قبا'' کا ذہین اور تازہ دَم شاعر اُردو غزل کے اِس دور میں اس عظیم کام کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتا نظر آتا ہے، جو در حقیقت لب و لہجہ اور اسلوُب کے اعتبار سے غزل کی شکست وریخت کا دَور ہے۔ موجودہ دَور کا جدید تر شاعر جدّت اور انوکھے پن کی انتہاؤں کو پالینے کے لیے غزل کے ہرے بھرے، شاداب اور سَدا بہار مرغزاروں سے نکل کر آسیب زدہ کھنڈروں کی طرف چلا گیا ہے اور نتیجتاً ایک ایسی زبان (بحر و قافیہ کی حدود میں رہ کر) بولنے لگا ہے جو ہذیان کی سی کیفیت کی حامل ہے۔ پہلے آبگینہ غزل ''تندیءِ صہبا'' سے پگھل تو سکتا تھا مگر چیخ کر پاش پاش ہو جانے کی نوبت نہیں آئی تھی، آج غزل اِس المیہ سے دوچار ہے

''بندِ قبا'' کے خُوشگو شاعر محسؔن نقوی نے اپنے تازہ خُون اور اپنی فطری شاعرانہ صلاحیتوں کے زور پر غزل کی آبیاری کے راستے پر اپنے سفر کا آغاز کیا ہے۔ اُس کا رخت، سفر اُس کے اوّلین شعری مجموعہ ''بندِ قبا'' کے خُوبصورت صفحات پر پھیلا ہُوا ہے۔ جس پر ایک نظر ڈالنے سے پہلا تاثر یہی پیدا ہوتا ہے، کہ محسؔن نقوی نے اپنی کم عُمری کے باوصف اپنے تخلیقی سفر کا آغاز بڑے اعتماد کے ساتھ اور بڑی شان سے کیا ہے اور اِس آغاز کے ساتھ ہی وہ یقیناً اُردو کے اُن جدید شعراء کی صف میں شامل ہو گیا ہے، جو اپنے فن اور انداز کی زندہء جاوید قدروں کے ساتھ ہماری شاعری کی تاریخ کا ناقابلِ فراموش حصّہ بن رہے ہیں۔ محسؔن نقوی نے اسلوُب کے اعتبار سے غزل کی اعلیٰ کلاسیکی قدروں سے اکتساب فیض کیا ہے اور تجربات و خیالات کے اعتبار سے خُود زندگی سے، زندگی کی ہر مَوجِ رَواں سے..... زندگی کی تمام تر خُوشیوں اور شادمانیوں سے، محرومیوں اور غم ناکیوں سے، اس لیے اِس کے تجربات جو اس نے اپنی غزل میں سموئے ہیں محبوب کے ''بندِ قبا'' سے ''تسخیرِ ماہتاب'' تک کی لامحدود دُنیاؤں میں پھیلے ہوئے ہیں ''بندِ قبا'' کے جَواں فِکر شاعر نے اپنی وسعتِ خیال کی بدولت اپنے مولد (شہر ڈیرہ غازی خان) کے بارے میں اُس پُرانے مروّجہ نظریہ پر ایک ضرب کاری لگائی ہے جو اِس شہر کی ''پسماندگی'' کے بارے میں قائم کیا جاتا ہے۔ محسؔن نقوی اپنے وطن کی دھرتی کا نکھار ہے اور اُس کا فن اُس کے علاقے کی آبرو۔

رفیق خاور جسکانی

لاہور، (۱۹۶۹ء)

☆

اے فکرِ کم نشاں مِری عظمت کی داد دے
تسلیم کر رہا ہُوں میں تیرے وجود کو

اے شورِ حرف و صوت مجھے بھی سلام کر
توڑا ہے میں نے شہرِ غزل کے جمود کو

اے وسعتِ جنوں مِری جرأت پہ ناز کر
میں نے بُھلا دیا ہے رسوم و قیود کو

ہر شاخِ سر بُریدہ نقیبِ بہار تھی
فصلِ خزاں بھی اب کے بڑی باوقار تھی

ہر سنگِ میل پر تھیں صلیبیں گڑی ہوئی
شاید وہ رہ گذار تری رہ گذار تھی

میں تیری آہٹوں پہ توجہ نہ کر سکا
میری حیات، وقفِ غمِ انتظار تھی

آخر سکوں مِلا اُسے دشتِ نگاہ میں
وہ آرزو جو دِل میں غریبالدیّار تھی

مجھ کو تری خوشبو کے ساتھ ساتھ
میری صَدا بھی دوشِ ہَوا پر سوار تھی

کچھ میں بھی آنسوؤں کی نمائش نہ کر سکا
کچھ آپ کی نظر بھی تغافل شعار تھی

مُدت کے بعد مجھ کو مِلی اتفاق سے
وہ اِک گھڑی کہ تیری طبیعت پہ بار تھی

یہ حادثہ ہے میں تیری محفل میں چُپ رہا
حالانکہ وہ فضا بھی بڑی سازگار تھی

وہ جن کے قہقہوں سے لرزتی تھی زندگی
کہتے ہیں ان کی آنکھ بڑی سوگوار تھی

محسؔن بنا تھا میں بھی مصوّر کبھی ، مگر
ٹیڑھی سی اِک لکیر مِرا شاہکار تھی

یوں بھی خزاں کا رُوپ سہانا لگا مجھے
ہر پھول فصلِ گُل میں پرانا لگا مجھے

میں کیا کسی پہ سنگ اُٹھانے کی سوچتا
اپنا ہی جسم آئینہ خانہ لگا مجھے

اے دوست ! جھوٹ عام تھا دُنیا میں اس قدر
تو نے بھی سچ کہا تو فسانہ لگا مجھے

اَب اُس کو کھو رہا ہُوں بڑے اشتیاق سے
وہ جس کو ڈھونڈنے میں زمانہ لگا مجھے

محسنؔ ہجومِ یاس میں مرنے کا شوق بھی
جینے کا اِک حسین بہانہ لگا مجھے

میں چُپ رہا کہ زہر یہی مجھ کو راس تھا
وہ سنگِ لفظ پھینک کے کتنا اُداس تھا

اکثر مِری قبا پہ ہنسی آ گئی جسے!
کل مل گیا تو وہ بھی دریدہ لباس تھا

میں ڈھونڈتا تھا دُور خلاؤں میں ایک جسم
چہروں کا اِک ہجوم مِرے آس پاس تھا

تم خوش تھے پتھروں کو خدا جان کے مگر
مجھ کو یقین ہے وہ تمہارا قیاس تھا

بخشا ہے جس نے رُوح کو زخموں کا پیرہن
محسنؔ وہ شخص کتنا طبیعت شناس تھا

☆

سایۂ گُل سے بہر طَور جُدا ہو جانا
راس آیا نہ مجھے موجِ صبا ہو جانا

اپنا ہی جسم مجھے تیشۂ فرہاد لگا
میں نے چاہا تھا پہاڑوں کی صدا ہو جانا

موسمِ گُل کے تقاضوں سے بغاوت ٹھہرا
قفسِ غنچہ سے خوشبو کا رِہا ہو جانا

قصرِ آواز میں اِک حشر جگا دیتا ہے
اُس حسیں شخص کا تصویر نما ہو جانا

راہ کی گرد سہی ' مائلِ پرواز تو ہُوں
مجھ کو آتا ہو ترا ''بندِ قبا'' ہو جانا

زندگی تیرے تبسّم کی وضاحت تو نہیں ؟
موجِ طوفاں کا اُبھرتے ہی فنا ہو جانا

کیوں نہ اُس زخم کو میں پھول سے تعبیر کروں
جس کو آتا ہو ترا ''بندِ قبا'' ہو جانا

اشکِ کم گو! تجھے لفظوں کی قبا گر نہ مِلے
میری پلکوں کی زباں سے ہی ادا ہو جانا

قتل گاہوں کی طرح سُرخ ہے رستوں کی جبیں
اِک قیامت تھا مِرا آبلہ پا ہو جانا

پہلے دیکھو تو سہی اپنے کرم کی وسعت
پھر بڑے شوق سے تُم میرے خدا ہو جانا

بے طلب دَرد کی دَولت سے نوازو مجھ کو
دِل کی توہین ہے مرہونِ دُعا ہو جانا

میری آنکھوں کے سمندر میں اُترنے والے
کون جانے تری قسمت میں ہے کیا ہو جانا!

کتنے خوابیدہ مناظر کو جگائے محسن!
جاگتی آنکھ کا پتھرایا ہُوا ہو جانا!

☆

میں جلوۂ صد رنگ ہُوں یا موجِ صبا ہُوں ؟
احساس کی چوکھٹ پہ کھڑا سوچ رہا ہُوں

اِک جام تو پی لینے دے اے گردشِ دوراں
پھر تجھ کو بتاتا ہُوں کون ہُوں کیا ہُوں ؟

تُم یاد کرو پہلی ملاقات کی باتیں
میں پہلی ملاقات ذرا بھول گیا ہُوں

سو بار زمانے نے مجھے زہر دیا ہے
سو بار میں سچ بول کے سُقراط بنا ہُوں

اے دوست زمانے کی عنایات پہ مت جا
تو خاک بسر ہے تو میں زنجیر بہ پا ہُوں

مانوسِ شبِ غم جو نہیں تھا مرا احساس
ہلکی سی اِک آہٹ پہ بھی اب چونک پڑا ہُوں

ہر اشک یہاں رُوکش تنویر سحر تھا
ہر زخم یہ کہتا ہے ترا ''بندِ قبا'' ہُوں

اکثر اسے پا لینے کی اُمید میں محسنؔ
خود اپنے لیے راہ کی دیوار بنا ہُوں

☆

آہٹ سی ہوئی تھی نہ کوئی برگ ہِلا تھا
میں خود ہی سرِ منزلِ شب چیخ پڑا تھا

لمحوں کی فصیلیں بھی مِرے گرد کھڑی تھیں
میں پھر بھی تجھے شہر میں آوارہ لگا تھا

تُو نے جو پکارا ہے تو بول اُٹھا ہوں ' ورنہ
میں فکر کی دہلیز پہ چُپ چاپ کھڑا تھا

پھیلی تھیں بھرے شہر میں تنہائی کی باتیں
شاید کوئی دیوار کے پیچھے بھی کھڑا تھا

اب اس کے سوا یاد نہیں جشنِ ملاقات
اِک ماتمی جگنو مِری پلکوں پہ سجا تھا

یا بارشِ سنگ اب کے مُسلسل نہ ہوئی تھی
یا پھر میں ترے شہر کی رَہ بھول گیا تھا

اِک جلوۂ محجوب سے روشن تھا مِرا ذہن
وجدان یہ کہتا ہے وہی میرا خدا تھا

ویراں نہ ہو اِس درجہ کوئی موسم گُل بھی
کہتے ہیں کسی شاخ پہ اِک پھول کِھلا تھا

اِک تُو کہ گریزاں ہی رہا مجھ سے بہر طَور
اِک میں کہ ترے نقشِ قدم چُوم رہا تھا

دیکھا نہ کسی نے بھی مِری سمت پلٹ کر
محسؔن میں بکھرتے ہوئے شیشوں کی صدا تھا

☆

پھیلے گی بہر طَور شفق ' نیلی تہوں میں
قطرے کا لہو بھی ہے سمندر کی رگوں میں

مقتل کی زمیں صاف تھی آئینہ کی صورت
عکسِ رُخِ قاتل تھا ہر اِک قطرۂ خوں میں

مت پوچھ مِری چشمِ تحیّر سے کہ مجھ کو
کیا لوگ نظر آئے ہیں دشمن کی صفوں میں

کچھ وہ بھی کم آمیز تھا ' تنہا تھا ' حسیں تھا
کچھ میں بھی مخل ہو نہ سکا اُس کے سُکوں میں

ہر صبح کا سورج تھا میرے سائے کا دشمن
ہر شب نے چھپایا ہے مجھے اپنے پروں میں

اب اہلِ خرد بھی ہیں لہو سنگِ جنوں سے
کیا رسم چلی شہر کے آشفتہ سروں میں

جو سجدہ گہِ ظلمتِ دَوراں رہے محسؔن
اُتری نہ کوئی اندھی کرن ایسے گھروں میں

☆

منظر یہ دِل نشیں تو نہیں دِل خراش ہے
دوشِ ہَوا پہ ابرِ برہنہ کی لاش ہے

لہروں کی خامشی پہ نہ جا اے مزاجِ دِل
گہرے سمندروں میں بڑا ارتعاش ہے

سوچوں تو جوڑ لُوں کئی ٹوٹے ہوئے مزاج
دیکھوں تو اپنا شیشۂ دِل پاش پاش ہے

دِل وہ غریبِ شہرِ وفا ہے کہ اب جسے
تیرے قریب رہ کے بھی تیری تلاش ہے

آنسو مِرے تو خیر وضاحت طلب نہ تھے
تیری ہنسی کا راز بھی دُنیا پہ فاش ہے

میرا شعور جس کی جراحت سے چور تھا
تیرے بدن پہ بھی اسی غم کی خراش ہے

محسنؔ تکلّفات کی غارت گری نہ پوچھ ،
مجھ کو "غمِ وفا" تجھے فکرِ معاش ہے!

☆

اب کے اِس طَور سے آنچل کی ہَوا دے مجھ کو
جاگتے ذہن کی میراث بنا دے مجھ کو

جو مِرے درد کی آواز سمجھ سکتا ہو
اے زمانے کوئی ایسا بھی خدا دے مجھ کو

میں نے سمجھا ہے تجھے منصفِ دوراں اکثر
میری ناکردہ گناہی کی سزا دے مجھ کو ،

میں تیری راہ میں اِک سنگ سُبک وزن تو ہُوں
دیر کیا لگتی ہے ٹھوکر سے ہٹا دے مجھ کو

کب تلک میرے تصور میں پھرے گا چُپ چاپ
تجھ سے ممکن ہو تو کچھ دیر بھلا دے مجھ کو

یہ الگ بات کہ اوجھل ہُوں نظر سے ورنہ
میں تیرے پاس ہی رہتا ہُوں صدا دے مجھ کو

میں دھڑکتا ہُوں تیرے سینے میں دِل کی صورت
اے مِرے دُشمنِ جاں اور دُعا دے مجھ کو

اُف شبِ غم کا وہ ٹھہرا ہُوا لمحہ محسؔن
جب مِرے وہم کی آہٹ بھی جگا دے مجھ کو

☆

کِس نے سنگِ خامشی پھینکا بھرے بازار پر؟
اِک سکوتِ مرگ جاری ہے دَر و دیوار پر!

تُو نے اپنی زُلف کے سائے میں افسانے کہے
مجھ کو زنجیریں ملی ہیں جرأتِ اظہار پر

شاخِ عُریاں پر کِھلا اِک پھول اس انداز سے
جس طرح تازہ لہو چمکے نئی تلوار پر

سنگ دِل احباب کے دامن میں رسوائی کے پھول
میں نے دیکھا ہے نیا منظر فرازِ دار پر

اب کوئی تہمت بھی وجہِ کربِ رسوائی نہیں
زندگی اِک عمر سے چُپ ہے ترِے اصرار پر

میں سرِ مقتل حدیثِ زندگی کہتا رہا
اُنگلیاں اُٹھتی رہیں محسؔن مِرے کردار پر

☆

طے کر نہ سکا زیست کے زخموں کا سفر بھی
حالانکہ مِرا دِل تھا شگوفہ بھی شرر بھی

اُترا نہ گریباں میں مقدر کا ستارا
ہم لوگ لٹاتے رہے اشکوں کے گہر بھی

حق بات پہ کٹتی ہیں تو کٹنے دو زبانیں
جی لیں گے مِرے یار باندازِ دِگر بھی

حیراں نہ ہو آئینہ کی تابندہ فضا پر
آ دیکھ ذرا زخمِ کفِ آئینہ گر بھی

سوکھے ہُوئے پتّوں کو اُڑانے کی ہوس میں
آندھی نے گِرائے کئی سر سبز شجر بھی

وہ آگ جو پھیلی مِرے دامن کو جلا کر
اُس آگ نے پھونکا مِرے احباب کا گھر بھی

محسؔن یونہی بدنام ہُوا شام کا ملبوس
حالانکہ لہو رنگ تھا دامانِ سحر بھی

☆

میں زمانے کی روایت کا نمائندہ نہیں
میری دنیا میں کوئی امروز و آئندہ نہیں

تُو بھی اپنے جُرم کی تعزیر پہ حیرت نہ کر
میں بھی اپنے گھر کی بربادی پہ شرمندہ نہیں

میں تو اُس کے دِل کی دھڑکن بن گیا ہوں بارہا
وہ حریفِ جاں سمجھتا ہے کہ میں زندہ نہیں

یا ہَوائے دَہر میں پنہاں ہے طوفانوں کا زور
یا فصیلِ جسم کے آثار پائندہ نہیں

آنسوؤں کی لہر میں بہتا ہُوا موتی تو ہُوں
کیا ہُوا ' گر آپ کی صورت میں تابندہ نہیں

شکر ہے راس آ گیا مجھ کو قناعت کا جہاں
شکر ہے میں قصرِ سلطانی کا کارندہ نہیں

یوں مرے احباب ملتے ہیں مجھے محسؔن یہاں
جیسے میں اِس شہرِ ناپُرساں کا باشندہ نہیں

☆

موسمِ گل بھی نہیں ' تُو بھی مِرے پاس نہیں
جانے کیوں پھر بھی جنوں وقفِ غم و یاس نہیں

تو وہ ظالم ہے جو اپنوں کو بھی اَغیار کہے
میں وہ پاگل جسے دشمن کا بھی احساس نہیں

شہرِ دِل مجھ کو نہ خوش رہنے کے آداب سکھا
کیا کروں مجھ کو تری آب و ہوا راس نہیں

ذہن اب فکر کی سُولی پہ سجائے گا کسے؟
کوئی عنواں بھی سرِ مقتلِ احساس نہیں

جانِ میخانہ ہے وہ رندِ بلا نوش یہاں
تشنہ لب رہ کے جو کہتا ہے مجھے پیاس نہیں

سوچ کر اس کو سجا اپنے حسیں آنچل پر
میرا آنسو ہے کوئی ریزۂ الماس نہیں

ایک وہ دِن کہ ترا جسم تھا میراث مِری
ایک یہ دِن کہ ترا غم بھی مِرے پاس نہیں

☆

منسوب تھے جو لوگ مِری زندگی کے ساتھ
اکثر وہی ملے ہیں بڑی بے رُخی کے ساتھ

یوں تو مَیں ہنس پڑا ہُوں تمہارے لیے مگر
کتنے ستارے ٹوٹ پڑے اِک ہنسی کے ساتھ

فرصت مِلے تو اپنا گریباں بھی دیکھ لے
اے دوست یوں نہ کھیل مِری بے بسی کے ساتھ

مجبوریوں کی بات چلی ہے تو مئے کہاں
ہم نے پیا ہے زہر بھی اکثر خوشی کے ساتھ

چہرے بدل بدل کے مجھے مل رہے ہیں لوگ
اتنا بُرا سلوک مِری سادگی کے ساتھ؟

اِک سجدۂ خلوص کی قیمت فضائے خلد؟
یاربّ نہ کر مزاق مِری بندگی کے ساتھ

محسنؔ کرم کی لئے بھی ہو جس میں خلوس بھی
مجھ کو غضب کا پیار ہے اُسی دشمنی کے ساتھ

☆

صحرا میں بھی خوشبوئے صَبا مانگ رہا ہے
دیوانہ بڑے شوق سے کیا مانگ رہا ہے

یارو ' دِل وحشی کو سنبھالو کہ سرِ بزم
وہ دشمنِ جاں نذرِ وفا مانگ رہا ہے

جاگی ہُوئی مخلوق ہے سورج کی عناں گیر
سویا ہُوا انسان دُعا مانگ رہا ہے

آ دیکھ مِرے ذہن کی آوارہ مزاجی!
ظالم تِرے آنچل کی ہَوا مانگ رہا ہے

مہتاب کی کرنوں سے سُلگتا ہوا چہرہ
خوابوں میں بھی اندازِ حیا مانگ رہا ہے

انصاف کی زنجیر کو چھیڑو نہ ابھی سے
دیوانہ ابھی اذنِ صدا مانگ رہا ہے

محسنؔ مِرا وجدان بنامِ کفِ دلدار
ہر زخم سے کچھ رنگ حِنا مانگ رہا ہے

☆

تری آنکھ کو آزمانا پڑا
مجھے قصّۂ غم سنانا پڑا

غمِ زندگی تیری خاطر ہمیں
سرِ دار بھی مُسکرانا پڑا

حوادث کی شب اتنی تاریک تھی
جوانی کو ساغر اُٹھانا پڑا

مِرے دشمنِ جاں ، ترے واسطے
کئی دوستوں کو بھلانا پڑا

زمانے کی رفتار کو دیکھ کر
قیامت پہ ایمان لانا پڑا

جنہیں دیکھنا بھی نہ چاہے نظر
اُنہیں سے تعلق بڑھانا پڑا

کئی سانپ تھے قیمتی اس قدر
اُنہیں آستیں میں چھپانا پڑا

ہَواؤں کے تیور جو برہم ہُوئے
چراغوں کو خود جھلملانا پڑا

☆

حَد سے بڑھنے لگی بدگمانی مِری
آپ نے چھیڑ دی پھر کہانی مِری

ایک پل کو ٹھہر جا غمِ دو جہاں
مشورہ چاہتی ہے جوانی مِری

سَنگ دِل دوستوں کے حسیں شہر میں
کام آئی بہت سخت جانی مِری

خلقتِ شہر دہرائے گی دیر تک
نغمۂ جاں ترا ' نوحہ خوانی مِری

چیخ اُٹھے بام و دَر ' بول اُٹھی چاندنی
جب بھی حَد سے بڑھی بے زبانی مِری

☆

کوئی فسونِ طرب ' زیست کے سفر میں نہیں
تمہارا عکس بھی آئینۂ نظر میں نہیں

شبِ وفا کا مُسافر بھٹک نہ جائے کہیں
چراغِ اشک بھی دامانِ رہگذر میں نہیں

گراں نہ گذرے تو میری شبِ غریب سے مانگ
وہ روشنی وہ کِرن جو تری سحر میں نہیں

زمیں کی پست فضاؤں میں رہ سکو تو رہو
کہ آسمان کی رفعت تو میرے گھر میں نہیں

تُو پھول ہے تو کسی شبنمی روش پہ مہک
ترا مقامِ نمائش دِلِ شرر میں نہیں

خردوَروں نے تعصّب کہا جسے محسنؔ
خدا کا شکر ہے وہ دَرد میرے سر میں نہیں

☆

آئینہ دَر آغوش ہُوں ' پیمانہ بکف بھی
اے دُشمنِ جاں! دیکھ ذرا میری طرف بھی

دِل ' شورشِ پیہم ہے ' نظر وقفِ خموشی
میں رونقِ طوفاں بھی ہُوں ساحل کا شرف بھی

اکثر مجھے اغیار کے انبوہ رَواں میں
شامل نظر آئی مِرے احباب کی صف بھی

اے دوست تِرے بعد سرِ کُوئے تمنّا
ہم لوگ رہے سنگِ ملامت کا ہدف بھی

تُو جنسِ خِرد لے کے بکھر جا کہیں ورنہ
آئے گا کوئی سنگِ جنوں تیری طرف بھی

محسؔن میں فقط خاکِ شفا پر نہیں نازاں
سجدوں کو میسّر ہے درِ شاہِ نجف بھی

☆

بزمِ یاراں میں کیا گُل کھِلائے گئے
ہر قبا پر ستارے سجائے گئے

اتفاقاً کوئی قصر تاریک تھا
انتقاماً کئی گھر جلائے گئے

جن کی لو خنجروں سے ذرا تیز تھی
وہ دیئے شام ہی سے بجھائے گئے

اپنی صورت بھی اِک وہم لگتی ہے اَب
اتنے آئینے مجھ کو دِکھائے گئے

شہرِ دِل پر مسلّط رہیں ظلمتیں
دشتِ ہستی میں سورج اُگائے گئے

کیا غضب ہے کہ جلتے ہوئے شہر میں
بجلیوں کے فضائل سُنائے گئے

دِل وہ بازار ہے جانِ محسنؔ، جہاں
کھوٹے سکّے بھی اکثر چلائے گئے

☆

خود وقت میرے ساتھ چلا وہ بھی تھک گیا
میں تیری جستجو میں بہت دُور تک گیا

کچھ اور اَبر چاند کے ماتھے پہ جھک گئے
کچھ اور تیرگی کا مقدر چمک گیا

کل جس کے قُرب سے تھی گریزاں مِری حیات
آج اُس کے نام پر بھی مِرا دِل دھڑک گیا

میں سوچتا ہُوں شہر کے پتھر سمیٹ کر
وہ کون تھا جو راہ کو پھولوں سے ڈھک گیا

دُشمن تھی اُس کی آنکھ ' جو میرے وجود کی
میں حرف بن کے اُس کی زباں پر اٹک گیا

اب کوئی سنگ پھینک کہ چمکے کوئی شرر
میں شہرِ آرزو میں اچانک بھٹک گیا

مت پوچھ فکرِ زیست کی غارت گری کا حال
احساس برف برف تھا لیکن بھڑک گیا

احباب جبرِ زیست کے زنداں میں قید تھے
محسنؔ میں خود صلیبِ غزل پر لٹک گیا

☆

منظر یہ عجب شہر سے باہر نظر آئے
سایہ بھی مجھے راہ کا پتّھر نظر آئے

کس قریہ میں اب اپنی خموشی کو چھپاؤں
ہر موڑ پہ ہنگامۂ محشر نظر آئے

سوچوں تو مِری دشمنِ جاں وسعتِ آفاق
دیکھوں تو یہ زِنداں بھی مِرا گھر نظر آئے

میں فکر کے مہتاب پہ پہنچا تو زمیں پر
مجھ کو کئی ذرّے مہ و اختر نظر آئے

کچھ لوگ جو منسوب رہے شیشہ گروں سے
آئینے میں وہ خود کو سکندر نظر آئے

میں جاگتی آنکھوں میں جسے ڈھونڈنا چاہوں
وہ شخص مجھے خواب میں اکثر نظر آئے

محسنؔ مِرے افکار کی وسعت پہ نہ جاؤ
دشمن بھی مجھے اپنے برابر نظر آئے

☆

زندگی وقفِ خمِ گیسوئے حالات تو ہے
اپنی قسمت میں سحر ہو کہ نہ ہو رات تو ہے

ورنہ یوں راس نہ آتے مجھے ویراں لمحے
سوچتا ہوں کہ ترے غم میں کوئی بات تو ہے

اس لیے دار کی ٹہنی پہ بھی خاموش ہوں مَیں
خامشی کچھ بھی نہ ہو مقتلِ نغمات تو ہے

تجربہ کچھ بھی ہو، دِل اُس سے بہل جائے گا
ایک لمحے کو سہی اُن سے ملاقات تو ہے

اے زمانے تری تجدید بجا ہے، لیکن
تو بھی منجملۂ اربابِ روایات تو ہے

وقت کے جبر نے بخشے ہیں کئی زخم، مگر
آدمی منتظرِ روزِ مکافات تو ہے

کیوں نہ اس سے میں سجالوں غمِ ہستی محسنؔ
میرے اشعار میں کچھ عکسِ غمِ ذات تو ہے

☆

آپ کی آنکھ سے گہرا ہے مِری رُوح کا زخم
آپ کیا سوچ سکیں گے مِری تنہائی کو

میں تو دَم توڑ رہا تھا ' مگر افسردہ حیات
خود چلی آئی مِری حوصلہ افزائی کوٗ

لذتِ غم کے سوا ' تیری نگاہوں کے بغیر
کون سمجھا ہے مِری زخم کی گہرائی کو

میں بڑھاؤں گا تری شہرتِ خوشبو کا نکھار
تو دُعا دے مِرے افسانۂ رُسوائی کو

وہ تو یُوں کہیے کہ اِک قوسِ قزح پھیل گئی!
ورنہ مَیں بھول گیا تھا تِری انگڑائی کو

☆

ہر ایک زخم کا چہرہ گُلاب جیسا ہے
مگر یہ جاگتا منظر بھی خواب جیسا ہے

یہ تلخ تلخ سا لہجہ ' یہ تیز تیز سی بات
مزاجِ یار کا عالم شراب جیسا ہے

مرا سخن بھی چمن در چمن شفق کی پھُوار
ترا بدن بھی مہکتے گُلاب جیسا ہے

بڑا طویل ' نہایت حسیں ' بہت مبہم '
مرا سوال تمہارے جواب جیسا ہے

تُو زندگی کے حقائق کی تہ میں یوُں نہ اُتر
کہ اس ندی کا بہاؤ چناب جیسا ہے

تری نظر ہی نہیں حرف آشنا ورنہ
ہر ایک چہرہ یہاں پر کتاب جیسا ہے

چمک اُٹھے تو سمندر' بجھے تو ریت کی لہر
مرے خیال کا دریا سراب جیسا ہے

ترے قریب بھی رہ کر نہ پاسکوں تجھ کو
ترے خیال کا جلوہ حباب جیسا ہے

☆

نظر میں زخمِ تبسّم چھپا چھپا کے مِلا
خفا تو تھا وہ مگر مجھ سے مُسکرا کے مِلا

وہ ہم سفر کے مِرے طنز پر ہنسا تھا بہت
ستم ظریف مجھے آئینہ دِکھا کے مِلا

مِرے مزاج پہ حیراں ہے زندگی کا شعور
میں اپنی موت کو اکثر گلے لگا کے مِلا

میں اُس سے مانگتا کیا خوں بہا جوانی کا
کہ وہ بھی آج مجھے اپنا گھر لُٹا کے مِلا

میں جس کو ڈھونڈ رہا تھا نظر کے رستے میں!
مجھے مِلا بھی تو ظالم نظر جھکا کے مِلا

میں زخم زخم بدن لے کے چل دیا محسنؔ
وہ جب بھی اپنی قبا پر کنول سجا کے مِلا

☆

ہر نفس درد کے سانچے میں ڈھلا ہو جیسے
زیست ناکردہ گناہوں کی سزا ہو جیسے

لے گئی یُوں مجھے خوابوں کے جزیروں کی طرف
نکہتِ گُل ترے آنچل کی ہَوا ہو جیسے

ظلمتِ شامِ الم مجھ سے گریزاں ہے ابھی
اِک ستارا مِری پلکوں میں چھپا ہو جیسے

تیری زلفیں بھی پریشاں ہیں مِرے دِل کی طرح
تو بھی کچھ دیر مِرے ساتھ رہا ہو جیسے

میں تِرے سائے سے بچ بچ کے چلا ہُوں اکثر
میری منزل تیری منزل سے جدا ہو جیسے

پھول مانگوں تو عطا کرتے ہیں زخموں کے کنول
اب یہی شیوۂ اربابِ وفا ہو جیسے

یُوں مِری آنکھ سے اوجھل وہ رہا ہے اکثر
اس کا پیکر مِرے خوابوں میں ڈھلا ہو جیسے

چاندنی اپنے تقدس پہ ہے نازاں اتنی
مریمِ شب کی خطا پوش رِدا ہو جیسے

آج پھر اُن سے ملاقات ہُوئی ہے محسن
آج پھر دِل پہ کوئی زخم لگا ہو جیسے

☆

زمانے بھر کی نگاہوں میں جو خدا سا لگے
وہ اجنبی ہے مگر مجھ کو آشنا سا لگے

نجانے کب مِری دُنیا میں مُسکرائے گا
وہ ایک شخص کہ خوابوں میں بھی خفا سا لگے

عجیب چیز ہے یارو یہ منزلوں کی ہوس
کہ راہزن بھی مسافر کو رہنما سا لگے

دِل تباہ! تِرا مشورہ ہے کیا کہ مجھے
وہ پھول رنگ ستارہ بھی بے وفا سا لگے

ہُوئی ہے جس سے منور ہر ایک آنکھ کی جھیل
وہ چاند آج بھی محسن کو کم نما سا لگے

☆

نظر کا حُسن بھی حُسنِ بُتاں سے کم تو نہ تھا
مِرا یقین تمہارے گماں سے کم تو نہ تھا

مزاجِ عظمتِ آدم کی بات ہے ' ورنہ
زمیں کا ظلم تِرے آسماں سے کم تو نہ تھا

گزر رہا تھا جہاں سے میں سنگ دِل بن کر
وہ موڑ شیشہ گروں کی دُکاں سے کم تو نہ تھا

نجانے کیوں تری آنکھیں خموش تھیں ' ورنہ
دِلِ غریب کا نغمہ فغاں سے کم تو نہ تھا

رہِ جنوں کے نشیب و فراز میں محسؔن
خِرد کا پھول بھی سنگِ گراں سے کم تو نہ تھا

☆

آندھی چلی تو دھوپ کی سانسیں اُلٹ گئیں
عریاں شجر کے جسم سے شاخیں لپٹ گئیں

دیکھا جو چاندنی میں گریبانِ شب کا رنگ
کرنیں پھر آسمان کی جانب پلٹ گئیں

میں یاد کر رہا تھا مقدر کے حادثے!
میری ہتھیلیوں پہ لکیریں سمٹ گئیں

مٹی کے معجزے رہے مرہونِ کارواں
پانی کی خواہشیں تھیں کہ لہروں میں بٹ گئیں

آسانیوں کی بات نہ کر اے حریفِ زیست
اُن مشکلوں کو دیکھ جو رستے سے ہٹ گئیں

☆

جو خود اپنی وفا سے شرمائے
دِل اُسی آشنا سے ڈر جائے

اُڑ رہی ہے فضا میں تنہائی
کوئی آنکھوں کا جال پھیلائے

بند ہیں مہ وشوں کے دروازے
چاندنی آج کس کے گھر جائے؟

منزلوں کا نشاں نہیں ملتا
ہم بڑی دُور سے پلٹ آئے

میرے اِحساس کے الاؤ میں
کاش میرا شعور جل جائے

وہ خدا ہے تو رُوٹھتا کیوں ہے؟
آدمی ہے تو سامنے آئے

فکر کے آسمان پر محسنؔ
سینکڑوں آفتاب گہنائے

☆

اب وہ طوفاں ہے نہ وہ شور ہَواؤں جیسا
دِل کا عالم ہے ترے بعد خلاؤں جیسا

کاش دُنیا مِرے احساس کو واپس کردے
خامشی کا وہی انداز ' صداؤں جیسا

پاس رہ کر بھی ہمیشہ وہ بہت دُور مِلا
اُس کا اندازِ تغافل تھا خداؤں جیسا

کتنی شدت سے بہاروں کو تھا احساسِ مآل
پھول کِھل کر بھی لگا زرد خزاؤں جیسا

کیا قیامت ہے کہ دُنیا اُسے سردار کہے
جس کا اندازِ سخن بھی ہو گداؤں جیسا

پھر تری یاد کے موسم نے جگائے محشر
پھر مِرے دِل میں اُٹھا شور ہَواؤں جیسا

بارہا خواب میں پا کر مجھے پیاسا محسنؔ
اُس کی زلفوں نے کیا رقص گھٹاؤں جیسا

☆

نظر میں کیف نہ تھا دِل میں عکسِ یار نہ تھا
مِرا جنوں کبھی شرمندۂ بہار نہ تھا

یہ واقعہ ہے کہ گُلشن میں پھول کِھلتے رہے
یہ حادثہ ہے کہ دامن میں کوئی تار نہ تھا

خطا معاف! میں شیشوں کی تہ میں ڈُوب گیا
مجھے حضور کی آنکھوں پہ اعتبار نہ تھا

امیرِ شہر نے الزام دھر دیئے ' ورنہ
غریبِ شہر کچھ اتنا گناہ گار نہ تھا

ہم اُن کے چاکِ گریباں کو کیا رفو کرتے
ہمیں خود اپنے گریباں پہ اختیار نہ تھا

مِرے دُکھوں سے ہُوئے جس کے قہقہے منسوب
وہ آدمی بھی مِرے غم میں سوگوار نہ تھا

میں سوچتا ہُوں بھلا کس طرح سے گذری ہے
وہ ایک شب کی تمہارا بھی اِنتظار نہ تھا

مجھے فضائے چمن راس ہی نہ تھی محسنؔ
کہ نکہتوں کا سفر اتنا خوشگوار نہ تھا

☆

جس کی تعظیم ہوئی منزلِ دانائی تک
لوگ کہتے ہیں اُسے آج بھی سودائی تک

ایک ہی رنگ تھا جذبات کی طغیانی کا
موسمِ گُل سے ترے جسم کی انگڑائی تک

بامِ شہرت پہ تو پوچھا مجھے لوگوں نے ، مگر
ساتھ آیا نہ کوئی کوچۂ رُسوائی تک

وہ تری آنکھ ہو یا سنگِ ملامت کی چبھن
کون پہنچا ہے مِرے زخم کی گہرائی تک

میں نے جس شخص کو خوابوں میں تراشا محسنؔ
لوگ کہتے ہیں اُسی شخص کو ہرجائی تک

☆

تیری دُھن میں محفلِ آرائی مِری
کس قدر دلکش ہے تنہائی مِری

کاش تو سمجھے کبھی اِس راز کو
تیرے جلووں میں ہے رعنائی مِری

اجنبی ہیں خود جو اپنی ذات سے
ہو گئی اُن سے شناسائی مِری

آپ کے دُشمن ہوں مصروفِ ملال
اتفاقاً آنکھ بھر آئی مِری

تو بھی دیکھ اب اس بہانے سے مجھے
ایک خلق ہے تماشائی مِری

کیوں وہ ظالم دیر تک روتا رہا
کون سی بات اُس کو یاد آئی مِری

دشت بھی مہکا ہے گُلشن کی طرح
رنگ لائی آبلہ پائی مِری

جانِ محسنؔ تیری شہرت کی قسم
دُور تک پہنچی ہے رُسوائی مِری

☆

آپ کی آنکھ میں کچھ رنگ سا بھرنا چاہے
دِل بھی خوابوں کے جزیروں سے گزرنا چاہے

کتنا دِلکش ہَے شبِ غم کی خموشی کا فسوں
زندگی آپ کی آہٹ سے بھی ڈرنا چاہے

میں لہو بن کے ترِے رنگِ قبا سے اُلجھوں
تو شفق بن کے مِرے رُخ پہ بکھرنا چاہے

جشنِ نو روز ہو یا شامِ غریباں کا سکوت
دِل ہر اِک خوف کی منزل سے گزرنا چاہے

رُوٹھ جانا تو نمائش ہے سراسر وَرنہ
زندگی یُوں بھی ترِی بات پہ مرنا چاہے

یہ الگ بات کہ آنکھوں نے اُسے دیکھ لیا
ورنہ وہ عکس مِرے دِل میں اُترنا چاہے

میری تقدیر کی صورت، مِرے اشکوں کی طرح
وہ حسیں شخص بہر حال سنورنا چاہے

دِن کی تقدیر کا حاصل بھی وہی ہے محسؔن
اِک ستارا جو سرِ شام اُبھرنا چاہے

☆

کس درجہ حسیں تھا مِرے ماحول کا غم بھی
میں بھول گیا آپ کا اندازِ سِتم بھی

اُلجھے ہُوئے لمحات کے تاریک سفر میں
آئے ہیں بہت یاد ترِی زُلف کے خم بھی

اِک لمحہ تو دم لینے دے آغوشِ سکوں میں
اے گردشِ حالات کسی موڑ پہ تھم بھی

پلکوں پہ سجائے ہُوئے زخموں کے نگینے
گزریں گے کسی روز تِرے شہر سے ہم بھی

کیوں درد کی قندیل جلائے کوئی دل میں
حالات کی تلخی تو زیادہ بھی ہے کم بھی

منظر تو ذرا دیکھئے رسوائی فن کا
بکنے لگے بازار میں اربابِ قلم بھی

کچھ دیر تو پھوٹا ہے لہو میری جبیں سے
کچھ دیر تو چمکے گا تِرا سنگِ حرم بھی

اِک عُمر جسے ذہن نے پوجا ہے بہر طور
محسنؔ وہ سِتم کیش، خدا بھی تھا صنم بھی

☆

جھیل سی آنکھ تھی کنول نہ ہُوئی
مجھ سے پھر آج بھی غزل نہ ہُوئی

زندگی تھی مِرے مزاج کی لہر
وہ ترے گیسوؤں کا بَل نہ ہُوئی

آپ کے بعد مجھے ہوش آیا
یہ خطا مجھ سے بر محل نہ ہُوئی

آپ بھی ایک مہ جبیں ٹھہرے
آپ کی بات بھی اٹل نہ ہُوئی

صرف میرے جہاں میں اے محسنؔ
عاشقی ذہن کا خلل نہ ہُوئی

☆

ذہن میں صورتِ گماں ٹھہری
وہ نظر اِس طرح کہاں ٹھہری؟

ہم نے جو بے خوُدی میں کہہ ڈالی
بات وہ زیبِ داستاں ٹھہری

پھول مانگو تو زخم دیتے ہیں
اب یہی رسمِ دوستاں ٹھہری

چاند کو دیکھ کر وہ یاد آئے
چاندنی میری رازداں ٹھہری

خواہشوں میں بکھر گئی محسن
دوستی جنسِ رائیگاں ٹھہری

☆

سلسلہ پیار کا آغوش دَر آغوش بھی ہے
معجزہ یہ ہے کہ تھوڑا سا مجھے ہوش بھی ہے

میری تخلیق مِرے جرم کی تعزیر سہی
زندگی غور تو کر اِس میں تِرا دوش بھی ہے

بے جھجک پیتا چلا جائے مگر فاش نہ ہو
مے کشو تم میں کوئی ایسا بلا نوش بھی ہے

شیخ چہکا ہے جو منبر پہ ذرا سی پی کر
اُس کی تقریر میں جدّت ہی نہیں جوش بھی ہے

آ غمِ زیست تجھے مئے سے گلابی کردوں
رنگ بھی فق ہے ترا ' آج تو خاموش بھی ہے

چند احباب مجھے یاد رہیں گے محسن
اُن میں شامل وہ مِرا زود فراموش بھی ہے

☆

شام کے وقت جام یاد آیا
کتنا دلچسپ کام یاد آیا

جب بھی دیکھا کوئی حسیں چہرہ
مجھ کو تیرا سلام یاد آیا

سُن کے قصّے خدا کی عظمت کے
آدمی کا مقام یاد آیا

دیکھ کر جھومتی گھٹاؤں کو
اُن کی زُلفوں کا نام یاد آیا

بنسری کی نوا کو تیز کرو
آج رادھا کو شیام یاد آیا

رقصِ طاؤس دیکھ کر اکثر
کوئی محشر خرام یاد آیا

صحنِ مسجد میں بھی ہمیں محسؔن
میکدے کا قیام یاد آیا

☆

یاروں کی خامشی کا بھرم کھولنا پڑا
اتنا سکوت تھا کہ مجھے بولنا پڑا

صرف ایک تلخ بات سُنانے سے پیشتر
کانوں میں پھول پھول کا رس گھولنا پڑا

اپنے خطوں کے لفظ جلانے پڑے مجھے
شفاف ہوتیوں کو کہاں رولنا پڑا؟

خوشبو کی سرد لہر سے جلنے لگے جو زخم
پھولوں کو اپنا بندِ قبا کھولنا پڑا

سنتے تھے اُس کی بزمِ سخن ناشناس ہے
محسنؔ ہمیں وہاں بھی سخن تولنا پڑا

☆

اپنے ہی درد کے ماتھے پہ سجایا جاؤں
خون مزدور ہُوں بے وجہ بہایا جاؤں

مجھ کو جلنے دے سرِ طاقِ شبِ ہجر کہ میں
تیرے دامن کی ہَوا سے نہ بجھایا جاؤں

آرزو مجھ سے اُلجھتی ہے زُلیخا کی طرح
میں بھی یوسف ہُوں تو بازار میں لایا جاؤں

اپنے افکار کو پستی سے بچانے کے لیے
آسمانوں کی بلندی سے گرایا جاؤں

یاد آؤں گا تجھے ذہن کی ہر منزل پر
حرفِ سادہ تو نہیں ہُوں کی بھلایا جاؤں

عمر بھر ذہن میں چمکا نہ کوئی فکر کا چاند
چاندنی اب ترے شعلوں میں جلایا جاؤں

میرے محسؔن مرے افکار کی تخصیص نہ کر
عکسِ آئینہ ہُوں ہر دِل پہ گرایا جاؤں

☆

شام کے سر پر آنچل دیکھا
ہم نے جلتا جنگل دیکھا

اپنی آنکھ میں آنسو پائے
اُن کی آنکھ میں کاجل دیکھا

پھول نظر میں رَقصاں رَقصاں
جانے کس کا آنچل دیکھا

من کے بن میں خاک اُڑتی تھی
آج وہاں پر جل تھل دیکھا

جب بھی دیکھا ہے محسنؔ کو
تیرے پیار میں پاگل دیکھا

☆

فصلِ خرد ہے، رنگِ چمن دیکھتے چلو
پھر اہتمامِ دار و رَسن دیکھتے چلو

دلچسپ واقعہ ہے کہ صحرا کی دھوپ میں
ذرّوں کا جل رہا ہے بدن دیکھتے چلا

تنقید مت کرو کہ زمانہ خراب ہے
چُپ چاپ دوستوں کے چلن دیکھتے چلو

محسنؔ شبِ سیاہ بھی اوڑھے ہُوئے ہے آج
شفاف چاندنی کا کفن دیکھتے چلو

☆

خزاں کی دُھوپ میں مدت سے جل رہا ہُوں مَیں
بنا تھا برف کا پیکر ' پگھل رہا ہُوں مَیں

مِرے شعور پہ اب اور کوئی ظلم نہ کر
یہ ظلم کم ہے ' تِرے ساتھ چل رہا ہُوں مَیں

مِرے مزاج کے دشمن مِری شکست بھی دیکھ
بصد خلوص تِری لَے میں ڈھل رہا ہُوں مَیں

مِرے شعور کی لغزش پہ بدگمان نہ ہو
مجھے یقیں ہے کہ ظالم! سنبھل رہا ہُوں مَیں

مِری نگاہ نہ بدلی رُخِ ہَوا کی طرح
خود اپنے ذہن کی صورت اٹل رہا ہُوں مَیں

☆

چاندنی رات میں اُس پیکرِ سیماب کے ساتھ
میں بھی اُڑتا رہا اِک لمحہء بے خواب کے ساتھ

کس میں ہمت ہے کہ بدنام ہوسائے کی طرح
کون آوارہ پھرے جاگتے مہتاب کے ساتھ

آج کچھ زخم نیا لہجہ بدل کر آئے
آج کچھ لوگ نئے مل گئے احباب کے ساتھ

سینکڑوں اَبر اندھیرے کو بڑھائیں لیکن
چاند منسوب نہ ہو کر مکِ شب تاب کے ساتھ

دِل کو محروم نہ کر عکسِ جنوں سے محسؔن
کوئی ویرانہ بھی ہو قریۂ شاداب کے ساتھ

☆

تہ سے موتی نکال کر دیکھو
تُم سمندر کھنگال کر دیکھو

غم، خوشی سے حسین ہوتا ہے
خود کو اِس لئے میں ڈھال کر دیکھو

کتنی پاکیزہ ہے جہاں کی نظر؟
اپنا آنچل سنبھال کر دیکھو

یُوں ہی شاید فضا نکھر جائے
کوئی ساغر اُچھال کر دیکھو

لوگ کہتے ہیں وہ ہے "لکھ داتا"
تُم بھی محسؔن سوال کر دیکھو

☆

میکدے میں رونقِ محفل بہت
ہے مِرا ساقی کشادہ دِل بہت

ہم پرکھتے کیا مزاجِ سندگی
تھا مزاجِ رنگِ آب و گِل بہت

راہ کے پتھر کو منزل مت کہو
دُور ہے یارہ! ابھی منزل بہت

کس قدر حسّاس ہُوں طوفاں میں بھی
سُن رہا ہُوں شورشِ ساحل بہت

تیرگی میں وہ نظر آئیں گے کیا؟
چاندنی راتوں میں اُن سے مل بہت

دامنِ حاتم کی وسعت دیکھئے
آج خالی ہاتھ ہیں سائل بہت

تیرا آنچل ہی نہ لہرایا کہیں!
یوں تو آئے تھے نظر محمل بہت

سر ہتھیلی پر لئے بڑھتے رہو
کوئے رُسوائی میں ہیں قاتل بہت

☆

یہ اندھیرا ، یہ روشنی کیا ہے
آؤ سوچیں کہ زندگی کیا ہے

ہر قدم پر فریب دیتے ہو
بندہ پرور یہ دوستی کیا ہے

اپنے دامانِ تار تار کو دیکھ
مجھ سے مت پوچھ آگہی کیا ہے

آ مجھے اپنے شہر میں لے چل
اے مِری موت سوچتی کیا ہے

چاند پر جا کے ہم بھی سوچیں گے
یہ سہانی سی چاندنی کیا ہے

وقفِ زہر اب درد ہو جانا
اور معیارِ مئے کشی کیا ہے؟

دِل صداؤں میں کھو گیا محسنؔ
میں نے پوچھا تھا خامشی کیا ہے

☆

زخم کے پھول سے تسکین طلب کرتی ہے
بعض اوقات مِری رُوح غضب کرتی ہے

جو تری زُلف سے اُترے ہُوں مِرے آنگن میں
چاندنی ایسے اندھیروں کا اَدب کرتی ہے

اپنے انصاف کی زنجیر نہ دیکھو کہ یہاں
مفلسی ذہن کی فریاد بھی کب کرتی ہے؟

صحنِ گلشن میں ہَواؤں کی صدا غور سے سُن
ہر کلی ماتمِ صَد جشنِ طرب کرتی ہے

صرف دِن ڈھلنے پہ موقوف نہیں ہے محسنؔ
زندگی زُلف کے سائے میں بھی شب کرتی ہے

☆

یوں تو ہے پرستار زمانہ ترا کب سے
پوجا ہے مگر ہم نے تجھے اور ہی ڈھب سے

اُس آنکھ نے بخشی ہے وہ تاثیر کہ اب تک
ملتی ہے ہمیں گردِ دَوراں بھی ادب سے

یاروں کی نگاہوں میں بصیرت نہ تھی ورنہ
پھوٹی ہے کئی بار سحر دامنِ شب سے

وہ گُل جو گریباں میں سجائے تھے کسی نے
وہ گُل ہوئے منسوب تری سرخیٔ لب سے

پلکوں پہ شرر، لب پہ دُعا، دِل میں ستارے
نکلا ہے کوئی یوں بھی تری بزمِ طرب سے

اُبھرے بھی صدا کوئی کسی شہرِ سکوں میں
ہم منتظرِ نغمہ و فریاد ہیں کب سے

احباب کے ہر طنز پہ سر خم کیا میں نے
محسنؔ مجھے شکوہ ہے فقط خوئے طلب سے

☆

یوں ہر دے کے شہر میں اکثر تیری یاد کی لہر چلے
جیسے اِک دیہات کی گوری گیت الاپے شام ڈھلے

دُور اُفق پر پھیل گئی ہے کاجل کاجل تاریکی
پاگل پاگل تنہائی میں کس کی آس کا دیپ جلے؟

چاند نگر کے اَوتاروں کو کون بھلا سمجھائے گا
کتنی یادیں سُلگ رہی ہیں اَرمانوں کی راکھ تلے

جب بھی کومل پھول کِھلے ہیں سانجھ سویرے گلشن میں
من میں کتنی آگ لگی ہے، دِل پر کتنے تیر چلے؟

جس کی صورت اُجلی اُجلی، من تاریک سمندر ہو
ایسے یار کے پیار سے محسنؔ صحراؤں کے ناگ بھلے

☆

اِک پاگل سی لڑکی دُھوپ میں ہنس ہنس جی بہلائے
ناش نہ جانے آنگن ٹیڑھا ' ٹھوکر کھا کھا جائے

نرم نرم سا بستر اُس کا ' گرم گرم سے ہونٹ
شرم شرم سے مرتی جائے جب بھی رین سجائے

یاس کی اندھیاری نگری میں آس کا جوبن دیکھو
جیسے دُور کھڑی اِک گوری ' گھونگھٹ میں مُسکائے

زخم زخم میں اُس کی یادیں ' بھول بھول کے آئیں
پھول پھول میں اس کا چہرہ اپنی چھب دِکھلائے

اَوڑھ کے اُجلی دھوپ کی چادر ' چاند نگر کی چھوری
دُور کھڑی مُسکائے گوری ' میرے پاس نہ آئے

☆

مَیں بھی اُڑوں گا ابر کے شانوں پہ آج سے
تنگ آ گیا ہُوں تشنہ زمیں کے مزاج سے

مَیں نے سیاہ لفظ لکھے دِل کی لوح پر
چمکے گا درد اور بھی اِس امتزاج سے

انساں کی عافیت کے مسائل نہ چھیڑیئے
دُنیا اُلجھ رہی ہے ابھی تخت و تاج سے

گنگا تو بہہ رہی ہے مگر ہاتھ خشک ہیں
بہتر ہے خودکشی کا چلن اِس رواج سے

تم بھی مِرے مزاج کی لَے میں نہ ڈھل سکے
اُکتا گیا ہُوں میں بھی تمہارے سماج سے

☆

دلِ جلا کر بھی دِلربا نکلے
میرے احباب کیا سے کیا نکلے

آپ کی جستجو میں دیوانے
چاند کی رہگذر پہ جا نکلے

سوزِ مستی ہی جب نہیں باقی
سازِ ہستی سے کیا صدا نکلے

دیکھیئے کارواں کی خوش بختی
چند رَہزن بھی رہنما نکلے

یُوں تو پتّھر ہزار تھے لیکن
چند گوہر ہی بے بہا نکلے

دِل بھی گستاخ ہو چلا تھا بہت
شکر ہے آپ بے وفا نکلے

کس کی دہلیز پہ جھکیں محسؔن
جتنے انساں تھے سب خدا نکلے

☆

تنہا ہے دِل تو ذہن کئی محفلوں میں ہے
یعنی مِری حیات بڑی مشکلوں میں ہے

جگنو کو دِن کا شہر نہ راس آسکا تو کیا
سورج کا گھر بھی شب کے گھنے جنگلوں میں ہے

فرصت مِلے تو اپنی سماعت پہ غور کر
میرے غموں کی لَے بھی ترے قہقہوں میں ہے

جس کو تلاش کرتی ہیں آوارہ منزلیں
کس کو خبر وہ قافلہ کن راستوں میں ہے

رختِ سفر لٹا کے بھی رہرو ہیں مطمئن
کتنی کشش جنوں کی حسیں منزلوں میں ہے

پتوں پہ جم گئی ہے کئی موسموں کی گرد
شاخوں کا جسم لپٹا ہوا چادروں میں ہے

محسنؔ کسی کا عکس ہے اشکوں میں وقتِ صُبح
یا صاف آئینے کا بدن پانیوں میں ہے

☆

محبت پھول ہے ' پتّھر نہیں ہے
مجھے رُسوائیوں کا ڈر نہیں ہے

ستارے ' چاندنی ' مَے ' پھول ' خوشبو
کوئی شے آپ سے بڑھ کر نہیں ہے

زمانے سے نہ کھل کر گفتگو کر
زمانے کی فضا بہتر نہیں ہے

مِرا رستہ یونہی سنسان ہو گا
مِرے رستے میں تیرا گھر نہیں ہے

مجھے وحشت کا رُتبہ دینے والے
ترے ہاتھوں میں کیوں پتھر نہیں ہے

محبت اَدھ کِھلی کلیوں کا رَس ہے
محبت زہر کا ساغر نہیں ہے

نظر والو! چمک پر مر رہے ہو
ہر اِک پتّھر یہاں گوہر نہیں ہے

کہاں ہیں آج کل احباب محسنؔ
صلیب و دار کا منظر نہیں ہے

☆

ہنس ہنس کے زندگی کی دُعا دے گیا مجھے
وہ شخص بھی عجیب سزا دے گیا مجھے

سُوکھے ہُوئے شجر کی برہنہ سی شاخ پر
دو پنچھیوں کا رقص مزا دے گیا مجھے

دَم گھٹ رہا تھا ذہن کی جلتی فضاؤں میں
جھونکا ترے نفس کا ہَوا دے گیا مجھے

لمحوں کے اس ہجوم میں مقتل کے موڑ پر
میں سوچتا ہُوں کون صدا دے گیا مجھے

میں جاگتے دِنوں میں چھپاتا کہاں بدن؟
وہ بھیگتی شبوں کی رِدا دے گیا مجھے

اِک برگِ زرد خشک سی ٹہنی سے ٹوٹ کر
آوارہ منزلوں کا پتہ دے گیا مجھے

میرے بدن پہ کتنا پُرانا لباس تھا
تیرا مزاج رنگ نیا دے گیا مجھے

☆

قبول کر لے اسے اے جہانِ کہنہ مزاج
میں دے رہا ہُوں تجھے اِک نئی غزل کا خراج

غریب شہر کی عصمت نہ بِک رہی ہو کہیں
عجیب شور سُنا ہے فصیلِ شہر پہ آج

تُم اپنے ذہن کی تنہائیوں میں چھپ جاؤ
کہ ہو چلا ہے بہت عام خود کشی کا رواج

لبوں کو سی کے گنہگارِ گفتگو ٹھہرو
اِسی کا نام ہے دُنیا ' اِسی کا نام سماج

میں کس طرح کسی رستے میں سر اُٹھا کے چلوں
کہ میرے سر پہ تو رکھا ہے خواہشات کا تاج

اُتر گیا مِرے وجدان کی تہوں میں ' مگر
وہ رکھ سکا نہ مِرے ڈوبتے شعور کی لاج

مِری غزل سے ہی پہچان لو مجھے محسؔن
مِری غزل سے جھلکتا ہے میرے فن کا مزاج

☆

طلوعِ صبح درخشاں ' فروغِ حُسنِ بہار
ترِے لبوں کا تبسّم ترِی نظر کا خمار

نہ تیرے دَرد کی آہٹ ' نہ میرے وہم کا شور
بہت دِنوں سے ہے ویراں غزل کی راہ گذار

مزاجِ وقت کی تالیف عین ممکن ہے
گراں نہ گزرے تو اِن کاکلوں کو اور سنوار

خوشی سے چھین لے میری متاعِ فکر ، مگر
میرے بدن سے یہ ملبوسِ عافیت نہ اُتار

خود اپنے فکر کی پستی پہ دسترس ہے مجھے
بلندیوں کا خدا بن کے مجھ کو یوں نہ پکار

وہ ماہتاب کہاں چھپ گیا کہ جس نے ابھی
رُخِ حیات کو بخشا تھا چاندنی کا نکھار

ترا مزاج کہ تو میرِ راہرواں ہے ابھی
مرا نصیب کہ پایا ہے راستوں کا غبار

چلو کہ چل کے تماشائے فصلِ گُل دیکھیں
کہ جل رہے ہیں ابھی جنگلوں میں سُرخ چنار

ہزار بار گری برقِ شہر پر محسنؔ
کسی کے جسم پہ چمکے نہ پھول رنگ شرار

☆

اُن کے اشکوں کو کہاں تک گریۂ شبنم کہیں
آؤ معیارِ نظر بدلیں فسانے کم کہیں

ہے کفِ موجِ صبا میں تارِ دامانِ حیات
اہلِ دِل اِس کو مِری تقدیر کا پرچم کہیں

ریشمی کِرنوں میں لپٹا ہو بدن تقدیس کا
چاندنی پھیلے تو ہم افسانۂ مریم کہیں

دِل کے پیمانے میں رقصاں ہے، سمندر کا مزاج
ہم اِسے اپنی زباں میں کیوں نہ جامِ جم کہیں

دِل یہ کہتا ہے مآلِ موسمِ گُل دیکھ کر
ہر خوشی کی بزم کو ہم حلقۂ ماتم کہیں

نکہتوں کے شہر میں جائیں تو اربابِ نظر
زخم کو عکسِ رُخِ گُل، اشک کو شبنم کہیں

استعاروں ہی سے قائم ہے بھرم ہر چیز کا
موجِ صہبا کو لہو اور انگبیں کو سم کہیں

ہر نئی لغزش کو دیتے ہیں نیا عنوان ہم
زندگی! کب تک تری تحریر کو مبہم کہیں

اب نہ اُس کی یاد ہے محسنؔ نہ لمحوں کا فریب
زیست کی اِس کشمکش کو کونسا عالم کہیں

چاکِ گریباں

قطعات

☆

چاندنی کارگر نہیں ہوتی
تیرگی مختصر نہیں ہوتی
اُن کی زُلفیں اگر بِکھر جائیں
احتراماً سحر نہیں ہوتی

☆

منتشر یُوں عظمتِ آدم کا شیرازہ ہُوا
داغِ رُسوائی رُخِ کردار کا غازہ ہُوا
میں لبِ ساحل تھا دریا کے سکوں پر خندہ زن
ڈوبنے کے بعد گہرائی کا اندازہ ہُوا

☆

شکستنی ہے مِرا کاسۂ دماغ مگر
دِل غریب کو اُمیدِ التفات بھی ہے
وہ اِک گناہ کہ سرزد ہُوا بنامِ شباب
اُسی گناہ سے اندیشۂ نجات بھی ہے

☆

خرد کی لَو میں پگھلتے ہُوئے ایاغ مِلے
جنوں کی آگ میں جلتے ہُوئے چراغ مِلے
قبائے صبحِ درخشاں ہی تار تار نہ تھی
لباسِ شب پہ بھی کچھ تہمتوں کے داغ مِلے

☆

شہرِ احساس ہے تاریک پہ ویراں تو نہیں
مضطرب ہیں مِرے جذبات ' پریشاں تو نہیں
اِتنا گُستاخ نہ ہو دستِ زلیخائے خیال!
دامنِ دَرد ہے ' یوسف کا گریباں تو نہیں

☆

مخلوق تو فنکار ہے اِس درجہ کہ پل میں
سنگِ درِ کعبہ سے بھی اصنام تراشے
تُو کون ہے اور کیا ہے ' ترا داغِ قبا بھی
دُنیا نے تو مریم پہ بھی الزام تراشے

☆

غمِ حیات سے دامن بچا کے چل نہ سکا
میں آرزو کے کھلونوں سے بھی بہل نہ سکا
یہی بہت ہے کہ ٹکرا گیا ہُوں لہروں سے
یہ اور بات کہ طوفاں کا رُخ بدل نہ سکا

☆

اب غفلتِ یاراں کا وہی رنگ نہیں ہے
اب عقل و جنوں میں بھی کوئی جنگ نہیں ہے
پھولوں سے کرو اب سرِ مجنوں کی مُدارات
اب کوچۂ قاتل میں کوئی سنگ نہیں ہے

☆

جو خامشی کے نگر میں مقیم ہوتے ہیں
وہی تو اصل میں رُوحِ کلیم ہوتے ہیں
میں پوجتا ہُوں پتنگوں کو اس لیے محسؔن
کہ روشنی کے پیمبر عظیم ہوتے ہیں

☆

فسونِ دیر و حرم اور بھی چلے گا ابھی
یقیں نہیں کہ یہ سورج یونہی ڈھلے گا ابھی
دِلِ غریب کے زخموں کی روشنی میں بڑھو
چراغِ راہ گذر دیر تک جلے گا ابھی

☆

چاند کا زخم نکھرتا ہے فروزاں ہو کر
زُلفِ حالات سنورتی ہے پریشاں ہو کر
مصلحت جب بھی ہواؤں سے اُلجھنا چاہے
ہم سُلگتے ہیں چراغِ تہِ داماں ہو کر

☆

نوجوانی غمِ پندار سے جل سکتی ہے
آرزو کاسئہ افلاز میں ڈھل سکتی ہے
راس آ جائے اگر فصلِ برہنہ پائی
زندگی خارِ مغیلاں پہ بھی چل سکتی ہے

☆

بولنے والو! مری رُوح کے دروازے پر
اپنی بھٹکی ہُوئی چپ چاپ صدائیں مانگو
کھو گیا ہُوں میں غمِ زیست کے اندھیاروں میں
عُمر بھر اب مرے ملنے کی دُعائیں مانگو

☆

اپنی خاموش اُمنگوں سے صدا مانگتا ہے
رُوح کے زخم سے اندازِ حِنا مانگتا ہے
کتنا پاگل ہے مرا دِل کہ بصد رنگِ خلوص
اجنبی شہر میں لُٹنے کی دُعا مانگتا ہے

☆

وہ ہنس دیئے تو ستارے بکھر گئے ہر سُو
وہ رو دیئے تو کوئی رات مُشک بُو نہ ہُوئی
وہ چل دیئے تو کئی داستانیں چھوڑ گئے
وہ مل گئے تو کوئی بات رُبرو نہ ہُوئی

☆

تیرگی کے بُرج میں تقدیر کا اختر مِلا
حسرتوں کی خاک میں غلطاں ہر اِک گوہر مِلا
جاگتی صبحوں کی فطرت ہی نہ تھی مقتل پسند
ڈوبتے سُورج کا دامن بھی لہو سے تر مِلا

☆

وہ پھول تھا ہر آنکھ کے گلداں میں سجا ہے
میں زخم ہُوں ' رنگوں میں بکھر بھی نہیں سکتا
وہ زیست کا معصوم پیمبر تھا ' مگر میں
جینے کا گنہگار ہُوں ' مر بھی نہیں سکتا

☆

مِرے مزاج کا دُشمن مِری گواہی دے
کہ تیرا نام بھی لیتا ہُوں میں دُعا کی طرح
ہزار تہمتیں دُنیا نے بخش دیں مجھ کو
مَیں آدمی تھا مگر چُپ رہا خدا کی طرح

☆

درد کے چاند کو راتوں کا سِتم سہنے دو
وقت کی آنکھ سے کچھ اور لہو بہنے دو
اب مِرے طرزِ تخاطب سے پریشاں کیوں ہو
میں نہ کہتا تھا کہ یارو! مجھے چُپ رہنے دو

☆

وقت ' لمحوں کا سنہرا جال ہے
غم' رُخ ہستی پہ گہرا خال ہے
زندگی ' صحرا پہ اِک نقشِ قدم
نوجوانی ' ہرنیوں کی چال ہے

☆

تنہائی ڈس رہی ہے مجھے
درد کے بادلوں نے گھیرا ہے
لَو چراغوں کی تیز تر کر دو
شہرِ دِل میں بڑا اندھیرا ہے

☆

مصلحت کے چمن کا حال نہ پوچھ
نکہتوں سے دماغ جلتے ہیں
جو اندھیروں کی تہ میں بہتا ہو
اُس لہو سے چراغ جلتے ہیں

☆

مُسکراہٹ کی روشنی کا سبب
آنسوؤں کے چراغ ہوتے ہیں
جن کے چہرے ہوں چاند کی صورت
اُن کے دِل میں بھی داغ ہوتے ہیں

☆

مزاجِ دِل پہ حوادث کا وار چل بھی گیا
مِرا شعور غمِ زندگی میں ڈھل بھی گیا
مسرتوں سے بچھڑنے لگا تھا ذہن ابھی
ہوائے گردشِ دَوراں کا رُخ بدل بھی گیا

☆

میرے معصوم قاتل تجھے کیا کہیں
قتل گہ میں ترا نقش پا بھی نہیں
تُو مِرے خوں بہا کا تکلّف نہ کر
تیرے ہاتھوں میں رنگِ حنا بھی نہیں

☆

اِک طرف سیم و زَر کے بستر پر
زندگی کروٹیں بدلتی ہے
اِک طرف مفلسی کے دَوزخ میں
آدمیّت کی لاش جلتی ہے

☆

جسے قبائے امارت سمجھ رہے ہیں جناب!
کسی کے جسم سے چھینا ہُوا کفن تو نہیں
امیرِ شہر کی مسند کو غور سے دیکھو
کسی غریب کی بیٹی کا پیرہن تو نہیں!

☆

کیا حسیں رنگ ہے عبادت کا
کیا قیامت کی کار سازی ہے
سجدہ کرتا ہے اُن کی چوکھٹ پر
دِل بڑا مستقل نمازی ہے

☆

یہ تری آنکھ ہے یا جھیل کے پاکیزہ کنول
یہ ترا چہرہ ہے یا سجدہ گہِ نور سحر
یہ تری مانگ میں افشاں ہے کہ تاروں کا ہجوم
یہ ترے لب ہیں کہ یاقوت سے انمول گُہر

☆

تیری رفتار ہے یا رقصِ غزالانِ حرم
تیری آواز ہے یا نغمگئ لحنِ "دُرود"
تیری گردن ہے کہ مَر مَر کی صراحی کا جمال
تیرے بازو ہیں کہ دو غزلیں بہ ہنگامِ ورود

☆

ہر گھڑی وقفِ طرب صبح ازل کی صورت
ہر نفس گرمِ جنوں تھا دمِ عیسیٰ کی طرح
مَیں نے اُس مریمِ معصوم کی خاطر محسنؔ
دِل کو سو بار سجایا ہے کلیسا کی طرح

☆

دِل کو وقفِ غمِ حالات کیے بیٹھا ہُوں
یہ حسیں زہر بھی مدّت سے پیٔے بیٹھا ہُوں
وہ عزا دارِ محبت ہوں کہ باوصفِ جنوں
آنکھ بھی تر نہیں ، دامن بھی سیئے بیٹھا ہُوں

☆

اِک حسیں اضطراب ہوتا ہے
تشنگی دِل کی اور بڑھتی ہے
وہ اگر بے نقاب ہو جائے
چاندنی بھی دُرود پڑھتی ہے

☆

صحنِ چمن کی شام تھی اور تُو قریب تھا
یعنی مجھے سرورِ دو عالم نصیب تھا
کلیوں کا حُسن ، تیرا تبسّم مِری غزل
وہ حُسنِ اتفاق بھی کتنا عجیب تھا

☆

موت کی بے رُخی کے متوالو!
زندگی کے اَسیر بن جاؤ
فقر کی سلطنت نرالی ہے
بادشاہو! فقیر بن جاؤ

☆

لغزشوں کے حسیں سائے میں
میکدے کے اصول بنتے ہیں
دِل کے زخموں سے خار مت کھاؤ
دِل کے زخموں سے پھول بنتے ہیں

☆

یُوں کسی مہ جبیں کے چہرے پر
کھیلتی ہے شباب کی رانی
جیسے ساون کی اُودی چھاؤں میں
رقص کرتا ہے سندھ کا پانی

☆

اُف تمہاری حسین آنکھوں میں
کیفیت نیند کے خماروں کی
جس طرح تھک کے چُور ہو جائے
سانولی شام ، کوہساروں کی

☆

آرزوؤں کی سوہنیاں ڈُوبیں
میرے دِل کے چناب میں اکثر
جیسے اِک مَے گُسار کے آنسو
ڈُوبتے ہیں شراب میں اکثر

☆

حُسن کا احترام فرماؤ
حُسن ، معصوم پھول ہوتا ہے
جس کے ماتھے سے روشنی پھوٹے
وہ یقیناً رسول ہوتا ہے

☆

حُسن ہے ابتسام کلیوں کا
حُسن عِصمت مآب ہوتا ہے
حُسن کو آئینے کی کیا پروا
حُسن تو لاجواب ہوتا ہے

☆

حُسن کو چاند سے نہ دے نسبت
حُسن کب داغ دار ہوتا
عِشق سے پُوچھ حُسن کا رُتبہ
حُسن پروردگار ہوتا ہے

☆

ذہن رس کی محفلِ خاموش میں کبھی
وہ شور کر کہ کچھ بھی سُنائی نہ دے مجھے
اے دوست! چھوڑ کر یہ رگِ جاں کی پستیاں
اتنا بلند ہو کہ دِکھائی نہ دے مجھے

☆

قدم قدم پہ جلاؤ سر شکِ غم کے چَراغ
رَوِش رَوِش پہ فضاؤں کو سوگوار کرو
چمن چمن میں ہے تقریب جشنِ ماتم گُل
کلی کلی کے گریباں کو تار تار کرو

☆

فِشارِ ذہن میں جَلتا رہا شَرر نہ ہُوا
یہ سنگِ راہ بنا ' شمعِ رَہ گذر نہ ہُوا
بڑا عجیب لطیفہ ہے ابنِ آدم کا
سِتم، ظریف خُدا بن گیا ' بَشر نہ ہُوا

☆

زُلفوں میں سکوں پائے تھکن ''شامِ اَودھ'' کی
رُخ ''صُبحِ بنارس'' کی اُمنگوں کا کنول ہے
اُس شوخ کو الفاظ کے شیشے میں نہ ڈھالو
غالبؔ کا تخیّل ہے وہ حافظؔ کی غزل ہے

☆

خوشی کا زہر کسی شیشۂ اَلم میں رہا
مرا شعور سَدا وہم بیش و کم میں رہا
کسی نے چھین لی بیوہ کے سر سے چھاؤں مگر
فقیہہِ شہر عمامے کے پیچ و خم میں رہا

☆

کبھی پیمبرِ حُسنِ غزل شباب ترا!
کبھی سکون کا دشمن ہے اضطراب ترا
تو اِک سوالِ سماعت فریب ہے اب بھی
زمانہ ڈھونڈ رہا ہے مگر جواب ترا

داغِ پیرہن

مُنتخب اشعار

جوشِ وحشت تو بہر حال نمایاں ہوتا
پھول اگر پھول نہ ہوتا تو گریباں ہوتا

مجھ سے ٹکرائے تھے دنیا کے حوادث لیکن
میں تری زُلف نہیں تھا کہ پریشاں ہوتا

میں ترے پھول سے پیکر کو سکوں بخشوں گا
تو مجھے موسمِ خوشبو کی پریشانی دے

اے مرے ذہن کی تنہائی پہ ہنسنے والے
میری آنکھوں کو ذرا جُرأتِ حیرانی دے

کنکر پڑے تو جاگ اُٹھا آواز کا بھنوَر
ورنہ اُداس جھیل کا پانی خموش تھا

موت جب چال چل رہی ہو گی
زندگی ہاتھ مَل رہی ہو گی

بڑھ رہے ہیں جو اس قدر سائے
روشنی ساتھ چل رہی ہو گی

اُن کی آنکھوں کی مَستیاں مَت پُوچھ
میکدے ڈوب ڈوب جاتے ہیں

یوں مجھے غم دے کہ دنیا کو بھی اندازہ نہ ہو
اِس طرح پانی میں پتّھر پھینک آوازہ نہ ہو

میں تری تعمیر کا مُنکر نہیں لیکن مجھے
اِک مکاں ایسا بنا دے جس میں دروازہ نہ ہو

قریب آ کہ سَجا لوں تری قَبا پہ انہیں
مری مژہ پہ ستارے بِکھرنے والے ہیں

ٹھکرا سکی نہ اَندھی کِرن کے سوال کو
پھیلا دیا ہے شب نے ستاروں کے جَال کو

ہم بھی ترے جواب کی تہَ تک نہ جا سکے
تو بھی سمجھ سکا نہ ہمارے سوال کو

میں نے ہر جشنِ طرب ہنس کے منایا ہوتا
کاش تُو آج مجھے یاد نہ آیا ہوتا

میرے زخموں کی نمائش ہوئی تُجھ سے منسُوب
تو نے دامن پہ کوئی پھول سجایا ہوتا

تُو بھی ہمیں کرتا رہا شیشوں کے حوالے
ہم نے بھی ترے عکس کو شیشوں میں اُتارا

زیبائشِ پیراہن و آرائشِ گیسو
آئینے سے ہے دست و گریباں تری خوشبو

دِن میں بھی ستارے نظر آئے مجھے محسنؔ
اُس آنکھ میں دیکھے ہیں چمکتے ہُوئے آنسو

محسنؔ فصیلِ شہر پہ رقصاں ہیں ظلمتیں!
شاید وہ چاند جھیل کی تہ میں اُتر گیا

آنکھوں کی پیاس وَہم کے زنداں میں لے گئی
صحرا چمک اُٹھا تو سمندر لگا مجھے

میں نے سوچا تو ہر اک سنگ برہنہ سر تھا
میں نے دیکھا تو مرے سر پہ بھی دستار نہ تھی

یہ فرقِ مرگ و زِیست نہایت عجیب تھا
ہر شخص اپنے اپنے وطن میں غریب تھا

میں دُور دُور تک تری خوشبُو میں کھو گیا
شاید تُو رات مجھ سے نہایت قریب تھا

کتنی عزیز تھی تری آنکھوں کی آبرو
محفل میں بے پئیے بھی ہمیں ڈولنا پڑا

وہ مضطرب کہ اُس پہ اُٹھیں اُنگلیاں بہت
میں مطمئن کہ اُس کو مرے غم کا پاس تھا

خیال بَن کے جو دِل میں اُترے والے ہیں
مری وفا میں وہی رنگ بھرنے والے ہیں

میں زخم' وہ شبنم ہے' میں آنسو' وہ سِتارا
اُس نے مرے ماحول کو ہر طرح سنوارا

شامِ غم تھی تری زُلفوں سے عبارت اے دوست
احتراماً مری پلکوں پہ چَراغاں نہ ہُوا

وقت کے ہاتھ میں لمحات کی تلوار نہ تھی
ورنہ مقتل کی کوئی راہ بھی دُشوار نہ تھی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برگ صحرا

برگِ صحرا

محسن نقوی

اُسے گنوا کے میں زندہ ہوں اِس طرح محسؔن
کہ جیسے تیز ہَوا میں چراغ جلتا ہے

ترتیب

غزلیں:۔

انتساب

اُس کے نام

جس کی محبت میری شاعری کا سرمایہ ہے

خالد شریف

جی چاہتا ہے تمہارا شکریہ ادا کروں کہ برگِ صحرا'
کی ترتیب سے اشاعت تک تمہاری ذاتی توجہ'
محنت اور محبّت اگر شامل نہ ہوتی تو یہ مجموعۂ خیال
شاید ابھی مُدّتوں "فرد فرد" ہی رہتا۔ مگر
اظہارِ تشکّر سے گریزاں بھی ہوں کہ تم میرے ناشر
نہیں' دوست اور بھائی ہو اور دوستوں کے لیے
شکریہ کیسا!

محسن نقوی

پسِ غبارِ سفر

مجھے ظاہر کے انبساط سے باطن کا دُکھ زیادہ پسند ہے' کیونکہ ظاہر کا انبساط اپنے ناپائیدار تاثر کی بنا پر نامحسوس صورت اختیار کر کے ذہن سے محو ہو جاتا ہے' اِس کے برعکس باطن کے دُکھ کی ہر کروٹ نہ صرف دل و دماغ کے لیے جراحت افزاء ثابت ہوتی ہے بلکہ اکثر اوقات اس کی شدت سے ''حواس'' تک پگھلنے لگتے ہیں۔

اِس ''غیر واضح'' مگر مسلسل تفریق کا ''مانوس تاثر'' ذہن میں ہر لحظہ ایک دھندلی لکیر کی صورت میں اُبھر اُبھر کر مٹتا رہتا ہے۔ اِس لیے ''اظہار'' کے لیے حواس کو شعوری طور پر ظاہر و باطن کے عمل اور ردِّ عمل کے لیے وقف کر کے ''ردّ و قبول'' کے مراحل سے گزر کر ''حاصل'' کو واضح اور وجیہہ ''خدوخال'' عطا کرنے کا نام میرے نزدیک ''فن'' ہے۔

''فن'' ہر لحہ ''فنکار'' کی ذات کو ریزہ ریزہ تراش کر خود ''قطرہ قطرہ اُس کی نَس نَس میں بس جانے کے غیر مختتم عمل میں مصروف رہتا ہے۔

''جذب و آمیزش'' کے یہ سلسلے ''فنکار'' کے لیے انتہائی ''تکلیف دہ'' ہونے کے باوجود جبلی طور پر نہایت ضروری ہیں۔

جہاں تک ''فن'' کی تخلیق کے محرکات کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ ہر وہ احساس فن کی تخلیق کا محرک بن سکتا ہے جو جذبہ و خیال کی غیر مرئی سرحدوں کو چھو لینے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ پھر فنکار کو بھی اس قسم کی ہر تحریک کے تقاضے اپنے شعور کے زنداں میں مقفل رہ کر پورے کرنا ہوتے ہیں جس کی بنیاد احساس کے ہاتھوں جذبہ و خیال کی مشترکہ سرحدوں پر رکھی گئی ہو۔ کوئی بھی فنکار مشاہدے کی حد تک تو اپنے ہمسفروں کا ساتھ دے سکتا ہے مگر تخلیقی محسوسات کے عمل سے گزرتے وقت وہ ہر لحاظ سے تنہا ہوتا ہے اور یہی تنہائی اُس کی ذات کا تشخص کرنے کا فرض بھی انجام دیتی ہے!

میرا خیال ہے کہ ''کمالِ فن'' کے عناصر مشاہدے کی بے پناہ وسعت' شعور کی شدید پختگی' تجربے کی عمیق گہرائی' جذبہ و خیال کی ہم آہنگ سچائی اور اظہار کی آفاق گیر توانائی سے ترتیب پاتے ہیں۔

یعنی فنکار جب خارجی عوامل کی اجتماعی شکل پر داخلی کرب کی تہہ چڑھاتا ہے تو جذبہ و خیال کی تمام تر توانائیاں اِس غیر واضح اور مبہم صورت کو تجربے کی آنچ دے کر ''واضح ابلاغ'' کے شفاف پیکر میں ڈھال دیتی ہیں۔ یہ صورتحال اپنی ہیئت کے اعتبار سے ایک ایسے ''فن پارہ'' کی شکل میں نمو پذیر ہوتی ہے جو ''زمان و مکان'' کی خود ساختہ حدود سے ماورا ' اور مہ و سال کی گرد سے محفوظ ہوتا ہے' اس موڑ پر پہنچ کر فنکار تیقّن کا لہجہ اختیار کرتا ہے اور یہی تیقّن اُسے کائنات سے زیادہ اپنی ذات پر اعتماد کرنے کی بشارت دیتا ہے۔

ایقان واعتماد کی اس ''خمار آلود'' فضا میں فنکار کی زبان ''سند'' قول ''مُستند'' ارادہ محکم اور مشاہدہ ''منفرد'' ٹھہرتا ہے' پھر اُس کی آواز ہجوم ہمسفراں میں بھی اپنی پہچان کھو نہیں پاتی' اور وہ اپنے آپ کو سارے علم پر چھایا ہُوا محسوس کرتا ہے' یہی وہ مقام معرفت ہے جہاں حقیقتِ اشیاء اپنے چہرے سے تمام نقابیں اُٹھا کر فنکار پر کشف کے تمام باب کھول دیتی ہے' اور حلقہءِ دام خیال خود بخود ٹوٹ جاتا ہے' غیب سے مضامین آتے ہیں' ''صریرِ خامہ'' نوائے سروش میں ڈھلتی ہے' ہر لفظ گنجینۂ معنی کا طلسم' ہر بات عکسِ آیاتِ سماوات' ہر استعارہ اَبروئے ہستی کا اشارہ' ہر تلمیح اسرار عالم کی توضیح اور ہر انداز خلوتِ یار کا محرم راز نظر آتا ہے' لیکن کمالِ فن کو پرکھنا بھی تو بجائے خود ایک ''فن'' ہے' کیونکہ میرے نزدیک آج تک کوئی ایسا پیمانۂ فکر و نظر ایجاد نہیں ہُوا جو ''کمالِ فن'' کے آخری نقطے کا تعین کر سکا ہو اور شاید ارتقائے فن کا راز بھی اِسی نکتے میں پوشیدہ ہے' اگر ایسا نہ ہوتا تو میرؔ و غالبؔ کے نقاد دو علیحدہ علیحدہ راستوں پر نہ چل نکلتے' حالانکہ جہاں میرؔ نے ترتیبِ فن کے لیے ع ''درد و غم کتنے کیے جمع تو دیوان ہُوا'' کہہ کر فن کی ہمیشگی کا بھید کھولا ہے' وہاں غالبؔ نے بھی ''فن'' کی ابدیت کے لیے یہ کڑی شرط لگا دی کہ ع ''پہلے دلِ گداختہ پیدا کرے کوئی''

غالبؔ کی دل گداختگی ہو یا میرؔ کی درد آشنائی' دونوں اپنے اندر ایک سچے اور کھرے فنکار کی فراخدلانہ حوصلہ مندی اور فنکارانہ ایذا پسندی پرداد خواہ وہ اپنے ناقد کی نظر میں کتنا حقیر کیوں نہ ہو' فن کے دشتِ خار میں قدم رکھتے ہوئے ''برہنہ پائی'' کے آداب کا لحاظ ضرور رکھتا ہے' اور میری نظروں میں اُس کی برہنہ پائی اگر ''قابلِ اعزاز'' نہیں تو کم از کم لائقِ تحسین ضرور ہے' کہ ''منجمد کہسار'' سے وہ ''کوہکن'' بہر نوع زیادہ بلند مرتبت اور عظیم ہے جو تیشہ بکف رہ کر ''سینۂ کوہسار'' میں چھپے ہُوئے ''بھید'' کا علم رکھتا ہے اور پھر اُس ''بھید'' سے اپنی بستی کے سادہ لوح لوگوں کو آگاہ بھی کرتا ہے۔

البتہ یہ ضروری نہیں کہ ہر ''کوہکن'' فن کے ''بے ستوں'' سے ''فکر'' کی ''جوئے شیر'' نکال کر اپنی پیشانی پر ''دائمی شہرت'' کا کتبہ بھی نصب کر سکے! کیونکہ ایک فنکار اپنے اندر کی کائنات میں اتنا گم ہوتا ہے کہ اُسے اپنے باہر کی فضا میں گونجتے ہُوئے ہنگاموں کی بعض اوقات خبر بھی نہیں ہونے پاتی' اُسے اپنے محسوسات کی عکاسی کے لیے کئی زندگیاں ضرورت ہوتی ہیں کہ اُس کے اپنے عناصر منتشر ہونے میں جتنا وقت لگتا ہے اُس سے کہیں زیادہ مدت اُسے کائنات کے بکھرے ہُوئے ریزوں کو یکجا کرنے کے لیے درکار ہوتی ہے' اس لیے وہ مختصر ترین عرصہ میں ''فن'' کے خدوخال کو جس قدر بھی سنوار سکتا ہے وہی غنیمت ہے۔ یہاں یہ بحث ہی فضول ہے کہ کون کتنا نام آور ہے؟

جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے' مجھے کبھی یہ خواہش نہیں رہی کہ میں ''فن'' پُر ہول دشتِ خار میں اپنے ہمسفروں کا میرِ کارواں بنوں۔ ابھی تو مجھے اپنی پہچان کے کتنے مراحل طے کرنا ہیں اور پھر مجھے تو ''کارواں'' سے ''گردِ کارواں'' زیادہ عزیز ہے کہ وہ اپنے کارواں کی واضح جہت کی ''مُستند علامت'' سمجھی جاتی ہے۔

مجھے اپنے فکر کی کم مائیگی سے ندامت ہے نہ مشاہدے کی کوتاہ قامتی سے کوئی شکایت بلکہ مطمئن ہوں کہ میرے

دامن میں جو کچھ بھی ہے وہ ''میرا'' ہے اور یہی احساس کبھی کبھی مجھے اپنے ''ہونے'' کا یقین دلاتا ہے۔

''برگِ صحرا'' میری ذہنی آوارگی کا آئینہ ہے اور میری فکری شکست و ریخت کی نامکمل تاریخ بھی۔ اس کے اشعار میں آپ مجھے بھی تلاش کر سکتے ہیں اور میرے شاعرانہ کردار کا سراغ بھی لگا سکتے ہیں۔

میں قلم کی نوک کو ضمیرِ آدم کی زبان سمجھتا ہوں اور فن کی شریعت میں جھوٹ بولنا میرے نزدیک ایک ایسا گناہ ہے جسے نہ تنقید برداشت کر سکتی ہے اور نہ تاریخ۔ میں روایت کا منکر ہوں نہ جدّت کا باغی بلکہ یوں ہے کہ میرے پاؤں ماضی کی ''سنہری'' خاک میں دھنسے ہُوئے ہیں اور سر مستقبل کے روشن خلاؤں کی زد میں ہے اس لیے میری شاعری بھی دونوں زمانوں کے ذائقوں کی شاعری ہے۔ ''برگِ صحرا'' کی اشاعت سے میں نہ تو اتنا نادم ہوں کہ آپ سے معذرت چاہوں اور نہ ہی اتنا مطمئن کہ آپ کی رائے سے بھی بے نیاز ہو جاؤں۔

میرے اشعار خواب ہیں، سچ مچ کے خواب جو اپنی تعبیروں کے لیے اکثر میری نیندیں جلا کر مجھے جاگنے پر مجبور کر دیتے ہیں اگر آپ بھی کچھ دیر کو میرے ساتھ جاگ سکتے ہیں تو مجھے خوشی ہو گی......ورنہ مجھے تو بہر حال جاگنا ہی ہے!

محسن نقوی

۱۵ فروری ۱۹۷۸ء

☆

اُجڑے ہُوئے لوگوں سے گریزاں نہ ہُوا کر
حالات کی قبروں کے یہ کتبے بھی پڑھا کر

کیا جانیے کیوں تیز ہَوا سوچ میں گم ہے؟
خوابیدہ پرندوں کو درختوں سے اُڑا کر

اُس شخص کے تم سے بھی مراسم ہیں تو ہوں گے
وہ جھوٹ نہ بولے گا مِرے سامنے آ کر

اب دستکیں دے گا تُو کہاں اے غمِ احباب!
میں نے تو کہا تھا کہ مِرے دل میں رہا کر

ہر وقت کا ہنسنا تجھے برباد نہ کر دے
تنہائی کے لمحوں میں کبھی رو بھی لیا کر

وہ آج بھی صدیوں کی مسافت پہ کھڑا ہے
ڈھونڈا تھا جسے وقت کی دیوار گِرا کر

برہم نہ ہو کم فہمی کو تہ نظراں پر ......!
اے قامتِ فن اپنی بلندی کا گِلا کر

اے دل تجھے دشمن کی بھی پہچان کہاں ہے؟
تُو حلقۂ یاراں میں بھی محتاط رہا کر!

میں مر بھی چکا ' مل بھی چکا موجِ ہوا میں
اب ریت کے سینے پہ مِرا نام لکھا کر

پہلا سا کہاں اب مِری رفتار کا عالم!
اے گردشِ دوراں ذرا تھم تھم کے چلا کر

اِس رُت میں کہاں پھول کھلیں گے دلِ ناداں؟
زخموں کو ہی وابستۂ زنجیرِ صبا کر

اِک رُوح کی فریاد نے چونکا دیا مجھ کو
تُو اب تو مجھے جسم کے زنداں سے رہا کر

اِس شب کے مقدر میں سحر ہی نہیں محسنؔ
دیکھا ہے کئی بار چراغوں کو بجھا کر

☆

میں خود زمیں ہوں مگر ظرف آسمان کا ہے
کہ ٹوٹ کر بھی مِرا حوصلہ چٹان کا ہے

بُرا نہ مان ' مِرے حرف زہر زہر سہی
میں کیا کروں کہ یہی ذائقہ زبان کا ہے

ہر ایک گھر پہ مسلط ہے دل کی ویرانی

تمام شہر پہ سایا مِرے مکان کا ہے

بچھڑتے وقت سے اب تک میں یوں نہیں رویا
وہ کہہ گیا تھا ' یہی وقت امتحان کا ہے

مسافروں کی خبر ہے نہ دُکھ ہے کشتی کا
ہَوا کو جتنا بھی غم ہے وہ بادبان کا ہے

جو برگِ زرد کی صورت ہَوا میں اُڑتا ہے
وہ اِک ورق بھی مِری اپنی داستاں کا ہے

یہ اور بات ' عدالت ہے بے خبر ...... ورنہ
تمام شہر میں چرچا مِرے بیان کا ہے

اثر دکھا نہ سکا اُس کے دل میں اشک مِرا
یہ تیر بھی کسی ٹوٹی ہُوئی کمان کا ہے

بچھڑ بھی جائے مگر مجھ سے بے خبر بھی رہے
یہ حوصلہ ہی کہاں میرے بدگمان کا ہے

قفس تو خیر مقدر میں تھا مگر محسنؔ
ہَوا میں شور ابھی تک مِری اُڑان کا ہے

☆

بول اے سکوتِ دل کہ درِ بے نشاں کُھلے
مجھ پر کبھی تو عقدۂ ہفت آسماں کُھلے

یوں دل سے ہمکلام ہُوئی یادِ رفتگاں!
جیسے اِک اجنبی سے کوئی رازداں کُھلے!

سہمی کھڑی ہیں خوفِ تلاطم سے کشتیاں
موجِ ہَوا کو ضد کہ کوئی بادباں کُھلے

وہ آنکھ نیم وا ہو تو دل پھر سے جی اُٹھیں
وہ لب ہلیں تو قفلِ سکوتِ جہاں کُھلے

وہ جبر ہے کہ سوچ بھی لگتی ہے اجنبی
ایسے میں کس سے بات کریں، کیا زباں کُھلے؟

جتنا ہَوا سے بندِ قبا کُھل گیا ترا!
ہم لوگ اس قدر بھی کسی سے کہاں کُھلے؟

محسنؔ کی موت اِتنا بڑا سانحہ نہ تھی
اِس سانحے پر بال ترے رائیگاں کُھلے

☆

شفق کی جھیل میں جب سنگِ آفتاب گرے
ہمارے گھر پہ سیہ رات کا عذاب گرے

کہیں تو گردشِ ایّام تھک کے سانس بھی لے!
کبھی تو خیمہءِ افلاک کی طناب گرے

کواڑ بند رکھو ' برق ڈھونڈتی ہے تمہیں
کسے خبر کہ کہاں خانماں خراب گرے؟

سر شکِ درد کھُلا اُس کے پیرہن پہ بہت
زمیں کی گود میں جسے کوئی گُلاب گرے

کھُلی ہیں جھیل سی آنکھیں نہ جوئے درد چلی
اُفق سے کٹ کے کہاں عکسِ ماہتاب گرے؟

کہیں تو سلسلہ انتظار ختم بھی ہو!
کسی طرح تو یہ دیوارِ اضطراب گرے

کسی کے رائیگاں اشکوں کا کچھ حساب تو کر
فلک سے یوں تو ستارے بھی بے حساب گرے

غزل کے روپ میں وہ رُبرو جو ہو محسنؔ
لبوں سے لفظ اُڑیں ' ہاتھ سے کتاب گرے

☆

بجز ہَوا ' کوئی جانے نہ سلسلے تیرے!
میں اجنبی ہوں ' کروں کس سے تذکرے تیرے؟

یہ کیسا قرب کا موسم ہے اے نگارِ چمن!
ہَوا میں رنگ نہ خوشبو میں ذائقے تیرے

مَیں ٹھیک سے تری چاہت تجھے جتا نہ سکا
کہ میری راہ میں حائل تھے مسئلے تیرے!

کہاں سا لاؤں ترا عکس اپنی آنکھوں میں
یہ لوگ دیکھنے آتے ہیں آئینے تیرے

گلوں کو زخم ' ستاروں کو اپنے اشک کہوں
سُناؤں خود کو تِرے بعد تبصرے تیرے

یہ درد کم تو نہیں ہے کہ تُو ہمیں نہ ملا
یہ اور بات کہ ہم بھی نہ ہو سکے تیرے

جدائیوں کا تصور رُلا گیا تجھ کو!
چراغ شام سے پہلے ہی بجھ گئے تیرے

ہزار نیند جلاؤں ترے بغیر مگر

میں خواب میں بھی نہ دیکھوں وہ رتجگے تیرے

ہَوائے موسمِ گل کی ہیں لوریاں ' جیسے
بکھر گئے ہوں فضاؤں میں قہقہے تیرے

کسے خبر کہ ہمیں اب بھی یاد ہیں محسنؔ
وہ کروٹیں شبِ غم کی وہ حوصلے تیرے

☆

میں دل پہ جبر کروں گا ' تجھے بُھلا دوں گا
مروں گا خود بھی تجھے بھی کڑی سزا دوں گا

یہ تیرگی مِرے گھر کا ہی کیوں مقدر ہو؟
میں تیرے شہر کے سارے دیئے بجھا دوں گا

ہَوا کا ہاتھ بٹاؤں گا ہر تباہی میں!
ہَرے شجر سے پرندے میں خود اُڑا دوں گا!

وفا کروں گا کسی سوگوار چہرے سے!
پُرانی قبر پہ کتبہ نیا سجا دوں گا

اسی خیال میں گزری ہے شامِ درد اکثر

کہ درد حد سے بڑھے گا تو مُسکرا دوں گا

تُو آسمان کی صورت ہے ' گِر پڑے گا کبھی
زمیں ہُوں میں بھی مگر تجھ کو آسرا دوں گا

بڑھا رہی ہیں میرے دُکھ ' نشانیاں تیری
میں تیرے خط ' تری تصویر تک جلادوں گا

بہت دنوں سے مِرا دل اُداس ہے محسن
اِس آئینے کو کوئی عکس اب نیا دوں گا

☆

وحشت میں سکون ڈھونڈتی ہے
جنگل کی ہَوا بھی سر پھری ہے

اس دل میں بسی ہے یاد تیری
پتّھر میں کرن چھپی ہُوئی ہے

یہ سوچ کے ہنس پڑے ستارے
انسان فلک پہ اجنبی ہے

زنداں میں ہَوا کہاں سے آئی؟

دیوار کہاں سے گِر پڑی ہے؟

اب پھول ملیں تو سنگ سمجھو!
اس شہر کی رُت بدل چکی ہے

رونق تو وہی ہے پھر بھی جیسے
اِک شخص کی شہر میں کمی ہے

خود کو بھی مِری نظر سے دیکھو
مخلوق تو جھوٹ بولتی ہے

گھر اپنا یہ کس نے پھونک ڈالا؟
تاحدِ نگاہ روشنی ہے!

ملتے ہو لباسِ دوستی میں
سوچو یہ کہاں کی دشمنی ہے؟

بندے بھی خدا بنے ہُوئے ہیں
محسنؔ یہ کمالِ بندگی ہے

☆

بچھڑ کے مجھ سے کبھی تُو نے یہ بھی سوچا ہے
اَدھورا چاند بھی کتنا اُداس لگتا ہے

یہ ختم وصل کا لمحہ ہے ' رائیگاں نہ سمجھ
کہ اِس کے بعد وہی دُوریوں کا صحرا ہے

کچھ اور دیر نہ جھڑنا اُداسیوں کے شجر
کسے خبر ترے سائے میں کون بیٹھا ہے؟

یہ رکھ رکھاؤ محبت سکھا گئی اُس کو
وہ روٹھ کر بھی مجھے مُسکرا کے ملتا ہے

میں کس طرح تجھے دیکھوں ' نظر جھجکتی ہے
ترا بدن ہے کہ یہ آئینوں کا دریا ہے؟

کچھ اِس قدر بھی تو آساں نہیں ہے عشق ترا
یہ زہر دل میں اُتر کر ہی راس آتا ہے

میں تجھ کو پا کے بھی کھویا ہُوا سا رہتا ہُوں
کبھی کبھی تو مجھے تُو نے ٹھیک سمجھا ہے

مجھے خبر ہے کہ کیا ہے جدائیوں کا عذاب
کہ میں نے شاخ سے گُل کو بچھڑتے دیکھا ہے

میں مُسکرا بھی پڑا ہُوں تو کیوں خفا ہیں یہ لوگ
کہ پھول ٹوٹی ہُوئی قبر پر بھی کِھلتا ہے

اُسے گنوا کے مَیں زندہ ہُوں اِس طرح محسنؔ
کہ جیسے تیز ہَوا میں چراغ جلتا ہے

☆

وہ دے رہا ہے ''دِلاسے'' تو عمر بھر کے مجھے
بچھڑ نہ جائے کہیں پھر اُداس کر کے مجھے

جہاں نہ تُو نہ تری یاد کے قدم ہوں گے
ڈرا رہے وہی مرحلے سفر کے مجھے

ہوائے دشت مجھے اب تو اجنبی نہ سمجھ!
کہ اب تو بھول گئے راستے بھی گھر کے مجھے

یہ چند اشک بھی تیرے ہیں شامِ غم لیکن
اُجالنے ہیں ابھی خال و خد سحر کے مجھے

دلِ تباہ ترے غم کو ٹالنے کے لیے!
سُنا رہا ہے فسانے اِدھر اُدھر کے مجھے

قبائے زخم بدن پر سجا کے نکلا ہُوں
وہ اب مِلا بھی تو دیکھے گا آنکھ بھر کے مجھے

کچھ اس لیے بھی میں اُس سے بچھڑ گیا محسنؔ
وہ دُور دُور سے دیکھے ٹھہر ٹھہر کے مجھے

☆

سمجھ سکا نہ مِرے چاند کوئی درد ترا
مثالِ برگِ خزاں رنگ کیوں ہے زرد ترا

جتا رہا ہے مجھے کتنی صحبتوں کا فراق
بجھا بجھا یہ بدن ' ہاتھ سرد سرد ترا

وہ فاصلہ جسے صحرائے آ گہی کہیئے!
بھٹک گیا اُسی صحرا میں رہ نورد ترا

بچھڑ چلا ہے تو اپنے نشاں مٹاتا جا!
پتہ بتائے گی اب راستے کی گرد ترا!

بکھر بکھر کے ہَوا نے یہ کارواں سے کہا
بچھڑ گیا کسی رستے میں کوئی فرد ترا

☆

مجھے خلاء میں بھٹکنے کی آرزو ہی سہی
کہ تُو مِلے نہ مِلے تیری جستجو ہی سہی

قریب آ شبِ تنہائی' تجھ سے پیار کریں
تمام دن کی تھکن کا علاج تُو ہی سہی

بڑے خلوص سے ملتا ہے' جب بھی ملتا ہے
وہ بے وفا تو نہیں ہے' بہانہ جُو ہی سہی

مگر وہ اَبر سمندر پہ کیوں برستا ہے؟
زمین بانجھ سہی' خاک بے نمُو ہی سہی

تم اپنے داغ سرِ پیرہن کی بات کرو
ہمارا دامنِ صد چاک بے رفو ہی سہی

یہ ناز کم تو نہیں ہے کہ اُن سے مل آئے
وہ ایک پل کو سرِ راہ گفتگو ہی سہی

جو اپنے آپ سے شرمائے' کس سے بات کرے؟
میں آئینے کی طرح اُس کے رُوبرُو ہی سہی

کسی طرح تو یہ تنہائیوں کی شام کٹے

وصالِ یار نہیں ' قربتِ عدو ہی سہی

یہ سجدۂ سرِ مقتل کا وقت ہے محسنؔ
خود اپنے خونِ رگِ جاں سے اب وضو ہی سہی

☆

فن میں یہ معجزہ بھی پیدا کر
پتّھروں سے بشر تراشا کر

کب سے اپنی تلاش میں گم ہُوں
اے خدا مجھ کو مجھ پہ افشا کر

جس پہ اب اُنگلیاں اُٹھاتا ہُوں
اُس کو مانگا تھا ہاتھ پھیلا کر

اے بچھڑ کر نہ لوٹنے والے!
دُکھ کی راتوں میں یاد آیا کر

جل چکا شہر ' مر چکے باسی!
اب بجھی راکھ ہی کریدا کر

عمر بھر مجھ پہ برف برسی ہے

دشت کی دھوپ مجھ پہ سایا کر

ایک تنہا شجر نے مجھ سے کہا!
میرے سائے میں روز بیٹھا کر

تُو کہ معجز نما ہے نام ترا
میں کہ ذرّہ ہُوں مجھ کو صحرا کر

اے مِرے کچھ نہ سوچنے والے!
اپنے بارے میں کچھ تو سوچا کر

میں عزادار ہُوں اندھیروں کا
تو سَحر ہے تو مجھ سے پردہ کر

اے سمندر کے ابرِ آوارہ!
دشت میں ایک پل تو ٹھہرا کر

کون بانٹے گا دُکھ ترے محسنؔ؟
دوستوں سے بھی چھپ کے رویا کر

☆

نبی نہ تھے مگر انساں پہ جاں چھڑکتے تھے
سُنا ہے اگلے زمانے کے لوگ اچھے تھے

وہ بستیاں بھی عجب تھیں وہ ہستیاں بھی عجب!
کہ آندھیوں میں بھی جن کے چراغ جلتے تھے

انہوں نے مجھ سے کہا تھا کسی سے لَو نہ لگا
اُجڑ کے سوچ رہا ہُوں وہ لوگ سچے تھے!

خود اپنی ذات کا غم بھی شریکِ حال رہا
وگر نہ ہم ترے غم سے کہاں بہلتے تھے

وہ شہر کیا ہُوئے جن کے برہنہ تن باسی
ردائے برگ کو ملبوسِ جاں سمجھتے تھے

وہ دَور بیت گیا جب ترے بغیر ہمیں
تمام شہر کے رستے اُداس لگتے تھے!

وہ لفظ بھول گئے جن کے آئینوں میں کبھی
ترے بدن کے خدوخال تک اُترتے تھے

وہ آنکھ بجھ گئی جس کی کِرن کِرن کے لیے
کبھی کبھی تو ترے ہونٹ بھی ترستے تھے!

وہ سحر ٹوٹ گیا جس کے آسرے پہ کبھی!
ہم آسماں کو بھی تیری گلی سمجھتے تھے

وہ رنگ رُوٹھ گئے جو ہَوائے شام کے ساتھ
ترے خنک لب و رخسار پر بکھرتے تھے

تُو کل ادھر سے جو گزرا تو اہلِ شہر کے ساتھ
بُرا نہ مان کہ ہم خود بھی تجھ پہ ہنستے تھے

☆

سر بارِ دوشِ وحشت و موجِ نفس عذاب
آوارگی کی رُت میں ہے، کُنجِ قفس عذاب

آنکھیں بجھیں تو شہر میں ہر سُو بکھر گیا
بے منظری کے دُکھ میں مِرے پیش و پس عذاب

ہر لحظہ انتظارِ نزولِ شعاعِ برق!
تعمیرِ آشیاں کے لیے خار و خس، عذاب

اِس کے بغیر موت کو کیا کہیے صرف حبس
اِس کے سوا حیات بھی کیا شے ہے، بس عذاب

دامن کی وسعتوں پہ نہ جا اے نگاہِ یار!
بخشش تری درست پر اپنی ہوس عذاب

اِس دورِ کور چشم و ہُنر ناشناس میں!
چشمِ کشادہ قہر ' دلِ نکتہ رس عذاب

محسنؔ یہ فصلِ گل بھی قیامت تھی ' ٹل گئی
اب دیکھنا پڑے گا پھر اگلے برس عذاب

☆

دل وقفِ سیل دیدۂ پُر آب ہی تو ہے
آخر کہیں رُکے گا کہ سیلاب ہی تو ہے

کافی ہے اضطراب کو دل میں لہو کی بوند
وہ بھی مثالِ موجۂ سیماب ہی تو ہے

ہم سے نہ رُوٹھ ' صبح کے تارے ' ترے نثار
تُو بھی قتیلِ شیوۂ احباب ہی تو ہے

خوشبو ' ہَوا میں ریزۂ پیراہنِ بہار!
شبنم ' گلوں کا گریۂ شاداب ہی تو ہے

نوحۂ شکستِ دل کی ہے آوازِ بازگشت
نغمہ ' سفیرِ جنبشِ مضراب ہی تو ہے

جو کچھ بھی سُن رہا تھا ' صدائے سکوت تھی
جو کچھ بھی دیکھتا ہُوں وہ سب خواب ہی تہ ہے

سیلِ فنا کی موج میں بہہ جائے گی کبھی!
اپنی زمیں بھی گردِ رُخِ آب ہی تو ہے

نکلے گا کب حدودِ مکاں سے بشر کا ذہن؟
اب بھی اسیرِ قریۂ مہتاب ہی تو ہے

اہلِ ہوس کی لذّتِ کام و دہن کی خیر!
اپنا لہو بھی مثلِ مئے ناب ہی تو ہے

محسنؔ مسرتوں کی طلب رائیگاں سمجھ!
عالم کتابِ درد کا اِک باب ہی تو ہے

☆

جسم تڑپا ہے خاک پر تنہا
رُوح کرتی رہی سفر تنہا

نیند والوں کو کیا خبر اس کی؟
کون جاگا ہے رات بھر تنہا؟

لوگ سوئے تھے بند کمروں میں
چاند بھٹکا ہے در بدر تنہا

ساتھ دیتا ہے کون منزل تک؟
ساتھ چلتی ہے رہگزر تنہا

شہر کا شہر بجھتا جاتا تھا
جا رہا تھا وہ اپنے گھر تنہا

اے غمِ زندگی کی رات کے چاند
ڈھونڈ مجھ کو نگر نگر تنہا

وہ جو ہنستا تھا اہلِ دِل پہ کبھی
رو پڑا خود کو دیکھ کر تنہا

بھول کر اپنے حسن کے آداب
میرے دِل میں کبھی اُتر تنہا

یہ خداؤں کا دَور ہے اس میں
رہ گیا ہے فقط بشر تنہا

یاد آئے ہزار شہر مجھے
جب بھی دیکھا کوئی کھنڈر تنہا

اِس بھرے شہر میں کبھی محسنؔ
انجمن تھا کوئی مگر تنہا

☆

مِری محبت تو اِک گُہر ہے' تِری وفا بے کراں سمندر
تُو پھر بھی مجھ سے عظیم تر ہے' کہاں گُہر ہے کہاں سمندر!

یقیں ہے' دھوکے میں آ کے اُترا ہے چاند' پانی کی سلطنت میں
بلندیوں سے دکھائی دیتا ہے' ہُو بہُو آسماں سمندر

ازل سے بے سمت جستجو کا سفر ہے درپیش پانیوں کو
کسے خبر کس کو ڈھونڈتا ہے مِری طرح رائیگاں سمندر؟

میں تشنہ لب دُور سے جو دیکھوں تو ہر طرف سیلِ آب پاؤں
قریب جاؤں تو ریت شعلہ' غبار ساحل' دھواں سمندر

ہمارے دِل میں چھپے ہُوئے درد کی خبر چشمِ تر کو ہوگی!
سُنا ہے زیرِ زمیں خزانوں کا ہے فقط رازداں، سمندر

میں استعاروں کی سرزمیں پر اُتر کے دیکھوں تو بھید پاؤں
بشر مسافر، حیات صحرا، یقیں ساحل، گماں سمندر

جہاں جہاں شامِ غم کی افسردگی کا ماتم بپا ہُوا ہے!
اُفق سے ہنس کر گلے ملا ہے وہاں وہاں مہرباں سمندر

وفا کی بستی میں رہنے والوں سے ہم نے محسنؔ یہ طور سیکھا
لبوں پہ صحرا کع تشنگی ہو، مگر دِلوں میں نہاں سمندر

☆

ہم جو پہنچے سرِ مقتل تو یہ منظر دیکھا
سب سے اونچا تھا جو سر، نوکِ سناں پر دیکھا

ہم سے مت پوچھ کہ کب چاند اُبھرتا ہے یہاں؟
ہم نے سورج بھی ترے شہر میں آکر دیکھا

پیاس یاروں کو اب اُس موڑ پہ لے آئی ہے
ریت چمکی تو یہ سمجھے کہ سمندر دیکھا

ایسے لپٹے ہیں دَر و بام سے اب کے جیسے
حادثوں نے بڑی مدت میں مِرا گھر دیکھا

زندگی بھر نہ ہُوا ختم قیامت کا عذاب
ہم نے ہر سانس میں برپا نیا محشر دیکھا

اِتنا بے حس کہ پگھلتا ہی نہ تھا باتوں سے
آدمی تھا کہ تراشا ہُوا پتّھر دیکھا

دُکھ ہی ایسا تھا کی رویا ترا محسنؔ ورنہ
غم چھپا کر اُسے ہنستے ہُوئے اکثر دیکھا

☆

خوشی کا غم ہے نہ غم کی کوئی خوشی اب تو!
بہت اُداس گزرتی ہے زندگی اب تو!

ترے بغیر بھی دِل کی تسلیوں کے لیے!
اِک اانتظار کی شب تھی، سو ڈھل چکی اب تو

اِک آشنا کے بچھڑنے سے کیا نہیں بدلا؟
ہَوائے شہر بھی لگتی ہے اجنبی اب تو

تمام رات رہی دِل میں روشنی کی لکیر!
مثالِ شمعِ سحر وہ بھی جل بجھی اب تو

چلی تھی جن سے یہاں رسمِ خود نگہداری
اُنہیں عزیز ہُوا ذکرِ خودکشی اب تو

کہاں گئے وہ شناسا وہ اجنبی چہرے!
اُجاڑ سی نظر آتی ہے ہر گلی اب تو

☆

اس طرح مرے ذہن میں اُترا ہُوا تُو ہے
جیسے کسی مہتاب کا سایا لبِ جُو ہے

انساں ہیں کہ پتّھر کے تراشے ہُوئے بت ہیں
سانسوں میں حرارت ہے نہ شہ رگ میں لہُو ہے

اِک گرمئ رفتار مرے پاؤں کی زنجیر!
اِک شعلۂ آواز مرا طوقِ گلُو ہے

دیکھوں تو ہر اِک موڑ پہ ہنگامۂ محشر!
سوچوں تو بھرے شہر میں اِک عالمِ ہُو ہے

دونوں کے خدوخال پہ سایا ہے ہوس کا
حالات نے بخشا ہے کسے' میں ہُوں کہ تُو ہے؟

انساں کو جلا دے گئی اِحساس کی گرمی!
کہنے کو تو پتّھر میں بھی اِک ذوقِ نمُو ہے

میں تیرہ مقدر ہُوں کہاں تک اُسے چاہوں
وہ شعلہ بدن ' برق نظر آئینہ رُو ہے

سوچوں تو جھلس جائے ہر اِک یاد کا چہرہ!
محسؔن مِری نس نَس میں غمِ دہر کی لُو ہے

☆

لہو کی موج ہوں اور جسم کے حصار میں ہُوں
رواں رہوں بھی تو کیسے کہ برف زار میں ہُوں

جہانِ شامِ الم کے اُداس ہمسفرو
مجھے تلاش کرو ' میں اسی دیار میں ہُوں

میں پھول بھی ہُوں مِرے پیرہن میں رنگ بھی ہے
مگر ستم یہ ہُوا ہے کہ ریگ زار میں ہُوں

چراغِ راہ سہی خود فریب ہُوں اتنا
کہ شب کی آخری ہچکی کے انتظار میں ہُوں

ہر ایک پل مجھے خوفِ شکست ہے محسنؔ
میں آئینہ ہُوں مگر دستِ سنگبار میں ہُوں

☆

سوز اِتنا تو نَوا میں آئے
اُس کا پیغام ہَوا میں آئے

مثلِ گُل اب کے ہو وحشت اپنی
زخم کا رنگ قبا میں آئے

دِل میں یوں چپکے سے اُترا کوئی
جیسے جبریل "حِرا" میں آئے

یوں اچانک تجھے پایا مَیں نے
جیسے تاثیر دُعا میں آئے

چاند نے جھک کے ستاروں سے کہا
کتنے انسان خلا میں آئے

حادثہ ضبط کا دُشمن ہے اگر
حوصلہ اہلِ وفا میں آئے

اب تو لب کھول دہن بستہ مِرے
زلزلہ ارض و سما میں آئے

روگ کیا جی کو لگا ہے محسنؔ!
زہر کا نام دوا میں آئے

☆

شامل مِرا دُشمن صفِ یاراں میں رہے گا
یہ تیر بھی پیوست رگِ جاں میں رہے گا

اِک رسمِ جنوں اپنے مقدر میں رہے گی
اِک چاک سدا اپنے گریباں میں رہے گا

اِک اشک ہے آنکھوں میں سو چمکے گا کہاں تک؟
یہ چاند زدِ شامِ غریباں میں رہے گا

میں تجھ سے بچھڑ کر بھی کہاں تجھ سے جُدا ہُوں
تو خواب صفت دیدۂ گریاں میں رہے گا

رنگوں کی کوئی رُت تری خوشبو نہیں لائی
یہ داغ بھی دامانِ بہاراں میں رہے گا!

اب کے بھی گزر جائیں گے سب وصل کے لمحے
مصروف کوئی وعدہ و پیماں میں رہے گا

میں حرفِ جنوں کہہ نہ سکوں گا' جو کہوں بھی
اِک راز کی صورت دِلِ امکاں میں رہے گا

محسنؔ میں حوادث کی ہواؤں میں گھرا ہُوں
کیا نقشِ قدم دشت و بیاباں میں رہے گا؟

☆

نیا ہے شہر' نئے آسرے تلاش کروں
تُو کھو گیا ہے' کہاں اب تجھے تلاش کروں

جو دشت میں بھی جلاتے تھے فصلِ گُل کے چراغ
میں شہر میں بھی وہی آبلے تلاش کروں؟

تُو عکس ہے تو کبھی میری چشمِ تر میں اُتر!
ترے لیے میں کہاں آئینے تلاش کروں!

تجھے حواس کی آوارگی کا علم کہاں!
کبھی میں تجھ کو ترے سامنے تلاش کروں!

غزل کہوں، کبھی سادہ سے خط لکھوں اُس کو
اُداس دِل کے لیے مشغلے تلاش کروں!

مرے وجود سے شاید ملے سراغ ترا
کبھی میں خود کو ترے واسطے تلاش کروں

میں چپ رہوں کبھی بے وجہ ہنس پڑوں محسنؔ
اُسے گنوا کے عجب حوصلے تلاش کروں

☆

گُم صُم ہُوا، آواز کا دریا تھا جو اِک شخص
پتّھر بھی نہیں اب وہ، ستارا تھا جو اِک شخص

شاید وہ کوئی حرفِ وفا ڈھونڈ رہا تھا
چہروں کو بڑے غور سے پڑھتا تھا جو اِک شخص

صحرا کی طرح دیر سے پیاسا تھا وہ شاید
بادل کی طرح ٹوٹ کے برسا تھا جو اِک شخص

اے تیز ہَوا کوئی خبر اُس کے جنوں کی!
تنہا سفرِ شوق پہ نکلا تھا جو اِک شخص؟

اب آخری سطروں میں کہیں نام ہے اُس کا
احباب کی فہرست میں پہلا تھا جو اِک شخص!

ہاتھوں میں چھپائے ہُوئے پھرتا ہے کئی زخم
شیشے کے کھلونوں سے بہلتا تھا جو اِک شخص

مُڑ مُڑ کے اُسے دیکھنا چاہیں مِری آنکھیں
کچھ دُور مجھے چھوڑنے آیا تھا جو اِک شخص

اب اُس نے بھی اپنا لیے دُنیا کے قرینے
سائے کی رفاقت سے بھی ڈرتا تھا جو اِک شخص

ہر ذہن میں کچھ نقشِ وفا چھوڑ گیا ہے
کہنے کو بھرے شہر میں تنہا تھا جو اِک شخص

مُنکر ہے وہی اب مِری پہچان کا محسنؔ
اکثر مجھے خط خون سے لکھتا تھا جو اِک شخص

☆

لوگوں کے لیے صاحبِ کردار بھی مَیں تھا
خود اپنی نگاہوں میں گنہگار بھی مَیں تھا

کیوں اب مِرے منصب کی سلامی کو کھڑے ہو
یارو کبھی رُسوا سرِ بازار بھی مَیں تھا

مَیں خود ہی چھپا تھا کفِ قاتل کی شکن میں
مقتول کی ٹوٹی ہُوئی تلوار بھی مَیں تھا

چھینٹے ہیں جہاں اب مِرے معصوم لہو کے
اُس فرقِ فلک ناز کی دستار بھی مَیں تھا

میری ہی صدا لوٹ کے آئی ہے مجھی تک
شاید حدِ افلاک کے اُس پار بھی مَیں تھا

منزل پہ جو پہنچا ہُوں تو معلوم ہُوا ہے!
خود اپنے لیے راہ کی دیوار بھی مَیں تھا

اب میرے تعارف سے گریزاں ہے تُو لیکن
کل تک تری پہچان کا معیار بھی مَیں تھا

دیکھا تو مَیں افشا تھا ہر اِک ذہن پہ محسنؔ
سوچا تو پسِ پردۂ اسرار بھی مَیں تھا

☆

اُجڑ اُجڑ کے سنورتی ہے تیرے ہجر کی شام
پوچھ کیسے گزرتی ہے تیرے ہجر کی شام؟

یہ برگ برگ اُداسی بکھر رہی ہے مِری!
کہ شاخ شاخ اُترتی ہے تیرے ہجر کی شام

اُجاڑ گھر میں کوئی چاند کب اُترتا ہے؟
سوال مجھ سے یہ کرتی ہے تیرے ہجر کی شام

مِرے سفر میں اِک ایسا بھی موڑ آتا ہے
جب اپنے آپ سے ڈرتی ہے تیرے ہجر کی شام

بہت عزیز ہیں دِل کو یہ زخم زخم رُتیں!
انہی رُتوں میں نکھرتی ہے تیرے ہجر کی شام

یہ میرا دِل یہ سراسر نگار خانۂ غم
سدا اسی میں اُترتی ہے تیرے ہجر کی شام!

جہاں جہاں بھی ملیں تیرے قربتوں کے نشاں
وہاں وہاں سے ابھرتی ہے تیرے ہجر کی شام

یہ حادثہ تجھے شاید اُداس کر دے گا
کہ میرے ساتھ ہی مرتی ہے تیرے ہجر کی شام

☆

ایسے تنہا گھر میں کیونکر جایئے؟
اپنے سائے سے جہاں ڈر جایئے!

وہ نہیں ' تو کون دیکھے گا ہمیں!
شہر میں کیوں بن سنور کر جایئے؟

رویئے اتنا کہ اشکوں سے کبھی
دامنِ دشتِ وفا بھر جایئے

ڈھونڈ ہی لیں گی ہمیں ویرانیاں
شہر میں رہیے کہ اب گھر جایئے

دِل کی خاطر زندہ رہیے کب تلک؟
دِل ہی کہتا ہے کہ اب مَر جایئے

تھم گئی رُسوائی کی وحشی ہَوا!
ختم ہے اب شورِ محشر ' جایئے

کل ہمیں ہیرے تھے سارے شہر میں
اب ہمیں ٹھہرے ہیں پتّھر ' جایئے

سب وفا ناآشنا دِل کے بغیر
مانیے سب کی کہ دِل پر جایئے

☆

وہ جس کا نام بھی لیا پہیلیوں کی اوٹ میں
نظر پڑی تو چھپ گئی سہیلیوں کی اوٹ میں

رُکے گی شرم سے کہاں یہ خال و خد کی روشنی؟
چھپے گا آفتاب کیا ہتھیلیوں کی اوٹ میں؟

ترے مرے ملاپ پر وہ دُشمنوں کی سازشیں
وہ سانپ رینگتے ہُوئے' چنبیلیوں کی اوٹ میں

وہ تیرے اشتیاق کی ہزار حیلہ سازیاں
وہ میرا اضطراب یار بیلیوں کی اوٹ میں

چلو کہ ہم بجھے بجھے سے گھر کا مرثیہ کہیں!
وہ چاند تو اُتر گیا' حویلیوں کی اوٹ میں

☆

پھر وہی مَیں ہُوں وہی درد کا صحرا یارو
تم سے بچھڑا ہُوں تو دُکھ پائے ہیں کیا کیا یارو!

پیاس اتنی ہے کہ آنکھوں میں بیاباں چمکیں
دھوپ ایسی ہے کہ جیسے کوئی دریا ...... یارو

یاد کرتی ہیں تمہیں آبلہ پائی کی رُتیں .....!
کس بیاباں میں ہو' بولو مِرے تنہا .... یارو

تم تو نزدیکِ رگِ جاں تھے' تمہیں کیا کہتا ؟
میں نے دُشمن کو بھی دُشمن نہیں سمجھا یارو

آسماں گرد میں گم ہے کہ گھٹا چھائی ہے؟
کچھ بتاؤ کہ مِرا شہر ہے پیاسا ...... یارو

کیا کہوں گُل ہے کہ شبنم وہ غزل ہے کہ غزال؟
تم نے دیکھا ہی نہیں اُس کا سراپا یارو

کون تنہا رہے اِک عمر کسی کی خاطر؟
وہ جو مل جائے تہ اُس سے بھی یہ کہنا یارو

اُس کے ہونٹوں کے تبسّم میں تھی خوشبو غم کی
ہم نے محسنؔ کو بہت دیر میں سمجھا یارو

☆

ہم وہ ہیں جن کو حفظِ مرتب کا غم نہیں
نوکِ سناں بھی تختِ سلیماں سے کم نہیں

اُتریں بصد خروش ہَواؤں کے قافلے
صحرا حریصِ دولتِ نقشِ قدم نہیں!

وہ اپنا سر نہ تھا جسے آئی نہ سرکشی
جو سرنگوں ہُوا وہ ہمارا علم نہیں

اب کیا کہیں یہ سنگدلی ہے کہ بے حسی؟
دِل ہے غموں کی زد پہ مگر آنکھ نم نہیں

ہر سانس قرض ہے تو پھر اے دِل شکستگی
مرنے کو زندگی کی یہ تہمت بھی کم نہیں

کیوں لیجے اِس سے کام تری رونمائی کا
کیا کیجے اپنا دِل ہے، کوئی جامِ جم نہیں

☆

لوٹ کر کوئی آتا ہے کب ، دیکھیے!
ہر گھڑی سُوئے دَر بے سبب دیکھیے

اپنے زخموں کی پُرسش سے فارغ نہیں
کیا ترا ، خندۂ زیرِ لب دیکھیے؟

کتنے سورج بجھے کتنے تارے گرے
گرم رفتارئِ روز و شب دیکھیے

خواہشِ زخم تھی ، پھول چننے لگے!
ہم فقیروں کا حسنِ طلب دیکھیے

اُس سے ترکِ تعلق بھی کر آئے ہم
کیا قیامت گزرتی ہے اب ، دیکھیے

اِک پُرانی کشش اُس میں آباد ہے
اِک نیا رُوپ ہے ، اُس کو جب دیکھیے

آسمانوں کی بخشش پہ مت جایئے
شہر کا شہر ہے تشنہ لب دیکھیے

وصل کا دن تو محسؔن یونہی ڈھل گیا
ہجر میں کیسے کٹتی ہے شب ، دیکھیے؟

☆

ہم کو بھی چھپا اے شبِ غم اپنے پروں میں
ہم لوگ بھی شامل ہیں ترے ہمسفروں میں

اے دیدہ وری میں ترے معیار کا مجرم!
پھر لے کے چلا اپنے گُہر کم نظروں میں

بادل تو برستے ہیں مگر بانجھ زمیں پر
سورج تو اُبھرتا ہے مگر بے بصروں میں

ممکن ہو تو ہر اِک دَر و دیوار پہ لکھ دوں
پتّھر نہ چھپایا کرو شیشے کے گھروں میں

مرہم کی جگہ بانٹتے پھرتے ہیں نئے زخم!
یہ رسم بھی نکلی ہے عجب چارہ گروں میں

اس گھر کے محافظ بھی خبردار ہیں کتنے؟
سوراخ تو چھت میں ہُوئے تالے ہیں دروں میں

اے دوست ترا درد کہاں راحتِ جاں تھا؟
تُو ہم کو غنیمت سمجھ آشفتہ سروں میں

اس شہر میں رہتا ہُوں اِس انداز سے محسنؔ
جیسے کوئی فنکار پھرے بے ہنروں میں!

☆

خواہشوں کے زہر میں اخلاص کا رس گھول کر
وہ تو پتّھر ہو گیا دو چار دن ہنس بول کر

دِل ہجومِ غم کی زد میں تھا ' سنبھلتا کب تلک؟
اِک پرندہ آندھیوں میں رہ گیا پَر تول کر

اپنے ہونٹوں پرسجا لے قیمتی ہیروں سے لفظ
اپنی صورت کی طرح باتیں بھی تو انمول کر

آج اُس کی حدِّ بخشش ہے ترے سر سے بلند
آج اپنے سر سے بھی اُنچا ذرا کشکول کر

بند ہاتھوں کا مقدر تھیں سبھی کرنیں مگر
سارے جگنو اُڑ گئے ' دیکھا جو مٹھی کھول کر

شہر والے جھوٹ پر رکھتے ہیں بنیادِ خلوص
مجھ کو پچھتانا پڑا محسنؔ یہاں سچ بول کر

☆

چبھتے اشکوں سے بجھی آنکھیں نہ چمکایا کرو
کانچ کے ٹکڑوں سے اپنا دِل نہ بہلایا کرو

مجھ کو فرصت ہی نہیں ملتی خود اپنے آپ سے
روٹھنے والو مجھے اب یاد کم آیا کرو

دوستو اپنی زباں سے مَیں ابھی واقف نہیں
جب مِری باتیں سمجھ لو ' مجھ کو سمجھایا کرو

اب تمہیں بھی شہر والوں کی ہنسی ڈسنے لگی!
میں نہ کہتا تھا مِرا دُکھ تم نہ اپنایا کرو

کل تھکے ہارے پرندوں نے نصیحت کی مجھے
شام ڈھل جائے تو محسنؔ تم بھی گھر جایا کرو

☆

تمام عمر وہی قصّۂ سفر .... کہنا!
کہ آسکا نہ ہمیں اپنے گھر کو گھر کہنا

جو دن چڑھے تو ترے وصل کی دُعا کرنا
جو رات ہو تو دُعا ہی کو بے اثر کہنا

یہ کہہ کے ڈوب گیا آج آخری سورج
کہ ہو سکے تو اسی شب کو اب سحر کہنا

میں اب سکوں سے رہوں گا کہ آ گیا ہے مجھے
کمالِ بے ہُنری کو بھی اِک ہُنر کہنا

وہ شخص مجھ سے بہت بدگماں سا رہتا ہے
یہ بات اُس سے کہو بھی تو سوچ کر کہنا

کبھی وہ چاند جو پوچھے کہ شہر کیسا ہے؟
بجھے بجھے ہُوئے لگتے ہیں بام و دَر .... کہنا

ہمارے بعد عزیزو ' ہمارا افسانہ!
کبھی جو یاد بھی آئے تو مختصر .... کہنا

وہ ایک میں کہ مِرا شہر بھر کو اپنے سوا
تری وفا کے تقاضوں سے بے خبر کہنا

وہ ایک تُو کہ ترا ہر کسی کو میرے بغیر
معاملاتِ محبت میں معتبر کہنا

وفا کی طرز ہے محسنؔ کہ مصلحت ' کیا ہے؟
یہ تیرا دُشمنِ جاں کو بھی چارہ گر کہنا

☆

رہتے تھے پستیوں میں مگر خود پسند تھے
ہم لوگ اِس لحاظ سے کتنے بلند تھے!

آخر کو سو گئی کھلی گلیوں میں چاندنی!
کل شب تمام شہر کے دروازے بند تھے

گزرے تو ہنستے شہر کو نمناک کر گئے
جھونکے ہوائے شب کے بڑے دردمند تھے

موسم نے بال و پر تو سنوارے بہت مگر
اُڑتے کہاں کہ ہم تو اسیرِ کمند تھے!

وہ ایک تُو کہ ہم کو مٹا کر تھا مطمئن!
وہ ایک ہم کہ پھر بھی حریصِ گزند تھے!

محسنؔ ریا کے نام پہ ساتھی تھے بے شمار
جن میں تھا کچھ خلوص وہ دُشمن بھی چند تھے

☆

بہت ہُوا کہ غمِ دوجہاں کی زد میں نہیں
کہ میں اسیر زمان و مکاں کی حد میں نہیں

مِرے ملاپ کی خواہش ہے گر تو چاند نہ بن
کہ آسماں کی بلندی تو میرے قد میں نہیں

سفیرِ موسمِ گُل ہے، صبا کا پرچم ہے
وہ برگِ تر جوابھی تک خزاں کی زد میں نہیں

ابھی نہ دام لگا اے خود آگہی اپنے!!
ابھی متاعِ جنوں دامنِ خرد میں نہیں

طلب خوشی کی نہ غم کی کشش کہ دِل جیسے
بہت دنوں سے حصارِ قبول ورَد میں نہیں

صبا نے دامنِ گُل میں چھپا کے رکھا ہے
وہ بھولپن جو ابھی تیرے خال و خد میں نہیں

جو اعتبار تھا پیماں شکستگی میں نہاں
نجانے کیوں وہ تیرے قولِ مُستند میں نہیں

یہ کہہ کے روح بدن سے بچھڑ گئی محسنؔ
مجھے سکوں تِری ٹوٹی ہُوئی لحد میں نہیں

☆

اب رفتگاں کی یاد کا کچھ تو پتا بھی دے!
اے شام دُکھ دیا ہے تو پھر حوصلہ بھی دے

چبھتے ہیں اب تو اشک بھی رہ رہ کے آنکھ میں
موجِ ہوائے شب یہ چراغاں بجا بھی دے

کیا قہر ہے فلک کا ستم بھی زمیں پہ ہو
گرنے لگے فلک تو زمیں آسرا بھی دے!

مجھ کو تو حرفِ حق کی طلب تھی سو پا لیا
میں نے یہ کب کہا تھا مجھے ''کربلا'' بھی دے

اب کچھ تو کم ہو دِل زدگاں کی فسردگی
اے دردِ رات ڈھلنے لگی ، مُسکرا بھی دے

ہر فرد ابتدا کی مسافت میں شل ہُوا
کوئی تو ہو جو اب خبرِ انتہا بھی دے

کب تک ہنسے گی تجھ پہ یہ محرومیوں کی شام؟
وہ شخص بے وفا تھا ، اُسے اب بھلا بھی دے

محسنؔ سا اہلِ دِل تو دِکھا اپنے شہر میں
محسنؔ تو ہنس کے زخم بھی کھائے ، دُعا بھی دے

☆

فلک پر اِک ستارا رہ گیا ہے
مِرا ساتھی اکیلا رہ گیا ہے

یہ کہہ کر پھر پلٹ آئیں ہوائیں!
شجر پر ایک پتّا رہ گیا ہے

ہر اِک رُت میں ترا غم ہے سلامت
یہ موسم ایک جیسا رہ گیا ہے

ہمارے بعد کیا گزری عزیزو!
سناؤ شہر کیسا رہ گیا ہے؟

برس کچھ اور اے آوارہ بادل
کہ دِل کا شہر پیاسا رہ گیا ہے

خداوندا سنبھال اپنی امانت
بشر دنیا میں تنہا رہ گیا ہے

حوادث کس لیے ڈھونڈیں گے مجھ کو؟
مِرے دامن میں اب کیا رہ گیا ہے؟

ستارے بانٹتا پھرتا ہوں محسنؔ
مگر گھر میں اندھیرا رہ گیا ہے

☆

ادراک پر محیط ہے ارض و سما کا دُکھ
اِس سے پرے بھی جو ہے وہ ہے ماورا کا دُکھ

دِل نے کہا نہ دیکھ سُوئے آسماں کہ یوں!
بڑھتا ہے نارسائی دستِ دُعا کا دُکھ

ورنہ سکوتِ مرگ کہاں اور ہم کہاں؟
حیران کر گیا ہمیں اپنی صدا کا دُکھ

دِل میں اب اور کیا ہے جسے ڈھونڈتی ہے خلق
کافی ہے زندگی کو شکستِ اَنا کا دُکھ

سُن لو مسافرانِ بیابانِ شامِ غم!
بخشے گا ابتدا کا سفر انتہا کا دُکھ

کیوں اِن دنوں سوار ہے دو کشتیوں پہ دِل
چاہت اِک اجنبی کی تو اِک آشنا کا دُکھ

محسؔن خزاں کا نام بدل کر لکھو اِسے
نایابی نقوشِ خرامِ صبا کا دُکھ ......!

☆

وحشتیں بکھری پڑی ہیں' جس طرف بھی جاؤں مَیں
گھوم پھر آیا ہُوں اپنا شہر' تیرا گاؤں مَیں

کس کو راس آیا ہے اتنی دیر تک کا جاگنا
وہ جو مل جائے تو اُس کو بھی یہی سمجھاؤں مَیں

اب تو آنکھوں میں اُتر آئی ہیں دِل کی وحشتیں
آئینہ دیکھوں تو اپنے آپ سے ڈر جاؤں مَیں

کچھ بتا اے ماتمی راتوں کی دھندلی چاندنی!
بھولنے والوں کو آخر کس طرح یاد آؤں مَیں؟

اب کہاں وہ دِل کہ صحرا میں بہلتا ہی نہ تھا
اب تو اپنے گھر کی تنہائی سے بھی گھبراؤں مَیں

یاد کر کے تیرے لوٹ آنے کے وعدوں کی گھڑی
خود کو اِک معصوم بچے کی طرح بہلاؤں مَیں

میرے خوابوں نے تراشا تھا ترا اُجلا بدن
آ تجھے اب فکر کی پوشاک بھی پہناؤں میں

کس لیے محسؔن کسی بے مہر کو اپنا کہوں!
دِل کے شیشے کو کسی پتّھر سے کیوں ٹکراؤں میں؟

☆

اہلِ جفا سے ربطِ وفا توڑ دیجیے!
اب جی میں ہے کہ شہر ترا چھوڑ دیجیے!

مڑ مڑ کے دیکھیے نہ لُٹے منظروں کی سمت
آنکھیں جو ضد کریں تو انہیں پھوڑ دیجیے

کہتی ہیں دِل زدوں سے بیاباں کی وسعتیں
رُخ اپنی وحشتوں کا اِدھر موڑ دیجیے!

ہر آنکھ زخم ہے ہر دِل ہے چُور چُور
اب اتنے آئینوں کو کہاں جوڑ دیجیے!

☆

چھڑ گئی اُس سے اہلِ درد کی بات
دیکھیے کیا ہو صورتِ حالات!

زندگی ہے اُداس اور تنہا!
جیسے یخ بستہ کوہسار کی رات

ہر طرف ہے ہجومِ تنہائی!
جیسے جنگل میں وحشیوں کی برات

کتنی کمیاب ہے متاعِ خلوص
یومِ عاشور جیسے موجِ فرات

رات تُو اِس طرح سے یاد آیا
جیسے نازل ہوں ذہن پر آیات

ماورا ہے حروف سے وہ بدن
شل ہُوئی جا رہی ہیں تشبیہات

کس نے چھینا تبسّم غمِ دوست؟
ڈوبتی جا رہی ہے نبضِ حیات

میں نے مانا ہے ایسے خالق کو
جس کی تخلیق کو نہیں ہے ثبات

ایسے تقسیم ہو رہا ہے بشر
جس طرح بانٹ دے کوئی خیرات

چاند بھی پتھروں کی وادی ہے
دیکھ اپنی عظیم تخلیقات!

میں نے پایا ہے وہ جہاں محسنؔ
جس میں ممکن نہیں دُکھوں سے نجات

☆

ہر اِک قدم پہ یہ خدشہ مِری نگاہ میں ہے
کہ دشتِ شامِ غریباں سحر کی راہ میں ہے

ابھی کچھ اور بھڑک اے چراغِ تنہائی!
ترا وجود غنیمت شبِ سیاہ میں ہے

اُتر رہا ہے ترا درد دِل میں یاسرِ شام!
ورودِ موسمِ گُل دشتِ بے گیاہ میں ہے؟

جہاں پناہ ترا عدل مستند ہے مگر!
چھپا ہُوا مِرا قاتل تری سپاہ میں ہے

ہَوا چلی تو میں اس معجزے کو مان گیا
کہ بجلیوں کی تڑپ بھی وجودِ کاہ میں ہے

گنوا چکا ہے تو اِک دن بُھلا بھی دے گا تجھے
کہ حوصلہ ابھی اتنا دِلِ تباہ میں ہے!

یقین کون کرے میری بے گناہی کا
یہ تاب مجھ میں نہ جرأت مِرے گواہ میں ہے

ہمارے بعد اُداسی ہے ہر طرف محسنؔ
بہار گھر میں نہ رونق وہ قتل گاہ میں ہے

☆

روشنی تیرے ''سفیروں'' کا نشاں باقی ہے
دامنِ شب میں چراغوں کا دھواں باقی ہے

حشر تو ہو بھی چکا تیرے بچھڑ جانے پر
دِل میں کیوں وسوسۂ سود و زیاں باقی ہے

اب تجھے یاد دلانے کے لیے کچھ بھی نہیں!
صرف اِک عہدِ وفا ' وہ بھی کہاں باقی ہے؟

رہروَ ' دھوپ نے جُھلسا دیے قدموں کے نشاں
پھر بھی اِک واہمۂ ابرِ رواں باقی ہے

دِل کو اب شوق سے تاراج کرے برقِ عذاب
اُٹھ گئے سارے مکیں ' صرف مکاں باقی ہے

کون کہتا ہے کہ الفاظ ہیں محتاجِ قلم!
کٹ گئے ہاتھ مگر میری زباں باقی ہے

کتنے خورشید تراشے گئے ' پھر بھی محسنؔ
تیرگی ہے جو کراں تا بہ کراں باقی ہے

☆

یوں جشنِ وفا منا رہا ہُوں
ہر ددرد پہ مُسکرا رہا ہُوں

اے شہر نہ کر قبول مجھ کو
صحرا سے اُجڑ کر آرہا ہُوں

اے شام نہ ہو اُداس اتنی
میں گھر کے دیئے بجھا رہا ہُوں

پتھر کو لگا رہا ہُوں جونکیں
دنیا کو وفا سکھا رہا ہُوں

یوں اپنے سے کر رہا ہوں باتیں
جیسے مَیں اُنہیں سُنا رہا ہُوں

ہر شخص کو مجھ سے ہے محبت
ہر شخص کو آزما رہا ہُوں

بیٹھا ہے وہ سامنے کہ محسنؔ
سورج سے نظر ملا رہا ہُوں؟

☆

یہ دِل یہ پاگل دِل مِرا کیوں بجھ گیا آوارگی!
اِس دشت میں اِک شہر تھا ' وہ کیا ہُوا آوارگی!

کل شب مجھے بے شکل کی آواز نے چونکا دیا
میں نے کہا تُو کون ہے' اُس نے کہا ''آوارگی''

لوگو بھلا اُس شہر میں کیسے جئیں گے ہم ' جہاں
ہو جرم تنہا سوچنا لیکن سزا ' آوارگی!

یہ درد کی تنہائیاں ' یہ دشت کا ویراں سفر
ہم لوگ تو اُکتا گئے ' اپنی سُنا ' آوارگی!

اِک اجنبی جھونکے نے جب پوچھا مِرے غم کا سبب
صحرا کی بھیگی ریت پر مَیں نے لکھا '' آوارگی ''

اُس سمت وحشی خواہشوں کی زد میں پیمانِ وفا
اِس سمت لہروں کی دھمک ' کچا گھڑا ' آوارگی

کل رات تنہا چاند کو دیکھا تھا مَیں نے خواب میں
محسنؔ مجھے راس آئے گی شاید سدا '' آوارگی ''

☆

وہ کون لوگ تھے ' اُن کا پتہ تو کرنا تھا
مِرے لہو میں نہا کر جنہیں نکھرنا تھا

یہ کیا کہ لوٹ بھی آئے سراب دیکھ کے لوگ
وہ تشنگی تھی کہ پاتال تک اُترنا تھا

گلی کا شور ڈرائے گا دیر تک مجھ کو!
میں سوچتا ہُوں دریچوں کو وَا نہ کرنا تھا

یہ تم نے اُنگلیاں کیسے فگار کر لی ہیں؟
مجھے تو خیر لکیروں میں رنگ بھرنا تھا

وہ ہونٹ تھے کہ شفق میں نہائی کرنیں تھیں؟
وہ آنکھ تھی کہ خنک پانیوں کا جھرنا تھا؟

گلُوں کی بات کبھی راز رہ نہ سکتی تھی
کہ نکہتوں کو تو ہر راہ سے گزرنا تھا

خزاں کی دھوپ سے شکوہ فضول ہے محسؔن
میں یُوں بھی پھول تھا آخر مجھے بکھرنا تھا

☆

اتنی مدت بعد ملے ہو!
کن سوچوں میں گُم پھرتے ہو؟

اتنے خائف کیوں رہتے ہو؟
ہر آہٹ سے ڈر جاتے ہو

تیز ہَوا نے مجھ سے پوچھا
ریت پہ کیا لکھتے رہتے ہو؟

کاش کوئی ہم سے بھی پوچھے
رات گئے تک کیوں جاگے ہو؟

میں دریا سے بھی ڈرتا ہُوں
تم دریا سے بھی گہرے ہو!

کون سی بات ہے تم میں ایسی
اتنے اچھے کیوں لگتے ہو؟

پیچھے مڑ کر کیوں دیکھا تھا
پتّھر بن کر کیا تکتے ہو

جاؤ جیت کا جشن مناؤ!
میں جھوٹا ہُوں، تم سچے ہو

اپنے شہر کے سب لوگوں سے
میری خاطر کیوں اُلجھے ہو؟

کہنے کو رہتے ہو دِل میں!
پھر بھی کتنے دُور کھڑے ہو

رات ہمیں کچھ یاد نہیں تھا
رات بہت ہی یاد آئے ہو

ہم سے نہ پوچھو ہجر کے قصّے
اپنی کہو اب تم کیسے ہو؟

محسنؔ تم بدنام بہت ہو
جیسے ہو، پھر بھی اچھے ہو

☆

تجھ سے ربط اتنا، غمِ شام و سحر، اپنا ہے
عکس تیرا ہے مگر دیدۂ تر، اپنا ہے

جی میں آیا تو کبھی چھوڑ ہی ڈالیں گے اِسے
غیر کے ہاتھ کا پتّھر نہیں، سر اپنا ہے

وحشتِ جاں کبھی فرصت ہو تو اِس سمت بھی آ
شہر سے دُور سہی ' دشت بھی گھر اپنا ہے

ڈوبتے ڈوبتے سورج نے سیہ شب سے کہا
چاند اُبھرا بھی تو کیا ' لختِ جگر اپنا ہے

بارشِ سنگ کی ہیبت سے مقفل ہیں مکاں
ہاں بھرے شہر میں وا ہے جو' وہ دَر اپنا ہے

بے حجابانہ ملے اُس سے تو یہ بھید کُھلا
خلق کا خوف نہیں ہے اُسے ڈر اپنا ہے

وہ جو منزل ہے سرِ حدِّ نظر تیری ہے
یہ جو چہرہ ہے پسِ گردِ سفر ' اپنا ہے

سچ بھی کہتے ہیں مگر جھوٹ کی لَے میں محسنؔ
کچھ دنوں سے یہی اندازِ ہُنر اپنا ہے!

☆

بچھڑ کے تجھ سے یہ سوچوں کہ دِل کہاں جائے؟
سحر اُداس کرے ' شام رائیگاں جائے

زمیں بدر جو ہُوئے ہو تو میرے ہمسفرو!
چلے چلو کہ جہاں تک یہ آسماں جائے

تمام شہر میں پھیلی ہُوئی ہے تنہائی!
یہ دِل جواں سہی لیکن کہاں کہاں جائے

جلوں تو یوں کہ ازل جگمگا اُٹھے مجھ سے
بجھوں تو یوں کی ابد تک مِرا دُھواں جائے

ابھی تو دِل سے نکل کر زباں تک آئی ہے
کسے خبر کہ کہاں تک یہ داستاں جائے؟

قدم قدم پہ ہے زنداں روش روش پہ صلیب!
کوئی تو ہو کہ جو اب بہرِ امتحاں جائے

بچھڑ چلا ہے تو میری دُعا بھی لیتا جا
وہاں وہاں مجھے پائے ' جہاں جہاں جائے!

میں اپنے گھر کی طرف جا رہا ہُوں یوں محسنؔ
کہ جیسے لُٹ کے کسی بن میں کارواں جائے

☆

اہلِ دِل جاں سے بھی گزر آئے
اب تو منزل تری نظر آئے!

آج دِل بے سبب دھڑکتا ہے
آج شاید تِری خبر آئے

فصلِ گُل کوئی معجزہ اب کے!
چاک دامن کا تا جگر آئے

دشت میں آ کے یوں لگا جیسے
کوئی پردیسی اپنے گھر آئے

بے نیازی سے بے وفائی تک
کوئی تہمت تو اُسکے سر آئے

دِل کا عالم تو ایک جیسا ہے
رات جائے کہ اب سحر آئے

دوستو اُس کی چاہتیں معلوم!
جس کا خط اتنا مختصر آئے

ہم نے محسنؔ سے مل کے کیا پایا؟
مفت میں جی اُداس کر آئے

☆

جب دھوپ مجھے پیکرِ آزار بناوے
سایا بھی مِری راہ میں دیوار بناوے

لوگوں پہ بھرم کھل بھی چکا اُس کی کشش کا
اب خود کو وہ بے سود پُراسرار بناوے

سر اپنا ہتھیلی پہ لیے سوچ رہا ہوں!
کیوں مجھ کو تماشہ تِرا بازار بناوے؟

کیوں پیڑ نہ حائل ہو رہِ موجِ ہَوا میں؟
خود موجِ ہَوا شاخ کو تلوار بناوے

ملبوس کو اِس طور سے تقسیم کریں ہم!
کچھ میرا کفن ' کچھ تِری دستار بناوے

اِک ہم کہ کسی وضع کے قائل ہی نہیں ہیں
اِک تُو کہ ہمیں صاحبِ معیار بناوے

جی ہار کے پھرتا ہے تو قاتل سے یہ کہہ دو
آ پھر دِلِ ناداں تجھے دِلدار بنوائے

آہٹ سے مرا سامعہ ' سو حشر تراشے!
تنکے کو مِرا واہمہ ' کہسار بناوے

اے دیدۂ پر خوں کوئی برسات کہ پل میں
قطرے کو گہر ' دشت کو گلزار بناوے

وہ تیرہ مقدر ہے مِری راہ کہ اکثر!
سورج کے مقابل صفِ اشجار بناوے

اِس دَور کے فنکار کی خواہش ہے کہ محسنؔ
پانی میں کبھی دائرہ پرکار بناوے

☆

ہر سُو خیالِ یار کی چادر سی تان کے
تعمیر اپنے سر پہ نیا آسمان کر

آنکھوں پہ اعتماد کرو گے تو دیکھنا
پتّھر چنو گے ریزۂ الماس جان کر

شاید وہ آسماں سے اُدھر بھی نہ مل سکے
اُس کے لیے کچھ اور بھی اُونچی اُڑان کر

اُس نے بھی جو سلوک کیا ' عادتاً کیا
ہم بھی وہاں گئے تھے ' کہا دِل کا مان کر

اپنے سوا کسے ہے خبر دردِ ہجر کی

یہ درد بھی ہماری زباں سے بیان کر

شاید اُداسیاں بھی ترا دِل لبھا سکیں
صحرا پہ میرے شہر کا اِک دن گمان کر

محسنؔ وہ شخص خواب نہیں ہے کہ محو ہو!
اُس کو غزل سمجھ ' اُسے وردِ زبان کر

☆

موجِ خوشبو کی طرح بات اُڑانے والے!
تجھ میں پہلے تو نہ تھے رنگ زمانے والے

کتنے ہیرے میری آنکھوں سے چرائے تُو نے
چند پتّھر مِری جھولی میں گرانے والے

خوں بہا اگلی بہاروں کا ترے سر تو نہیں؟
خشک ٹہنی پہ نیا پھول کِھلانے والے

آ تجھے نذر کروں اپنی ہی شہ رگ کا لہو
میرے دُشمن ' میری توقیر بڑھانے والے

آستینوں میں چھپائے ہُوئے خنجر آئے

مجھ سے یاروں کی طرح ہاتھ ملانے والے

ظلمتِ شب سے شکایت اُنہیں کیسے محسنؔ
وہ تو سورج کے تھے آئینہ دکھانے والے

☆

بکھر رہے ہیں خدوخال چار سُو میرے
مجھے تلاش نہ کر لیں کہیں عدُو میرے

میں سنگ زاد ہُوں ' سوچوں گا سامنے اُس کے
وہ آئینہ ہے تو چمکے گا رُوبرُو میرے

لکھا جو مرثیہ میں نے مزاجِ آدم کا!
تمام لفظ ہُوئے ہیں لہُو لہُو میرے

یہ ڈھلتی شام کا جادو ہے یہ فریبِ نظر؟
کہ سائے پھیلتے جاتے ہیں کُو بکُو میرے

نہیں یہ غم کہ مری حسرتوں کا خون ہُوا
خوشی تو یہ ہے کہ ساتھی ہیں سرخرُو میرے

یہ کیا کہ سارا زمانہ ہے تیرا دُشمنِ جاں؟

کچھ اپنی بات بھی کر اے بہانہ جُو میرے

میں تجھ سے مل کے خود اپنا وجود کھو بیٹھا
تمام رنگ چُرا لے گیا ہے تُو میرے

جنوں کی فصل تو محسنؔ گزر گئی لیکن
جگر کے چاک ابھی تک ہیں بے رفو میرے

☆

سورج کو دفنانے آئے
ڈھلتی شام کے لمبے سائے

دُکھ نے سکھ کا سانس لیا ہے
کاش کوئی پھر یاد نہ آئے

ایک ہے رستہ ہم دونوں کا
دیکھیں کون کہاں تک جائے؟

آج گھٹا سے خوشبو برسی!
جیسے تو زُلفیں لہرائے

کاش کوئی سمجھائے اُس کو

لیکن کون اُسے سمجھائے

روز کوئی ملنے آتا ہے
کیا کہتے ہوں گے ہمسائے؟

تجھ سے یوں بچھڑا ہوں کیسے
پتّھر سے شیشہ ٹکرائے

آج کا انساں ، سب سے ارزاں
کون اسے معبود بنائے؟

بنجر دھرتی پوچھ رہی ہے
چاند پہ کس نے شہر بسائے؟

وہ "خوشبو" کی موج ہے محسنؔ
کون اُس کی تصویر بنائے؟

☆

اگر یہ خلق بھی مقتل میں لمحہ بھر ٹھہرے
تو نام کیوں مِرے قاتل کا چارہ گر ٹھہرے؟

کسی طرح تو مٹے نارسائیوں کی خلش
کہیں تو قافلۂ شامِ بے سحر ٹھہرے!

بُرا نہ مان جو غم نے بجھا دیا مجھ کو
کہ آندھیوں میں کہاں شمعِ رہگزر ٹھہرے؟

صبا کو ہم سے عداوت ہمیں سے رُت کو گریز
بھرے چمن میں ہمیں شاخِ بے ثمر ٹھہرے

ترے فراق کے لمحوں میں دِل نے سوچا ہے
ترے وصالِ کے دن کتنے مختصر ٹھہرے!

ہمارے بعد سجایا ہے کس نے مقتل کو
عزیزو کچھ تو کہو ' ہم تو بے خبر ٹھہرے

میں شہرِ جاں کا مقدر سنوار لوں محسنؔ
وہ ماہتاب جو پل بھر کو بام پر ٹھہرے

☆

بہار کیا ' اب خزاں بھی مجھ کو گلے لگائے تو کچھ نہ پائے
میں برگِ صحرا ہُوں' یُوں بھی مجھ کو ہَوا اُڑائے تو کچھ نہ پائے

میں پستیوں میں بھی خوش بڑا ہُوں' زمیں کے ملبوس میں جڑا ہُوں
مثالِ نقش قدم پڑا ہُوں' کوئی مٹائے .... تو کچھ نہ پائے

تمام رسمیں ہی توڑ دی ہیں' کہ میں نے آنکھیں ہی پھوڑ دی ہیں
زمانہ اب مجھ کو' آئینہ بھی مِرا ' دکھائے تو کچھ نہ پائے

عجیب خواہش ہے میرے دِل میں' کبھی تُو میری صدا کو سن کر
نظر جھکائے تو خوف کھائے' نظر اُٹھائے تو کچھ نہ پائے

میں اپنی بے مائیگی چھپا کر' کواڑ اپنے کھلے رکھوں گا
کہ میرے گھر میں اُداس موسم کی شام آئے تو کچھ نہ پائے

تُو آشنا ہے نہ اجنبی ہے' ترا مِرا پیار سرسری ہے
مگر یہ کیا رسمِ دوستی ہے' تُو روٹھ جائے تو کچھ نہ پائے؟

اُسے گنوا کر پھر اُس کو پانے کا شوق دِل میں تو یوں ہے محسنؔ
کہ جیسے پانی پہ دائرہ سا .... کوئی بنائے تو کچھ نہ پائے

☆

جلا کے تُو بھی اگر آسرا نہ دے مجھ کو
یہ خوف ہے کہ ہَوا پھر بجھا نہ دے مجھ کو

میں اِس خیال سے مُڑ مُڑ کے دیکھتا ہُوں اُسے
بچھڑ کے بھی وہ کہیں پھر صدا نہ دے مجھ کو

فضائے دشت ' اگر اب میں گھر کو یاد کروں
وہ خاک اُڑے کہ ہَوا راستا نہ دے مجھ کو

اِسی خیال سے شب بھر مَیں سو نہیں سکتا
کہ خوفِ خوابِ گزشتہ جگا نہ دے مجھ کو

ترے بغیر بھی تیری طرح میں زندہ رہوں؟
یہ حوصلہ بھی ' دُعا کر خدا نہ دے مجھ کو

اُبھر رہی ہے مِرے دِل میں پستیوں کی کششِ
وہ چاند پھر سے زمیں پر گرا نہ دے مجھ کو

میں اس لیے بھی اُسے خود مناؤں گا محسؔن
کہ مجھ سے روٹھنے والا ' بُھلا نہ دے مجھ کو

☆

سکوں کے دن سے فراغت کی رات سے بھی گئے
تجھے گنوا کے بھری کائنات سے بھی گئے!

جُدا ہُوئے تھے مگر دِل کبھی نہ ٹوٹا تھا!
خفا ہُوئے تو تِرے التفات سے بھی گئے

چلے تو نیّل کی گہرائیاں تھیں آنکھوں میں
پلٹ کے آئے تو موجِ فرات سے بھی گئے

خیال تھا کی تجھے پا کے خود کو ڈھونڈیں گے
تُو مل گیا ہے تو خود اپنی ذات سے بھی گئے

بچھڑ کے خط بھی نہ لکھے اُداس یاروں نے
کبھی کبھی کی ادھوری سی بات سے بھی گئے

وہ شاخ شاخ لچکتے ہُوئے بدن محسنؔ!
مجھے تو مل نہ سکے' تیرے ہات سے بھی گئے؟

☆

خواب بکھرے ہیں سہانے کیا کیا؟
لُٹ گئے اپنے خزانے کیا کیا!

صرف اِک ترکِ تولق کے لیے!
تُو نے ڈھونڈے ہیں بہانے کیا کیا

مُڑ کے دیکھا ہی تھا ماضی کی طرف
آ ملے یار پُرانے کیا کیا!

آج دیکھی ہے جو تصویر تری
یاد آیا ہے نجانے کیا کیا!

شکر یہ اے غمِ احباب کی رات
ہم پہ گزرے ہیں زمانے کیا کیا

کس سے کہیے کی تری چاہت میں
ہم نے سوچے تھے فسانے کیا کیا

رات صحرا کی ردا پر محسنؔ
حرف لکھے تھے ہَوا نے کیا کیا

☆

وہی تھا رنگ اُداسی کا ، رہگذر جیسا
رہا ہے گھر میں بھی عالم وہی سفر جیسا

دُعائیں دے مِرے اشکوں کو شامِ ہجر کے چاند
دمک گیا تِرا چہرہ مِری سحر جیسا!

رُلا گیا مجھے تنہائیوں کی منزل پر
خلوص موجِ ہَوا کا وہ ہم سفر جیسا

کسے بتاؤں کہ اُس سے بچھڑ کے کیا گزری؟
کہاں گیا وہ مِرے غم سے بے خبر جیسا

تُو اجنبی ہے تو شاید تجھے نہ راس آئے
اُجاڑ دشت کا انداز میرے گھر جیسا

بدل گیا نہ ہو پردیس جا کے وہ محسؔن
کہ اُس کا خط بھی ملا اب کے مختصر جیسا

☆

جب سے اُس نے شہر کو چھوڑا ، ہر رستہ سنسان ہُوا
اپنا کیا ہے ، سارے شہر کا اِک جیسا نقصان ہُوا

یہ دِل ، یہ آسیب کی نگری ، مسکن سوچوں وہموں کا
سوچ رہا ہُوں اِس نگری میں تُو کب سے مہمان ہُوا؟

صحرا کی منہ زور ہوائیں ، ''اوروں'' سے منسوب ہُوئیں
مفت میں ہم آوارہ ٹھہرے ، مفت میں گھر ویران ہُوا

میرے حال پہ حیرت کیسی ، درد کے تنہا موسم میں
پتّھر بھی رو پڑتے ہیں ، انسان تو پھر انسان ہُوا

اتنی دیر میں اُجڑے دِل پر ، کتنے محشر بیت گئے
جتنی دیر میں تجھ کو پا کر ، کھونے کا اِمکان ہُوا

کل تک جس کے گرد تھا رقصاں اِک انبوہ ستاروں کا
آج اُسی کو تنہا پا کر ، میں تو بہت حیران ہُوا

اُس کے زخم چھپا کر رکھیے ، خود اُس شخص کی نظروں سے
اُس سے کیسا شکوہ کیجے ، وہ تو ابھی نادان ہُوا

جن اشکوں کی پھیکی لَو کو ہم بے کار سمجھتے تھے!
اُن اشکوں سے کتنا روشن ، اِک تاریک مکان ہُوا

یوں بھی کم آمیز تھا محسنؔ، وہ اس شہر کے لوگوں میں
لیکن میرے سامنے آ کر، اور بھی کچھ "انجان" ہُوا

☆

جتنے بھی سخنور ہیں سبھی مہر بہ لب ہیں
اے دوست ترے شہر کے آداب عجب ہیں

بے رشتۂ زنجیر ترا دَر ہے تو کیا ہے؟
ہم منظرِ عدلِ جہانگیر ہی کب ہیں؟

اے محتسبِ شہر نہیں تجھ سے شکایت
ہم خود ہی دِل و جاں کی تباہی کا سبب ہیں

یہ اہلِ وفا کون ہیں اے کوچۂ قاتل!
جاں نذرِ وفا کر کے بھی بیداد طلب ہیں

اے وارِدِ نو ہم پہ نہ کر اتنا بھروسہ
ہم لوگ بھی در یوزہ گرِ نام و نسب ہیں

اب دیکھیے کس کس پہ ترے غم کا کرم ہو؟
ورنہ تری چاہت کے گنہگار تو سب ہیں

سورج کی طرح ہم پہ مسلط ہیں کئی لوگ

یہ بات الگ ہے کہ وہ پروردۂ شب ہیں

محسنؔ ہمیں معلوم ہے ہر غم کی حقیقت!
ہم حلقۂ ماتم میں بھی مصروفِ طرب ہیں

☆

اب کیا ہُوئیں وہ صحبتیں اے دِل، وہ بزم آرائیاں؟
بکھری پڑی ہیں شہر میں ہر سُو کٹھن تنہائیاں

اب دودھ کی تاثیر بھی مٹی میں گل کر رہ گئی
اب بھائیوں سے دُشمنی کرنے لگیں ماں جائیاں

کس کس سے رکھیے دوستی، کس کس کو دُشمن جانیے!
چہروں میں گھر کر رہ گئیں، نادانیاں، دانائیاں

رستہ بتاتے ہیں مگر، آنکھوں پہ پٹّی باندھ کر!
کچھ ہمسفر کرتے ہیں یوں بھی حوصلہ افزائیاں

سورج کسی کے ہجر کا ڈھلنے میں آتا ہی نہ تھا
یادوں کی گہری رات نے زلفیں بہت بکھرائیاں

محمل سجا کر چل پڑی پگلی پرائے دیس کو!

ہنستے رہے آنسو مِرے ' روتی رہیں شہنائیاں

رشتوں کے بندھن توڑ کر ہم تم یونہی ملتے رہیں
روکا کریں گھر والیاں ' پوچھا کریں ہمسائیاں

کتنی رُتیں بیتیں مگر محسنؔ ابھی تک یاد ہیں
اِک چاندنی اوڑھے ہُوئے آنگن میں دو پرچھائیاں

☆

اجنبی شہر لگے صورتِ زنداں مجھ کو
لے چل اے موجِ ہَوا سُوئے بیاباں مجھ کو

رات آئے تو ترے درد کی رُت بھی آئے
چاند نکلے تو کرے دِل بھی پریشاں مجھ کو

میں بھی بجھنے کو ہُوں اے قتل گہِ شہر مگر
یاد رکھے گی تری شامِ غریباں مجھ کو

لوٹ آیا ہُوں نصیبِ غمِ یاراں بن کر
راس آئی نہ ہَوائے غمِ دوراں مجھ کو

تُو کہ دریا پہ برستا ہے نہ صحراؤں میں

اپنی منزل تو بتا ...... ابرِ گریزاں مجھ کو!

یوں بھی رُسوا تھی بہت خلوتِ دِل کی خواہش
تیری چاہت نے کیا اوور نمایاں مجھ کو!

اپنا گھر کتنا ہی ویراں ہو ' پھر اپنا گھر ہے
بسترِ خاک لگے تختِ سلیماں مجھ کو

جانتا ہُوں میں خدوخال کی قیمت محسؔن
آئینہ کر نہ سکے گا کبھی حیراں مجھ کو

☆

وہ صبا زادہ سہی ' صر صر بھی ہے!
سنگدل بھی ' آئینہ پیکر بھی ہے

کر رہا ہُوں طے اندھیروں کا سفر
بوجھ صدیوں کا مِرے سر پر بھی ہے

آئینے کو کیا خبر اس بھید کی!
ایک چہرہ جسم کے اندر بھی ہے

صبح کی پہلی کِرن کو کیا خبر؟

تیرے زانو پر کسی کا سر بھی ہے

پربتوں کے پار جانا ہے مجھے
ہر قدم پر اِک نئی ٹھوکر بھی ہے

منصفی آئی ہے جس کے ہاتھ میں
آستیں اُس کے لہو میں تر بھی ہے

چاند بھی اُترا ہُوا ہے جھیل میں
اِک نیا منظر پسِ منظر بھی ہے

احتیاط اے سادہ دِل محسن مرے
دوستوں کے ہاتھ میں خنجر بھی ہے

☆

اُس کو اپنے گھر کے سناٹے سے کتنا پیار تھا
وہ بظاہر کچھ نہ لگتا تھا مگر "فنکار" تھا

تجھ سے بچھڑا ہُوں تو دیکھے ہیں کئی چہرے مگر
خواہشوں کی بھیڑ میں بھی تو مرا معیار تھا

اُس کی خواہش تھی تو پی لینا تھا جامِ زہر بھی

دیکھنا بے سود تھا پھر سوچنا بے کار تھا

میرا سر نوکِ سناں پر بھی رہے سب سے بلند
میں بنی آدم کی عظمت کا علمبردار تھا

میں سفر آغاز کیا کرتا اَنا کے دشت میں
میرا سایہ راہ کی سب سے بڑی دیوار تھا

شہر بھر میں ایک ہی دُشمن نظر آیا مجھے
وہ ستمگر بھی مِرا صدیوں پُرانا یار تھا

ہم نے محسنؔ کی غزل پڑھ کر ہی جی بہلا لیا
اُس سے کیا ملتے وہ اپنے آپ سے بیزار تھا

☆

رہرو فرات کا نہ مسافر ہوں نیل کا
میں پھول ہُوں خود اا پنی لہو رنگ جھیل کا

اے شامِ بے سحر تُو مِرا احترام کر
میں آخری چراغ ہُوں تیری فصیل کا

تُو نے کہا نہ تھا کہ ’’ مِرا آئینہ ہے تُو ‘‘

میں منتظر رہا ترے عکسِ جمیل کا

شاید خدا کے گھر کی طرح دِل بھی بچ سکے
وردِ زباں ہے واقعہ " اصحابِ فیل " کا

محسنؔ بروزِ حشر نہیں خوفِ تشنگی
ساقی ہے بُو تراب اگر سلسبیل کا

☆

جذبے کو زباں دے رہا ہُوں
پتّھر کو بھی جان دے رہا ہُوں

اِک یاد کو دفن کر کے دِل میں
دُشمن کو امان دے رہا ہُوں

منصف کی مزاج جانتا ہُوں
بے سُود بیان دے رہا ہُوں

بہروپ بدل کے آندھیوں کا
ذرّوں کو اُڑان دے رہا ہُوں

چہرے پہ سجا کے خون اپنا

قاتل کا نشان دے رہا ہُوں

فصلوں کو تو بارشوں نے لُوٹا
مٹی کا لگان دے رہا ہُوں

تنہائی میں کر رہا ہُوں باتیں
دیوار کو کان دے رہا ہُوں

اِس شہر میں شعر کہہ کے محسنؔ
صحرا میں اذان دے رہا ہُوں

☆

سنگدل کتنے ترے شہر کے منظر نکلے
جن کی مہماں تھی شبِ غم ، وہی بے گھر نکلے

ایسی آنکھوں سے تو بہتر تھا کہ اندھے ہوتے
ہم جسے آئینہ سمجھیں وہی پتّھر نکلے!

دن بُرے ہوں تو گُہر پر بھی ہو کنکر کا گماں
بن پڑے بات تو صحرا بھی سمندر نکلے

آبگینوں کو جو توڑا تو وہ ٹھہرے مٹی!

سنگریزوں کو جو پرکھا تو وہ "مَر مَر" نکلے

جن کو نفرت سے ہَوا راہ میں چھوڑ آئی تھی
آسماں پر وہی ذرّے مہ و اختر نکلے

شہر والوں نے جنھیں دار کا مجرم سمجھا
وہ گنہگار محبت کے پیمبر نکلے

خوف سے موت کی ہچکی بھی اٹک جاتی ہے
اس خموشی میں کہاں کوئی سخنور نکلے؟

میری ہر سانس تھی میزانِ عدالت محسنؔ
جتنے محشر تھے مِرے جسم کے اندر نکلے!

☆

وہی قصّے ہیں وہی بات پرانی اپنی
کون سنتا ہے بھلا رام کہانی اپنی

ہر ستمگر کو یہ ہمدرد سمجھ لیتی ہے
کتنی خوش فہم ہے کم بخت جوانی اپنی

روز ملتے ہیں دریچے میں نئے پھول مجھے

چھوڑ جاتا ہے کوئی روز نشانی اپنی

تجھ سے بچھڑے ہیں تو پایا ہے بیاباں کا سکوت!
ورنہ دریاؤں سے ملتی تھی روانی اپنی!

قحطِ پندار کا موسم ہے سنہرے لوگو!
کچھ تیز کرو اب کے گرانی اپنی

دُشمنوں سے ہی غمِ دِل کا مداوا مانگیں
دوستوں نے تو کوئی بات نہ مانی اپنی

آج پھر چاند اُفق پر نہیں اُبھرا محسنؔ
آج پھر رات نہ گزرے گی سُہانی اپنی

☆

اب تو ہر اِک آن بدلتی رُت سے جی ڈرتا ہے
بے فکری کی نیند کا موسم شاید بیت گیا ہے

پیلے پتوں والے پودے کب کے اُکھڑ چکے ہیں
پت جھڑ کی اس رُت میں لیکن دِل کا پیڑ ہرا ہے

جب وہ مجھ سے چھپ کر رویا، تب یہ بات کھلی ہے

کہنے کو ہم ایک ہیں لیکن ' دکھ اپنا اپنا ہے

کون بچائے کالی ناگن رات کی زد سے اس کو؟
ڈھلتا سورج بوڑھے دن کا اِکلوتا بیٹا ہے

تُو وہ بستی بھول چکا ہے' جس کا اِک اِک باسی
پتّھر بن کر اب تک تیرا رستہ دیکھ رہا ہے

شہر اُجڑا ' گھر ویراں ٹھہرے' رستے چپ ہیں لیکن
سُوکھے پیڑ پہ اب تک تیرا میرا ''نام'' لکھا ہے

وہ ''اَنمول گُہر'' ہے اَب بھی' اُس کی بات نہ چھیڑو
ہم ہی پیار میں جھوٹے نکلے ' محسؔن وہ سچا ہے

☆

رات باقی رہے کہ ڈھل جائے؟
زندگی تُو نہ رُخ بدل جائے

سوچ کی دھوپ میں بدن اُس کا
برف جیسے پگھل پگھل جائے

کس قدر گرم ہے وجود کا لمس؟

برق چھولے تو وہ بھی جل جائے

اِس قدر محوِ رنجِ ہستی ہُوں
موت آئے تو وہ بھی ٹل جائے

پہلی پہلی محبتوں کا خمار
باتوں باتوں میں رات ڈھل جائے

اب کے دِل میں وہ درد اُترا ہے
غیر ممکن ہے آج کل جائے

زندگی خوش ہے تیرے وعدوں پر
جیسے بچے کا دِل بہل جائے

ہجر کی رات ڈھل گئی محسنؔ
اب تو دل سے کہو سنبھل جائے

☆

اس شہر میں ایسی بھی قیامت نہ ہُوئی تھی
تنہا تھے مگر خود سے تو وحشت نہ ہُوئی تھی

یہ دن ہیں کی یاروں کا بھروسا بھی نہیں ہے

وہ دن تھے کہ دُشمن سے بھی نفرت نہ ہُوئی تھی

اب سانس کا احساس بھی اِک بارِ گراں ہے
خود اپنے خلاف ایسی بغاوت نہ ہُوئی تھی

اُجڑے ہُوئے اس دِل کے ہر اِک زخم سے پوچھو!
اِس شہر میں کس کس سے محبت نہ ہُوئی تھی؟

اب تیرے قریب آ کے بھی کچھ سوچ رہا ہُوں
پہلے تجھے کھو کر بھی ندامت نہ ہُوئی تھی
ہر شام اُبھرتا تھا اِسی طور سے مہتاب
لیکن دِل وحشی کی یہ حالت نہ ہُوئی تھی

خوابوں کی ہَوا راس تھی جب تک مجھے محسنؔ
یوں جاگتے رہنا مِری عادت نہ ہُوئی تھی

☆

وہ لوگ جن کو ستاروں کی جستجو ہے بہت
اُنہی کی آبلہ پائی پہ گفتگو ہے بہت

تُو آسماں پہ شفقق در شفق گُلاب کِھلا
مِری زمیں کو مِرے جسم کا لہو ہے بہت

یہی خیال مِری زندگی کا حاصل ہے!
مجھے گنوا کے مِرا یار سرخرو ہے بہت

قدم قدم پہ کئی زاویے بدلتا ہے
تِری طرح تِرا غم بھی بہانہ جُو ہے بہت

میں جنگلوں کے گلابوں سے پیار کرتا ہُوں
وہ یوں کہ دِل میں اُجڑنے کی آرزو ہے بہت

میں کب سے آنکھ میں آنسو سجائے پھرتا ہُوں
سُنا تھا اُس کو نگینوں کی جستجو ہے بہت

مِری گلی میں اُتر اے شبِ غریب کے چاند!
میں شہر بھر میں اکیلا ہُوں مجھ کو تُو ہے بہت

یہ کہہ کے شہر سے محسن گزر گیا بادل
میں کیا کروں کہ تِری خاک بے نمو ہے بہت

☆

تجھ پر بھی فسوں دہر کا چل جائیگا آخر
دنیا کی طرح تُو بھی بدل جائے گا آخر

پھیلی ہے ہر اِک سمت حوادث کی کڑی دھوپ
پتّھر ہی سہی ' وہ بھی ' پگھل جائے گا آخر

اے میرے بدن روح کی دولت پہ نہ اِترا
یہ تیر بھی ترکش سے نکل جائے گا آخر

وہ صبح کا تارہ ہے تو پھر ماند بھی ہوگا
چڑھتا ہُوا سورج ہے تو ڈھل جائے گا آخر

دِل تجھ سے بچھڑ کر بھی کہاں جائے گا اے دوست!
یادوں کے کھلونوں سے بہل کائے گا آخر

آوارہ و بدنام ہے محسؔن تو ہمیں کیا؟
خود ٹھوکریں کھا کھا کے سنبھل جائے گا آخر

☆

ٹھہر جاؤ کہ حیرانی تو جائے
تمہاری شکل پہچانی تو جائے

شبِ غم تُو ہی مہماں بن کے آجا
ہمارے گھر کی ویرانی تو جائے

ذرا کُھل کر بھی رو لینے دو ہم کو
کہ دِل کی آگ تک پانی تو جائے

بلا سے توڑ ڈالو آئینوں کو!
کسی صورت یہ حیرانی تو جائے

ترے محتاج جینا سیکھ لیں گے
سروں سے بُوئے سلطانی تو جائے

شکستِ عہد و پیاں پر یقیں ہے
مگر دِل کی پریشانی تو جائے

نمٹ لیں گے غمِ دنیا سے محسنؔ
غمِ دِل کی فراوانی تو جائے

☆

میں کل تنہا تھا ' خلقت سو رہی تھی
مجھے خود سے بھی وحشت ہو رہی تھی

اُسے جکڑا ہُوا تھا زندگی نے!
سرہانے موت بیٹھی رو رہی تھی

کُھلا مجھ پر کہ میری خوش نصیبی!
مِرے رستے میں کانٹے بو رہی تھی

مجھے بھی نارسائی کا ثمر دے!
مجھے تیری تمنا جو رہی تھی

مِرا قاتل مِرے اندر چھپا تھا
مگر بدنام خلقت ہو رہی تھی

بغاوت کر کے خود اپنے لہو سے
غلامی داغ اپنے دھو رہی تھی

لبوں پر تھا سکوتِ مرگ لیکن
مِرے دِل میں قیامت سو رہی تھی

بجز موجِ فنا ' دنیا میں محسنؔ
ہماری جستجو کِس کو رہی تھی؟

☆

یہ کیا کہ دن کو بھی رات لکھو!
ہُنر وروٗ دِل کی بات لکھو!

میں پیاس سے جاں بہ لب ہُوں دیکھو
وہ بہہ رہا ہے فرات ، لکھو!

جلیں تو جل جائیں ہونٹ ، بولو!
کٹیں تو کٹ جائیں ہات ، لکھو!

خدا کی قدرت سمجھنے والو ......!
بشر کے بھی معجزات لکھو!

مزا تو جب ہے کہ زہر پی کر
حدیثِ آبِ حیات لکھو!

یہ جشن جو میری موت پر ہے
اسے بھی میری برات لکھو!

بہے جو آنسو بنامِ آدم!
اُسے مِری کائنات لکھو

حقیقتِ روح کچھ ہو محسنؔ
بدن کو زندانِ ذات لکھو!

☆

چاندنی جب خوف کے منظر کو عریاں کر گئی!
زندگی اپنے ہی سائے سے اچانک ڈر گئی

رات میری آنکھ میں کرنوں کا اِک سیلاب تھا
تیرا چہرہ دیکھنے سے بھی طبیعت بھر گئی

چاند کے محمل سے اُتری جب وہ شرمیلی کِرن
دُور سے دیکھا تو مَیں سمجھا کہ میرے گھر گئی

ایک پر چھائیں مِری باہوں کا آنگن چھوڑ کر
خود بھی آوارہ ہُوئی مجھ کو بھی تنہا کر گئی

میں نہ کہتا تھا نہ نکلو آئینہ خانے سے تم
اب بتاؤ تہمتِ سنگ آج کس کے سر گئی

کیوں نظر آئے مجھے محسنؔ وہاں تہمت کے داغ؟
کیوں مِری میلی نظر اُس کے لبادے پر گئی؟

☆

باغی مَیں آدمی سے نہ منکر خدا کا تھا
درپیش مسئلہ مِری اپنی اَنا کا تھا

گُم صُم کھڑا تھا ایک شجر دشتِ خوف میں
شاید وہ منتظر کسی اندھی ہَوا کا تھا

اپنے دُھویں کو چھوڑ گیا آسمان پر
بجھتے ہُوئے دیے میں غرور انتہا کا تھا

دیکھا تو وہ حسین لگا سارے شہر میں
سوچا تو وہ ذہین بھی ظالم بلا کا تھا

لہرا رہا تھا کل جو سرِ شاخِ بے لباس
دامن کا تار تھا کہ وہ پرچم صبا کا تھا؟

ورنہ مکانِ تیرہ کہاں ' چاندنی کہاں
اُس دستِ بے چراغ میں شعلہ حنا کا تھا

میں خوش ہُوا کہ لوگ اکٹھے ہیں شہر کے
باہر گلی میں شور تھا لیکن ہُوا کا تھا

اُس کو غلافِ روح میں رکھا سنبھال کر
مُحسنؔ وہ زخم بھی تو کسی آشنا کا تھا

☆

بہروپ نیا بدل رہے ہیں
ہم وقت کے ساتھ چل رہے ہیں

بے وجہ چھلک رہی ہیں آنکھیں
بے وقت چراغ جل رہے ہیں

اِس فصل میں گُل کہاں کھلیں گے؟
شاخوں پہ تو سانپ پل رہے ہیں

اے دُشمنو تم گواہ رہنا!
ہر دَور میں ہم اٹل رہے ہیں

منہ زور ہُوا ہے حبس اتنا
دریاؤں کے دِل پگھل رہے ہیں

اب ماہ و نجوم کو بھی انساں
کلیوں کی طرح مَسل رہے ہیں

اِس دَور کے زخم کھا کے محسنؔ
پتّھر بھی لہو اُگل رہے ہیں

☆

مَیں کیوں نہ ترکِ تعلق کی ابتدا کرتا
وہ دُور دیس کا باسی تھا ' کیا وفا کرتا؟

وہ میرے ضبط کا اندازہ کرنے آیا تھا
مَیں ہنس کے زخم نہ کھاتا تو اور کیا کرتا؟

ہزار آئینہ خانوں میں بھی مَیں پا نہ سکا
وہ آئینہ جو مجھے خود سے آشنا کرتا

درِ قفس پہ قیامت کا حبس تھا ورنہ
صبا سے ذکر تِرا مَیں بھی سُن لیا کرتا

مِری زمیں تُو اگر مجھ کو راس آجاتی!
مَیں رفعتوں میں تجھے آسمان سا کرتا

غمِ جہاں کی محبت لُبھا رہی تھی مجھے
مَیں کس طرح تری چاہت پہ آسرا کرتا؟

اگر زبان نہ کٹتی تو شہر میں محسنؔ
مَیں پتھروں کو بھی اِک روز ہمنوا کرتا!

☆

کچھ اپنی آنکھ بھی ہے خمارِ اَنا سے مست
کچھ ان دنوں ہے شہر کا موسم بھی ہَے پرست

صحرا میں گُل کِھلے ہیں قفس تک صبا گئی
شاید جنوں کے ہاتھ ہے گلشن کا بندوبست

اب زندگی کو منہ نہ دکھائیں گے ہم کبھی
سمجھو شکستِ سازِ نفس ' آخری شکست

اب وحشتوں کو صبر کی تلقین کیا کریں؟
دامانِ دِل دراز ہے ' صحرا ہے تنگ دست

محسنؔ کہاں ہے سود و زیاں کی خبر ہمیں؟
ہم سے نہ پوچھ مطلبِ فرقِ بلند و پست

☆

نہ پوچھ غم نے دکھائی ہیں پستیاں کیسی؟
اُجڑ گئی ہیں دِل و جاں کی بستیاں کیسی؟

کسی پہ راز درِ میکدہ کھلا کہ نہیں؟

سناؤ اب کے رہیں فاقہ مستیاں کیسی

غموں نے لُوٹ لیے ہیں عقیدتوں کے چمن
خدا بھی یاد نہیں ' بُت پرستیاں کیسی؟

فلک نے خاک کو پُرسہ دیا ہے جن کے لیے
ہُوئی ہیں زیرِ زمیں دفن ہستیاں کیسی!

تجھے گنوا کے فراغت کسے سنورنے کی؟
شراب ہی نہ ملے جب تو مستیاں کیسی

علیؑ ولی کا کرم ہے تو خوش رہو محسنؔ
کہاں کے رنج و اَلم ' تنگ دستیاں کیسی؟

☆

آنکھیں کھلی رہیں گی تو منظر بھی آئیں گے
زندہ ہے دِل تو اور ستمگر بھی آئیں گے

پہچان لو تمام فقیروں کے خدّ و خال!
کچھ لوگ شب کو بھیس بدل کر بھی آئیں گے

گہری خموش جھیل کے پانی کو یوں نہ چھیڑ!

چھینٹے اُڑے تو تیری قبا پر بھی آئیں گے

خود کو چھپا نہ شیشہ گروں کی دکان میں
شیشے چمک رہے ہیں تو پتّھر بھی آئیں گے!

اُس نے کہا "گناہ کی بستی سے مت نکل
اِک دن یہاں حسین پیمبر بھی آئیں گے

اے شہرِ یار دشت سے فرصت نہیں .... مگر
نکلے سفر پہ ہم تو ترے گھر بھی آئیں گے

محسنؔ ابھی صبا کی سخاوت پہ خوش نہ ہو
جھونکے یہی بصورتِ صرصر بھی آئیں گے

☆

گھور اندھیروں کی بستی میں جنسِ ہُنر کو عام کریں
پھر سے ہم یہ آنسو بیچیں، روشنیاں نیلام کریں

اِک دُنیا ہے دُشمن اپنی ایک زمانہ قاتل ہے
کس کس کے سے تہمت باندھیں، کس کس کو بدنام کریں؟

وہ شہرت سے ڈرنے والا، تنہا تنہا پھرتا ہے

دِل کہتا ہے ساری غزلیں' اُس کافر کے نام کریں

دُھوپ سے اُجلا روپ ہے' اُس کا' سونے جیسی صورت ہے
ہم اُجڑی تقدیروں والے' کیسے اُس کو رام کریں؟

اِک اُڑتے بادل کا سایا کب تک ساتھ نباہے گا؟
پھر بھی کچھ ستا لیں یارو' کچھ لمحے آرام کریں

دوست کہاں تک ہاتھ بٹائیں کیوں احباب کو زحمت ہو
دِل کے ہر اِک درد کو محسؔن آؤ غرقِ جام کریں

☆

صحرا کو "فرات" کہہ رہا ہُوں
کتنی بڑی بات کہہ رہا ہُوں

ہر لمحہ گزرتی زندگی کو!
ڈھلتی ہُوئی رات کہہ رہا ہُوں

اے زہرِ غمِ فراق تجھ کو!
لے' آبِ حیات کہہ رہا ہُوں

اِس دَور کی مصلحت یہی ہے

میں دن کو بھی رات کہہ رہا ہُوں

اب کون و مکان کی وسعتوں کو
اِک مجلسِ ذات کہہ رہا ہُوں

اِنسان کے ارتقاء کو محسؔن
لمحاتِ وفات کہہ رہا ہُوں

☆

امرت تری چاہت کا پیے بِن نہ رہا جائے
یہ جُرم اگر ہے تو کیے بِن نہ رہا جائے

جب ذکر ہو تسکینِ دِل و جاں کا سرِ بزم
مجھ سے تو ترا نام لیے بِن نہ رہا جائے

وہ رُت ہے کہ ہر سانس عذابِ رگِ جاں ہے
اِس پر بھی ستم یہ کہ جیے بِن نہ رہا جائے

جب جب مَیں ہَوا بن کے ترے شہر سے گزروں
دستک ترے در پر بھی دیے بن نہ رہا جائے

سایا مِری تنہائی کا دُشمن ہے سفر میں!

لیکن اِسے ہمراہ لیے بن نہ رہا جائے!

کیا موسمِ آغازِ جنوں ختم کو پہنچا؟
کیوں دامنِ صد چاک سیے بن نہ رہا جائے؟

محسؔن کوئی آنسو ہی جلاؤ سرِ مژگاں
مجھ سے تو اندھیرے میں دیے بن نہ رہا جائے

☆

دِل مرجھائے پھولوں جیسا ' چہرے پر ہریالی ہے
محسؔن وہ سُندرتا گوری کتنی بھولی بھالی ہے

ہر اِک چہرہ ایک خزانہ ہے انمول نگینوں کا
لیکن غور سے دیکھ رہا ہُوں ہر اِک آنکھ سوالی ہے

میں مدت سے سوچ رہا تھا کس کس بھید کا خون کروں؟
میرے گُم صُم لفظ چرا کر تم نے بات بنا لی ہے؟

ننگے چہرے بھوکی نظریں پیاسے ہونٹ سوال کریں
کون اس شہر کا اَن داتا ہے کون اس شہر کا والی ہے؟

اندھی آگ میں اُجلے آنکھیں جل کر راکھ نہ ہو جائیں

نیل گگن کی اور نہ تکنا بجلی گرنے والی ہے

ہر اِک راہی آنکھ میں ڈھیروں دیپ جلائے پھرتا ہے
یوں لگتا ہے جیسے شہر میں آج کی شب دیوالی ہے

جس کی اِک بات سے پھوٹیں سو سو جھرنے امرت کے
اُس نے کیوں نازک ہونٹوں پر چپ کی مُہر لگالی ہے؟

ہم فرہاد نہ تھے پر محسنؔ اُس کو راہ پہ لائے ہیں
ہم نے اُس کے پتّھر دِل سے پیار کی نہر نکالی ہے

☆

یہ ہم نے دیکھا تھا خواب پیارے، ندی کنارے
زمیں پہ اُترے تھے دو ستارے، ندی کنارے

نجانے گزرے ہیں کتنے ساون اِس آرزو میں
کبھی تو کوئی ہمیں پکارے، ندی کنارے

وہی شجر ہیں وہی ہیں سائے مگر پرائے
ہیں اپنی بستی کے رنگ سارے ندی کنارے

اُتر کے مہتاب بن گیا آئینہ کسی کا!

کسی نے بال اپنے یوں سنوارے، ندی کنارے

کبھی اِدھر سے گزر کے دیکھو تو یاد آئیں
وہ قول اپنے وچن تمہارے، ندی کنارے

کٹی ہے اِک عمر ہمنشیں کے بغیر اپنی
کوئی تو اپنی طرح گزارے، ندی کنارے

دُعائیں دیتی ہیں بانسری کی صدائیں شب کو
کبھی نہ سُوکھیں یہ سبز چارے، ندی کنارے

تمہیں نہ دیکھا تو رائیگاں رائیگاں لگے ہیں
شراب، شبنم، شفق، شرارے، ندی کنارے

تمہیں نہ پایا تو موج در موج بٹ گئے ہیں
یہ شرط ہم اس طرح سے ہارے، ندی کنارے

یہ گھر کی تنہائیاں تو محسنؔ سدا رہیں گی!
چلو، صحر کی ہَوا پکارے، ندی کنارے

☆

اب یہ خواہش ہے کہ اپنا ہمسفر کوئی ہو
جُز شبِ تنہا ' شریکِ رہگزر کوئی نہ ہو

رات کے پچھلے پہر کی خامشی کے خوف کو
اُس سے پوچھو' شہر بھر میں جس کا گھر کوئی نہ ہو

یا چراغِ کم نفس کو صبح تک جلنا سِکھا!
یا پھر ایسی شام دے جس کی سحر کوئی نہ ہو

جل رہے ہیں بام و دَر اور مطمئن بیٹھا ہُوں مَیں
گھر کی بربادی سے اتنا بے خبر کوئی نہ ہو

جستجو فن کی ' متاعِ فن بچانے کا خیال
پتھروں کے شہر میں بھی شیشہ گر کوئی نہ ہو

درد اتنا ہو کہ بول اُٹھے سکوتِ شہرِ جاں
زخم ایسا دے کہ جس کا چارہ گر کوئی نہ ہو

صحبتوں کے خواب دیکھوں رات بھر محسنؔ مگر
صبحدم آنکھیں کھلیں تو بام پر کوئی نہ ہو

☆

ریشم زلفوں ' نیلم آنکھوں والے اچھے لگتے ہیں
مَیں شاعر ہُوں مجھ کو اُجلے چہرے اچھے لگتے ہیں

تُم خود سوچو' آدھے رات کو ٹھنڈے چاند کی چھاؤں میں
تنہا راہوں پر ہم دونوں کتنے اچھے لگتے ہیں!

آخر آخر سچے قول بھی چبھتے ہیں دِل والوں کو
پہلے پہلے پیار کے جھوٹے وعدے اچھے لگتے ہیں

جب سے وہ پردیس گیا ہے شہر کی رونق روٹھ گئی
اب تو اپنے گھر کے بند دریچے اچھے لگتے ہیں

کالی رات میں جگمگ کرتے تارے کون بجھاتا ہے؟
اِس دلہن کو یہ موتی یہ گہنے ' اچھے لگتے ہیں

کل اُس رُوٹھے رُوٹھے یار کو دیکھا تو محسوس ہُوا
محسؔن اُجلے جسم پہ میلے کپڑے اچھے لگتے ہیں

☆

اِک دِیا دِل میں جلانا بھی ' بجھا بھی دینا
یاد کرنا بھی اُسے روز ' بھلا بھی دینا

کیا کہوں یہ مِری چاہت ہے کہ نفرت اُس کی؟
نام لکھنا بھی مِرا ' لکھ کے مٹا بھی دینا

پھر نہ ملنے کو بچھڑتا تو ہُوں تجھ سے لیکن؛
مُڑ کے دیکھوں تو پلٹنے کی دُعا بھی دینا

خط بھی لکھنا اُسے ' مایوس بھی رہنا اُس سے
جرم کرنا بھی مگر خود کو سزا بھی دینا

مجھ کو رسموں کا تکلف بھی گوارا لیکن
جی میں آئے تو یہ دیوار .... گِرا بھی دینا

اُس سے منسوب بھی کر لینا پُرانے قصّے؛
اُس کے بالوں میں نیا پھول سجا بھی دینا

صورتِ نقشِ قدم ' دشت میں رہنا مُحسنؔ
اپنے ہونے سے نہ ہونے کا پتا بھی دینا

☆

شہر کی دھوپ سے پوچھیں کبھی گاؤں والے
کیا ہُوئے لوگ وہ زلفوں کی گھٹاؤں والے!

اب کے بستی نظر آتی نہیں اُجڑی گلیاں؛
آؤ ڈھونڈیں کہیں درویش ' دُعاؤں والے!

سنگ زاروں میں مِرے ساتھ چلے آئے تھے
کتنے سادہ تھے وہ بِلّور سے پاؤں والے!

ہم نے ذرّوں سے تراشے تِری خاطر سورج
اب زمیں پر بھی اُتر ' زرد خلاؤں والے!

کیا چراغاں تھا محبت کا کہ بجھتا ہی نہ تھا!
کیسے موسم تھے وہ پُرشور ہواؤں والے

تُو کہاں تھا مِرے خالق ' کہ مِرے کام آتا؟
مجھ پہ ہنستے رہے پتّھر کے خداؤں والے!

ہونٹ سی کر بھی کہاں بات بنی ہے محسنؔ
خامشی کے وہی تیور ہیں صداؤں والے

☆

جب تک ترے ہمسفر رہے ہیں
ہم خود سے بھی بے خبر رہے ہیں

کیا تیرے بغیر زندگی ہے؟
کہنے کو تو دن گزر رہے ہیں

ناداں ہیں چمن کے پاسباں بھی
"خوشبو" کو اسیر کر رہے ہیں

اِس دَور میں کچھ سمجھ نہ آئے
زندہ ہیں کہ لوگ مر رہے ہیں؟

"بادل" کی طرح برسنے والے!
"دریا" کی طرح اُتر رہے ہیں

"موسم" کی طرح بدلنے والے!
پتّوں کی طرح بکھر رہے ہیں

ڈوبے تھے ہم اپنی لغزشوں سے
الزام ہوا کے سَر رہے ہیں

رودادِ حیات اُن سے پوچھو
اِک عمر جو در بدر رہے ہیں

کچھ دشت کا ذکر بھی ہواؤ!
ہم لوگ تو اب کے گھر رہے ہیں

جب تک وہ قریبِ جاں تھا محسنؔ
ہم چاند کے دوش پر رہے ہیں

☆

وہ دِل کا بُرا، نہ بے وفا تھا
بس، مجھ سے یونہی بچھڑ گیا تھا

لفظوں کی حدوں سے ماورا تھا
اب کس سے کہوں وہ شخص کیا تھا؟

وہ میرے غزل کا آئینہ تھا
ہر شخص یہ بات جانتا تھا

ہر سمت اُسی کا تذکرہ تھا
ہر دِل میں وہ جیسے بس رہا تھا

میں اُس کی "اَنا" کا آسرا تھا
وہ مجھ سے کبھی نہ روٹھتا تھا

میں دھوپ کے بن میں جل رہا تھا
وہ سایۂ ابر بن گیا تھا

میں بانجھ رُتوں کا آشنا تھا
وہ موسمِ گُل کا ذائقہ تھا

اِک بار بچھڑ کے جب ملا تھا
وہ مجھ سے لپٹ کے رو پڑا تھا

کیا کچھ نہ اُسے کہا گیا تھا؟
اُس نے تو لبوں کو سی لیا تھا

وہ چاند کا ہمسفر تھا شاید
راتوں کو تمام جاگتا تھا

ہونٹوں میں گُلوں کی نرم خوشبو
باتوں میں تو شہد گھولتا تھا

کہنے کو جدا تھا مجھ سے لیکن
وہ میرے رگوں میں گونجتا تھا

اُس نے جو کہا ' کِیا وہ دِل نے
اِنکار کا کِس میں حوصلہ تھا

یوں دِل میں تھی یاد اُس کی جیسے

مسجد میں چراغ جل رہا تھا

مت پوچھ حجاب کے قرینے
وہ مجھ سے بھی کم ہی کُھل سکا تھا

اُس دن مِرا دِل بھی تھا پریشاں
وہ بھی مِرے دِل سے کچھ خفا تھا

میں بھی تھا ڈرا ہُوا سا لیکن
رنگ اُس کا بھی کچھ اُڑا اُڑا تھا

اِک خوف سا ہجر کی رُتوں کا
دونوں پہ محیط ہو چلا تھا

اِک راہ سے میں بھی تھا گریزاں
اِک موڑ پہ وہ بھی رُک گیا تھا

اِک پل میں جھپک گئیں جو آنکھیں
منظر ہی نظر میں دوسرا تھا

سوچا تو ٹھہر گئے زمانے
دیکھا تو وہ دُور جا چکا تھا

قدموں سے زمیں سرک گئی تھی

سورج کا بھی رنگ سانولا تھا

چلتے ہُوئے لوگ رُک گئے تھے
ٹھہرا ہُوا شہر گھومتا تھا

سہمے ہُوئے پیڑ کانپتے تھے
پتّوں میں ہَراس رینگتا تھا

رکھتا تھا مَیں جس میں خواب اپنے
وہ کانچ کا گھر چٹخ گیا تھا

ہم دونوں کا دُکھ تھا ایک جیسا
احساس مگر جُدا جُدا تھا

کل شب وہ ملا تھا دوستوں کو
کہتے ہیں اُداس لگ رہا تھا

محسنؔ یہ غزل ہی کہہ رہی ہے
شاید ترا دِل دُکھا ہُوا تھا

☆

جو مقتلوں کو چلے تھے دلاوروں کی طرح
بچھڑ گئے کہیں رستے میں رہبروں کی طرح

جنہیں غرورِ زرِ آگہی بہت تھا ' وہ لوگ
تری تلاش میں نکلے گداگروں کی طرح

مِرے قبیلۂ سرکش کا تاجور ہے وہ شخص
بڑھے جو دار کی جانب پیمبروں کی طرح

ترے بغیر فضا میں بکھرتا جاتا ہُوں
بچھڑتی کونج کے ٹوٹے ہُوئے پروں کی طرح

نہ گفتہ لفظ مِرے دِل میں ڈھونڈتے ہیں اماں
فشار جنگ میں کٹتے ہُوئے سروں کی طرح

جو تشنگی مِری آنکھوں کی جان لے تو کہوں
یہ دِل کہ گونج رہا ہے سمندروں کی طرح

نہ پوچھ وقت کی غارت گری مِرے محسنؔ
اُجڑ گئے کئی چہرے ' لٹے گھروں کی طرح

☆

یہ خوف دِل میں نگاہ میں اضطراب کیوں ہے؟
طلوعِ محشر سے پیشتر یہ عذاب کیوں ہے

کبھی تو بدلے یہ ماتمی رُت اُداسیوں کی!
مِری نگاہوں میں ایک سا شہرِ خواب کیوں ہے

کبھی کبھی تیری بے نیازی سے خوف کھا کر
میں سوچتا ہُوں کہ تُو مِرا انتخاب کیوں ہے؟

فلک پہ بکھری سیاہیاں اب بھی سوچتی ہیں
زمیں کے سر پہ یہ چادرِ آفتاب کیوں ہے

ترس گئے میرے آئینے اُس کے خال و خد کو
وہ آدمی ہے تو اس قدر لاجواب کیوں ہے؟

اُسے گنوا کر پھر اُس کو پانے کا شوق کیسا؟
گناہ کر کے بھی انتظارِ ثواب کیوں ہے

ترے لیے اُس کی رحمتِ بے کنار کیسی؟
مِرے لیے اُس کی رنجش بے حساب کیوں ہے؟

اُسے تو محسنؔ بلا کی نفرت تھی شاعروں سے
پھر اُس کے ہاتھوں میں شاعری کی کتاب کیوں ہے؟

☆

ہوس تو ہے کہ بلندی پہ تیرا گھر دیکھوں
نظر اُٹھاؤں تو اپنے شکستہ "پر" دیکھوں

ترے قریب سہی ، مضطرب ہے دِل کتنا
ہَوا کی چاپ جو اُبھرے تو "سوئے دَر" دیکھوں

کسی طرح تو یہ تنہائیوں کا کرب کٹے
بلا سے اپنے ہی سائے کو ہمسفر دیکھوں

کچھ اس لیے بھی اندھیروں نے ڈس لیا مجھ کو
مجھے یہ شوق تھا رنگِ رخِ سحر دیکھوں

وہ لمس وہم سہی اُس سے دِل تو بہلاؤں
وہ جسم خواب سہی اُس کو عمر بھر دیکھوں

میں لُٹ چکا مِرے رہزن بھی گُم ہُوئے لیکن
یہ کیسا خوف ہے پھر بھی اِدھر اُدھر دیکھوں

ہوائے شامِ سفر یہ سفر کہاں کا ہے؟
کہ ہر قدم پہ نیا رنگِ رہگزر دیکھوں

فرازِ عرش نہیں گر تو شاخِ دار سہی
کسی طرح تو بلندی پہ اپنا سر دیکھوں

گنوا دیا انہیں اب اُن کی یاد کیوں آئے؟
میں دوستوں سے یہ رشتہ بھی توڑ کر دیکھوں

دُھواں دُھواں مِری سانسیں ہیں زخم زخم بدن
خیال تھا کبھی اخلاصِ چارہ گر دیکھوں

وہ کُنجِ لب ہو اگر "وا" مِرے لیے محسنؔ
بقولِ دردؔ ☆ میں سو سو طرح سے مر دیکھوں

☆

اب کوئی نہیں بہرِ تماشا سرِ مقتل
جُز قاتلِ جاں ، وہ بھی ہے تنہا سرِ مقتل

اس شہر میں جب قحط پڑا دِل ززدگاں کا،
کیا کیا نہ اُڑی خاکِ تمنا ، سرِ مقتل

ہم تھے تو اُجالوں کا بھرم بھی تھا ہمیں سے
کہتے ہیں کہ پھر چاند نہ اُبھرا سرِ مقتل

قاتل کی جبیں شرم سے پیوستِ زمیں ہے
کس دھج سے مِرا قافلہ اُترا سرِ مقتل

میں دار پہ ، سایا مِرا دُشمن کی صفوں میں

دِل کتنے عجب کرب سے گزرا سرِ مقتل

لے دے کے کہیں ایک پیمبر ہُوا مصلوب
کہنے کو تو کل شور تھا کتنا سرِ مقتل

جس نے صفِ یاراں سے کئی تیر چلائے!
پہچان لیا میں نے وہ چہرہ سرِ مقتل

اِک پل کو تو بجھتی ہُوئی آنکھیں چمک اُٹھیں
اِک پل کو تو وہ شخص بھی آیا سرِ مقتل

مشکل ہے کہ پہچان سکوں تیرے خدوخال
پھیلا ہے نگاہوں میں اندھیرا سرِ مقتل

سر لے کے ہتھیلی پہ جو تُو بھی نِکل آتا،
محسنؔ میں قصیدہ ترا لکھتا سرِ مقتل

☆

سو بھی جاؤں تو ہر اِک خواب بُرا ہی دیکھوں
میں کن آنکھوں سے دِل و جاں کی تباہی دیکھوں

دِل یہ چاہے ہے کہ پلٹ جاؤں خود اپنے گھر کو
جب بھی منزل بے بھٹکتے ہُوئے راہی دیکھوں

تُو سحر ہے تو اُفق سے کوئی سورج بھی نکال
میں کہاں تک تیرے ماتھے کی سیاہی دیکھوں

جرمِ ناکردہ گناہی کی سزا یہ ہے کہ مَیں
اپنی سوچوں کو بھی زنجیر بپا ہی دیکھوں

بارہا ترکِ تعلق پہ یہ سوچا مَیں نے
تجھ کو ڈھونڈوں ' ترِی افسردہ نگاہی دیکھوں

وہ بھی کیا شخص ہے کھلتا ہی نہیں بھید اُس کا
جب بھی دیکھوں اُسے دنیا سے خفا ہی دیکھوں

کس سے پوچھوں میں پتہ اپنے پرانے گھر کا
اجنبی شہر میں ہر شخص نیا ہی دیکھوں

وسعتِ دشت کی تنہائی سے ڈر لگتا ہے
کوئی رہرو نہیں ' نقشِ کفِ پا ہی دیکھوں

میرے ساتھی تو مِری صف سے الگ ٹھہرے ہیں
اپنے حق میں کسی دُشمن کی گواہی دیکھوں

میرے محسنؔ ترا معیارِ نظر کچھ بھی سہی!
میں تو انسان کے پیکر میں خدا ہی دیکھوں

☆

گِلا نہیں کوئی تجھ سے جو تُو دکھائی نہ دے
وہ تیرگی ہے کہ کچھ بھی مجھے سجھائی نہ دے

بُھلا دے اے مِرے گھر کی اُداس رات مجھے
کہ وحشتِ سرِ صحرا مجھے رہائی نہ دے

ترے وصال کی صبحوں کا رنگ کیا ہوگا؟
یہ سوچنے کی فراغت شبِ جدائی نہ دے

ترا وجود اگر ہے تو اب نقاب اُٹھا
میں تھک گیا ہُوں مجھے زخمِ نارسائی نہ دے

میں جھوٹ بول رہا ہُوں کہ معتبر ٹھہروں
جو سچ کہوں تو زمانہ مِری صفائی نہ دے

رگوں سے خون جو پُھوٹے تو کوئی خط لکھوں
کہ میری آنکھ تو لکھنے کو روشنائی نہ دے

مِری زباں پہ تِری مصلحت کے پہرے ہیں
مِرے خدا مجھے الزامِ بے نوائی نہ دے

کوئی بھی دُشمنِ جاں ہو مجھے قبول مگر!
میں اپنے مصر کا یوسف ہوں مجھ کو بھائی نہ دے

سکوتِ دشت کی ہیبت ہے یا خموشیِ مرگ
خود اپنی چیخ بھی محسنؔ مجھے سُنائی نہ دے

☆

کہنے کو تو گزرے کئی طوفان بھی سر سے
ہم لوگ مگر شہر میں رونے کو بھی ترسے

لفظوں کے غلافوں میں چھپاؤں اُسے کب تک؟
بجلی ہے تو ٹُوٹے، کوئی بادل ہے تو برسے!

لشکر مہ و انجم کا کہاں دفن ہُوا ہے
فرصت ہو تو پوچھوں کبھی گلنار سحر سے

اِک پل کو رُکا دیدۂ پُرنم تو میں سمجھا!
جیسے پلٹ آیا ہُوں سمندر کے سفر سے

کچھ دیر ٹھہر جا ابھی اے موجِ تلاطم
ٹوٹی ہُوئی کشتی کو اُلجھنے دے بھنور سے

اس جنس کا گاہک کوئی ملتا نہیں ورنہ
اس دَور میں سستا ہے بشر، لعل و گُہر سے

ہمسائے کے گھر کون مقیّد تھا کہ شب بھر

رہ رہ کے ہوا سر کو پٹختی رہی دَر سے

اِن تیز ہَواؤں میں کہاں جاؤ گے محسنؔ
راتوں کو تو پاگل بھی نکلتے نہیں گھر سے

قطعاتِ محسن

سیّد محسن نقوی کے غزل اور نظم کے قادرالکلام شاعر ہونے کے بارے میں دو آراء نہیں ہو سکتیں۔ محسن کی نثر جو اُن کے شعری مجموعوں کے دیباچوں کی شکل میں محفوظ ہو چکی ہے بلاشبہ تخلیق تحریروں کی صفِ اوّل میں شمار کی جا سکتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک اور صنفِ سخن یعنی قطعہ نگاری کے بھی بادشاہ ہیں۔ اِن کے قطعات کے مجموعے "ردائے خواب" کو ان کے دیگر شعری مجموعوں کی طرح بے حد پذیرائی حاصل ہوئی۔ نقادانِ فن نے اسے قطعہ نگاری میں ایک نئے باب کا اِضافہ قرار دیا۔ مذہبی نوعیت کے قطعات "میراثِ محسن" میں پہلے ہی درج کئے جا چکے ہیں۔ محسن نے اخبارات کے لئے جو قطعات لکھے ان کی زیادہ تر نوعیت سیاسی تھی لیکن ان کا لکھنے والا بہر حال محسن تھا چنانچہ ان قطعات کا ایک انتخاب محسن کے پرستاروں کے لئے نوشۂ خاص کی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے۔

خالد شریف

ردائے خواب

مجھے کسی سے محبت نہیں کسی کے سوا
میں ہر کسی سے محبت کروں کسی کے لیے

محسن نقوی

ردائے خواب

انتساب

ناراض دوستوں کے نام.....

مجھے کسی سے محبت نہیں کسی کے سوا
میں ہر کسی سے محبت کروں کسی کے لیے

بَرگِ صحرا سے رَدائے خواب، تک میں محسؔن شریکِ سفر ہوں۔مجھے دیدہ زیب کتابوں کی اشاعت کا جنون ہے اور محسؔن کو اپنے فن کو نکھارنے اور سنوارنے کی لگن۔! اُس کے چاہنے والوں اور اُس سے چاہے جانے والوں کے لیے معذرت کے ساتھ اطلاع کہ اُس کا سچا عشق،صرف شاعری ہے۔

ع کسے کہ کُشتہ نشد از قبیلہء مانیست

خالد شریف

ردائے خواب

" نگارِ وقتاب اسے لہو سے کیا چمن کریں " ؟

یہ دستِ جاں کہ ہانپتا رہا سراب اوڑھ کر

لہُو کے حرفِ نرم کی تپش سے مَت جگا اِسے

یہ دِل تو کب کا سو چُکا " ردائے خواب" اوڑھ کر

محسن نقوی

لاہور ۱۲ستمبر ۱۹۸۵ء

اک بات ادھوری سی

مُجھے چاندنی میں نہائے ہُوئے صحرا کے سینے پر ہَوا کی تحریر پڑھنے کا شوق ہے...... میں ویران راستوں میں چُپ چاپ سفر کرتے ہُوئے اُونٹوں کی قطاروں کی مطمئن مسافت کی علامت سمجھتا ہوں.....

مُجھے ویران پگڈنڈیوں پر چھتناروں کے سائے میں بانسری کی تان اُٹھاتے ہوئے جوانوں کی آنکھوں میں گُھلتے خواب گُلابوں کی رُت سے بھی زیادہ مدُھر لگتے ہیں...... مُجھے گاؤں کی سوہنیاں، تھل کی سَسیاں اور چناب کی ہیریں آج بھی داستانئِ عِشق کے کرداروں کی طرح دِلچسپ اور دِلکش دِکھائی دیتی ہیں .....

کبھی کبھی میرا جی چاہتا ہے کہ میں کوئی ایسی بستی بساؤں جس میں آسمان اور سمندر کے درمیان فاختاؤں کے پُرسکون پھڑ پھڑاہٹ کے علاوہ کُچھ سنائی نہ دے.... میرا آدرش مُحبت اور ماٹو امن ہے، زندگی اتنی مختصر ہے، کہ اس میں جی بھر کے مُحبت کرنے کی مہلت بھی نہیں مِلتی، خُدا جانے لوگ نفرت کرنے کے لیے وقت کہاں سے بچا لیتے ہیں؟

اور پھر مُجھے تو ہنستے بسے کچّے مکانوں کے آنگنوں میں جلتے ہُوئے چولہوں سے اُٹھتا ہُوا دُھواں بارود کے دُھویں سے زیادہ عزیز ہے۔

آج وقت کم ہے، (بہت کم)..... سوچنے، پڑھنے اور لکھنے کے لیے جتنی فرصت چاہئیے..... وہ موجِ فُرات کی طرح کمیاب ہے۔ ایسے میں طویل بات کرنے سے سامع اُکتا جاتا ہے.... اور داستان گوئی یُوں بھی پُرانے زمانوں کی بات لگتی ہے۔ "ردائے خواب" میرے مختصر قطعات کا مجموعہ ہے۔ جس میں اُدھوری باتیں، نامکمل مُلاقاتیں، ٹوٹتے بکھرتے خواب، اور چُبھتی چُبھتی خواہش ہیں...... میں نے کوشش کی ہے کہ اِن قطعات کی زبان آسان اور مفہوم ابہام سے مبّرا رہے۔ تاکہ آپ کی سماعت ایک لمحے کو بھی تھکن محسوس نہ کرنے، اور نہ ہی "ردائے خواب" پڑھنے کے لئے آپ اپنے مصروف ترین وقت سے طویل فرصت طلب کریں۔

جہاں تک اِن قطعات کے معیار کا تعلق ہے میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ کہاں تک آپ کی تشفّی کر سکیں گے،

لیکن اِتنا ضرور ہے کہ اپنے محسوسات کے لئے میں نے کبھی بھی ناروا پابندی قبول نہیں کی جو کچھ محسوس کرتا ہوں، بے دھڑک کہنے کی عادت میں ہمیشہ مُبتلا رہتا ہوں۔ آپ چاہیں تو اس کے خلاف بھی فیصلہ دے سکتے ہیں۔

میں آپ کی رائے کا احترام کروں گا (اور آپ کی رائے مجھے اپنے "ہونے" کا یقین بھی تو بخشے گی)۔

"ردائے خواب" ایک مسافر کی "خُود کلامی" ہے، جو دِن بھر خوب بُنتا ہے، خواہشوں کے ریزے چُنتا اور پلکوں پر سجا کر اپنی ذات کے صحرا میں خیالوں کا خیمہ نصب کر کے سو جاتا ہے۔

ی خُود کلامی اگر آپ کی خواہشوں، خوابوں اور خراشوں کی دُھندلی سی تصویر ثابت ہو تو میری کامیاب کوشش ہو گی ورنہ خُود کلامی پر پہرہ تو نہیں بٹھایا جا سکتا۔

"ردائے خواب" کے قطعات کی تخلیق میں بہت سے دوستوں کی خواہش اور تقاضوں کا ہاتھ بھی ہے۔ اِس لئے اِس کی اشاعت بھی اُنہی دوستوں کی مرہونِ احسان ہے جن میں کُچھ میرے حقیقی مُحسن ہیں اور کُچھ کی رنجشِ بے جا میرے شُکریئے کی مستحق ہے۔ بہر صُورت دونوں صُورتوں میں مُجھے سُکون نصیب ہُوا ہے...... کیونکہ میں ملامتِ صفِ دُشمناں اور رنجِ کم ظرفیِ دوستاں، دونوں سے بے نیاز ہو کر زندگی صَرف کرنے کا عادی ہوں۔

محسن نقوی

۲۸ مارچ ۱۹۸۵ء لاہور

میں اور وہ!

اُس نے جِس راہ کو لہو بخشا
میں بھی اُس راہ کا مُسافر تھا
وہ سرِدار میں سرِ مقتل
وہ پیمبر تھا اور میں شاعر تھا

جیسے!

اب کے تُو اس طرح سے یاد آیا
جِس طرح دشت میں گھنے سائے
جیسے دُھند لے سے آئینے کے نقوش
جیسے صدیوں کی بات یاد آئے

بعض اوقات!

موسمِ غم ہے مہرباں اب کے
ہم پہ تنہائیوں کا سایا ہے
بعض اوقات رات یُوں گزری،
تُو بھی کم کم ہی یاد آیا ہے

عظمت آدم!

عِشق، منزل کے رُخ کا غازہ ہے
عقل، رستے کو صاف کرتی ہے
زندگی پر جو لوگ چھا جائیں
مَوت اُن کا طواف کرتی ہے

احساس

کیا بتاؤں کہ رُوٹھ کر تُجھ سے
آج تک تجربوں میں کھو یا ہُوں
تُو مجھے بُھول کر بھی خُوش ہوگا
میں تُجھے یاد کر کے رویا ہُوں

قُربت

مَیں سجاتا ہوں پیاس ہونٹوں پر
تُم گھٹا بن کے دِل پہ چھا جاؤں !
اے رگِ جاں میں گونجنے والو!!
اور بھی کُچھ قریب آجاؤ !!!

غیرتِ جاں!

ہم نے سچ بولنے کی جرات کی
تیرے بارے میں اور کیا کہتے
غیرتِ جاں کی بات تھی ورنہ
ہم ترے سامنے بھی چُپ رہتے

یادش بخیر!

جو کبھی زندگی کا محور تھے!
کاش اب بھی وہ دوست کہلاتے
جو بُھلائے نہ جارہے تھے کبھی!
اب وہی یاد بھی نہیں آتے

عذاب

جب ہواس چار سُو بکھر جائے
آدمی امن کو ترستا ہے
جب زمیں تیرگی سے اَٹ جائے
آسماں سے لہو برستا ہے

ہم وہ تاجر ہیں

جی میں آئی تو بیچ کر شیشے!
شُعلہء جامِ جم خریدیں گے
ہم وہ تاجر ہیں جو سرِ محفل
قہقہے دے کے غم خریدیں گے

اختلاف

تُو وہ کج بیں کہ تُجھ کو منزل پر
رہگذاروں کے بَل دکھائی دیں
میں وہ خوش فہم ہوں کہ مُجھ کو سدا
آبلے بھی کنول دکھائی دیں!

ہم

صِرف ہاجائی پَن کی بات نہیں
اب ہمیں لوگ کیا نہیں کہتے!
اس قدر ظلم سہہ کے بھی اے دوست
ہم تجھے بے وفا نہیں کہتے

حبس

غم کو زُلفوں کا بَل نہیں کہتا
زخمِ جاں کو کنول نہیں کہتا
وہ جو اِک پَل کو رُوٹھ جاتا ہے
مدّتوں میں غزل نہیں کہتا

تنبیہ

سُن لو جہان بھر کی جگر دار گردشو!
کہہ دو ہوائے دہر کی رفتار ٹوک کر
میں سو رہا ہوں زیرِ زمیں اس کی تاک میں
گُزرے اِدھر سے میرا عدو سانس روک کر

کتھارسس

چند لمحے جو غم کو ٹل آئے
کِتنے بخت و خُوش خیال آئے
لوگ یُوں مطمئن سے ہیں جیسے
آسماں پر کمند ڈال آئے

سُہاگن

خواہشوں کی جوان دیوی ہے
وحشیوں کے نگر کی ناگن ہے
بانجھ دھرتی کی ہچکیوں پہ نہ جا
زندگی تُو سَدا سُہاگن ہے

ضُرورت

فِکر کی ہر کَسک شعُوری ہے
عقل کی ہَر ادا ادُھوری ہے
دِل کی دُنیا سنوارنے کے لئے
عِشق کرنا بہت ضروری ہے

تضاد

سیرتیں بے قیاس ہوتی ہیں
صُورتیں، غم شناس ہوتی ہیں
جِن کے ہونٹوں پہ مُسکراہٹ ہو
اُن کی آنکھیں اُداس ہوتی ہیں

باز گشت

سُکوتِ شامِ غریباں میں سُن سکو تو سُنو!
کہ مقتلوں سے ابھی تک صدائیں آتی ہیں
لہُو سے جِن کو منوّر کرے دماغِ بشر،
ہوائیں ایسے چراغوں سے خَوف کھاتی ہیں

یا کہیں.....؟

جو مِری یادوں سے زِندہ تھا کبھی
مدّتوں سے اُس کا خط آیا نہیں
میں مگر کہتا ہُوں اپنے آپ سے
وہ بہت مصروف ہوگا ۔ یا کہیں . . . . ؟

سلامی

سِتارے چُومتے ہیں گردِ پا کو
خراجِ خُود کلامی لے رہی ہے
وہ رَستے میں کھڑی ہے یُوں کہ جیسے
دو عالَم کی سَلامی لے رہی ہے

تلاشِ امن

غم کے غُبار میں ہیں سِتارے اَٹے ہُوئے
خواہش کی کرچیوں میں ہیں چہرے بٹے ہُوئے
اَب کیا تلاشِ اَمن میں نکلیں کہ ہر طرف
مُدّت سے فاختاؤں کے ہیں پر کٹے ہُوئے

نصیب

جَوانی کے کٹھن رستوں پہ ہَر سُو
فریبِ آرزُو کھانا پڑے گا!
بچھڑ جاؤ، مگر یہ سوچ لینا
تمھیں اِک روز پچھتانا پڑے گا

عادی!

دفن ہیں مُجھ میں شورشیں کتنی
دِل کی صُورت خموش وادی ہُوں
شوق سے ترکِ دوستی کرلے
مَیں تری نفرتوں کا عادی ہُوں

چاک داماں!

اِک فسانہ ہے زندگی لیکن
کتنے عنواں ہیں اس فسانے کے
چاکِ داماں کی خیر ہو یا ربّ
ہاتھ گُستاخ ہیں زمانے کے

ماتمی رُت

ماتمی رُت کا راج ہے ہَر سُو
پُھول مُرجھا گئے ہیں سہروں کے
اِک ترے غم کی روشنی کے سِوا
بُجھ گئے سَب چراغ چہروں کے

وِیرانی

شہر کے سب لوگ ٹھہرے اجنبی
زِندگی تُو کب مُجھے راس آئے گی
اَب تو صَحرا میں بھی جی لگتا نہیں
دِل کی ویرانی کہاں لے جائیگی؟

سچ تو یہ ہے!

سَب فَسانے ہیں دُنیا داری کے
کِس نے کِس کا سُکون لُوٹا ہے؟
سَچ تو یہ ہے کہ اِس زمانے میں
میں بھی جُھوٹا ہُوں تُو بھی جُھوٹا ہے

ماتم

اُڑ گیا رنگ رہگزاروں کا
قافلہ بُجھ گیا چناروں کا
اَوڑھ کر زرد موسموں کی رِدا
آؤ ماتم کریں بہاروں کا

قحط

بھنور نے کاٹ دیئے سِلسلے کِناروں کے
خزاں نے رنگ چُرا ہی لئے بہاروں کے
عجیب قحط پڑا ہے کہ پیٹ بھرنے کو
میں راز بیچتا پھرتا ہُوں اپنے یاروں کے

اُفق کا چہرہ...؟

کہاں ہے اَرض و سَما کا خالق کہ چاہتوں کی رگیں کُریدے!
ہَوس کی سُرخی رُخِ بَشر کا حَسین غازہ بنی ہُوئی ہے
کوئی مَسیحا اِدھر بھی دیکھے، کوئی تو چارہ گری کو اُترے
اُفق کا چہرہ لُہو میں تَر ہے، زمیں جنازہ بنی ہُوئی ہے

تشنگی

وہ کہ جلتی رُتوں کا بادل تھا،
کیا خبر کب رس گیا ہوگا؟
لیکن اندر کی آگ میں جل کر
اُس کا چہرہ جُھلس گیا ہوگا

خمیازہ

ہمارے دِل نے بھی محفل سجائی ہے کیا کیا!
حیات ہم پہ مگر مُسکرائی ہے کیا کیا!
ہَوائے گردشِ دوراں کے ایک جھونکے سے
تمہاری یاد کی لَو تھرتھرائی ہے کیا کیا!

سانولی

کیا جانے کب سے دُھوپ میں بیٹھی تھی سانولی؟
اُبھری ہُوئی اَنا کی شِکن سی جَبِین پر
دیکھا فضا میں اُڑتے پرندوں کو ایک بار
پھر کھینچنے لگی وہ لکیریں زمین پر

قرض

اپنے ہمسائے کے چراغوں سے
بام و دَر کو سنوار لیتا ہُوں
اِتنا مُفلس کیا اندھیروں نے
روشنی تک اُدھار لیتا ہُوں

اور ہم

بارہا خُود سے ہر داستاں کہہ گئے
لفظ آنسُو بنے، آنکھ سے بہہ گئے
لوگ جاں سے گذرتے رہے اور ہم
خُودکشی کے لئے سوچتے رہ گئے

جہیز

اُس کو تھے راس بھیگتی پلکوں کے ذائقے،
دریا رَواں تھے اُس کے دِل حشر خیز میں
کرتی تھی بے دریغ اُنہیں خرچ اس لئے
لائی تھی اپنے ساتھ وہ آنسو جہیز میں

قرینہ

دَور کے چاند کی کرنوں میں نہایا ہوں کہ یُوں
میرے ماتھے پہ مُحبت کا پَسینہ آئے
اِس لے ٹُوٹ کے رویا ہوں میں اکثر محسنؔ
مُجھ کو دِل کھول کر ہنسنے کا قرینہ آئے

خراج

آنکھوں میں بَھر کے سَادہ مُحبت کی ڈوریاں
مُٹّھی میں بند کرکے دِل و جاں کی چوریاں
دَھرتی کو لُوٹتی ہیں تبسُم کی اَوٹ سے
چالاک کِس قدر ہیں یہ گاؤں کی گوریاں

خُود بھی.....؟

خُود بھی اُترا ہے آسمانوں سے
مُجھ کو پستی میں ڈالنے کے لئے
خُود بھی بدنام ہوگیا کوئی؟
مُجھ پہ تہمت اُچھالنے کے لئے

وِصال

دُور تک وَادیاں ہیں پُھولوں کی
میری آنکھوں میں عکس تیرا ہے
چاند گُھلنے لگا ہے پانی میں
ہَر طرف سانولا سویرا ہے

بُزدل

یوُں تو محفل میں جانِ محفل تھا
رہگُزر میں چراغِ منزل تھا
دل کی باتیں نہ کہہ سکا تُجھ سے
تیرا شاعرِ غضَب کا " بُزدل " تھا

وارث

اَے زمیں کے عظیم اِنسانو!
بھید پاؤ کبھی اُڑانوں کا!!
تُم تو دَھرتی سنوار لو گے مگر
کون وارِث ہے آسمانوں کا

پیشن گوئی

گر یہی حبس ہے تو دَھرتی پر
تشنہ لَب لوگ دُھوپ چاٹیں گے
گر یہی قحط ہے تو دہقاں بھی!
پیاس بوئیں گے، بُھوک کاٹیں گے

خواب

دَرد یُوں بے حِساب لگتا ہے
مُسکرانا عذاب لگتا ہے
جِس میں اُڑتے تھے قہقہے اپنے
اَب وہ ماحَول خواب لگتا ہے

مصلحت

ہاتھوں میں دوستی کی لکیریں سَجا کے مِل
آنکھوں میں احتیاط کی شمعیں جَلا کے مِل
دِل میں کدورتیں ہیں تو ہوتی رہیں مگر
بازار میں مِلا ہے ذرا مُسکرا کے مِل

اصُول

زِندگانی کی کی کچھ اَدائی پر
تبصرے سب فضول ہوتے ہیں
اپنی اپنی بساط ہے سب کی
اپنے اپنے اصُول ہوتے ہیں

اختیار

ہم تبسُم سجا کے ہونٹوں پر
غَم بقدرِ مزاج لیتے ہیں
جیس ہنستے دِیے مزاروں کے
آندھیوں سے خِراج لیتے ہیں

حواس

شُعلہء گُل سے چَمن جَلتا ہے
شہر کے شور سے بَن جلتا ہے
اَب " گھٹا " دِل کو گھٹا دیتی ہے
اَبر تن جائے تو تَن جَلتا ہے

اہتمام

بُجھتی نبضیں اُبھارتے رہنا
دِل کا عالَم نِکھارتے رہنا
اِک نظر دیکھ لو زمانے کو
پھر یہ زُلفیں سَوانتے رہنا

چوری چوری

چند کپڑے ہیں سادہ گھٹڑی میں
چند زیور چُھپا کے لائی ہے
ایک " پگلی " " پیا " سے مِلنے کو
ھِیر کے مقبرے میں آئی ہے

گواہی

کون رَوتا ہے تمہارے ہجر میں ؟
ڈُوبتے دِل کی صَدا سے پُوچھنا
کون پِھرتا ہے گلی میں رات بھر؟
دستکیں دیتی ہوا سے پُوچھنا

آمد

وہ تَشبیہیں پہن کر آرہی ہے
حقیقت بَر محل کہنا پڑے گی
خِراج اَب اور کیا دینا ہے اُس کو
مُجھے تازہ " غزل " کہنا پڑے گی!

اُداسی

وقفِ خوف و ہراس لگتا ہے
دِل، مصائب شناس لگتا ہے
تُو جو اَوجھل ہُوا نگاہوں سے
شہر سارا اُداس لگتا ہے،

لفظ

اِن کو دِل میں سنبھال کر رکھو!
اِن کو سَوچو بہت قرینوں سے
چند سانسوں سے ٹُوٹ جاتے ہیں
" لفظ " نازک ہیں آبگینوں سے

طعنے

سَنو لا گئے ہیں رنگ رُخِ ماہتاب کے
مُرجھا گئے کلائی میں گجرے گُلاب کے
اَب کے برس بھی تُو جو نہ آیا تو دیکھنا
مُجھ کو تو مار ڈالیں کے طعنے چناب کے

آدمیت

تُم، کہ عُہدوں پہ جان دیتے ہو
ہَم پہ بھی اعتبار کر دیکھو،
آدمیّت بھی ایک مَنصب ہے،
آدمی سے بھی پیار کر دیکھو!!

ان دنوں

آنکھوں میں آنسوؤں کی حِنا سی ہے اِن دِنوں
دِل کو بھی شوقِ دَرد شناسی ہے اِن دِنوں
گر ہو سکے تو آ کہ مری جاں ترے بغیر!
ماحول میں شدِید اُداسی ہے اِن دِنوں

لَوّ مَیرج

LOVE MARRIAGE

تُجھ کو تو مِل گیا ترا دِلدارِ جاں نواز!
پِھر کیوں ترا وجود رہینِ ہَراس ہے
پِھر شرمسار کیوں ہے یہ جوڑا سُہاگ کا
پِھر کِس لئے یہ سُرخ دوپٹّہ اُداس ہے

ایک خط

نَرم کردیتی ہیں دِل کو دُوریاں
نَفرتیں بھی کھیلتی ہیں پیار سے
اَجنبی بن کر جو ملتا تھا کبھی
اُس کا خَط آیا سمندر پار سے

دُنیا

یہ سِتمگر یہ دِلنشیں دُنیا
سَب کو لگتی ہے مہ جبیں دُنیا
میری آنکھیں غریب ہیں ورنہ
اِس قدر قیمتی نہیں دنیا!!

خواہش

اَب کے ہَر سُو وہ اُداسی ہے کہ دل کہتا ہے
کوئی بھٹکا ہُوا رَہرَوہی سفر میں اُترے
کوئی رُوٹھا ہوا جگنو ہی بُلائے مُجھ کو!
کوئی ٹُوٹا ہُوا تارہ میرے گھر میں اُترے

اعتراف

ترے خیال سے دامن بچا کے دیکھا ہے
دِل و نظر کو بہت آزما کے دیکھا ہے
نِشاطِ جاں کی قسم، تُو نہیں تو کُچھ بھی نہیں
بہت دِنوں تُجھے ہم نے بُھلا کے دیکھا ہے

جیسے پانی میں.....!

دِل، ترے اِنتظار میں اکثر
تیرے آہٹ سے ڈرنے لگتا ہے
جیسے پانی مین پُھول کاغذ کا
تیرتے ہی بِکھرنے لگتا ہے

وہ اگر.....!

تیرگی رُوح پر مسلّط ہو!
چاندنی اشکبار ہو جائے
روپڑے یہ بہار کا موسم!
وہ اگر سوگوار ہوجائے!

دستکیں....!

دستکیں جِس کے دَر پہ دیتا ہوں
یُوں بھی وہ مُجھ کو ٹال دیتا ہے!
اپنے دامن کی نفرتیں چُن کر
میری جھولی میں ڈال دیتا ہے

کون آشنا؟

کوئی مکاں نہ کوئی مکیں، کون آشنا؟
ہم اپنے شہر میں بھی مُسافر رہ گئے
یا سُرخ آندھیوں کی نظر کھاگئی اُنہیں
یا اَب کی بارشوں میں گھروندے ہی بہہ گئے

روہی کے لوگ!

سینے میں دَرد، لب پہ تبسّم کے ذائقے
دُنیا کی گردشوں سے سَدا بے نیاز ہیں
بُجھتے ہُوئے دِلوں پہ چھڑکتے ہیں روشنی
روہی کے لوگ کِتنے مُسافر نواز ہیں

تمسُخر

کہیں دَھرتی نہاتی ہے لہُو دَریا کی مَوجوں میں
کہیں بارُود کی بارش ہے اِنسانی ریاست پر
ستارے اشک بن کر ہٹ گئے معصوم بچّوں میں
فرشتے ہنس رہے ہیں ابنِ آدم کی سِیاست پر

قیامت!

موت تاریک وادیوں کا سفر
زندگی نُور کی علامت ہے
حشر برحق سہی مگر مُحسنؔ
سانس بھی اِک قیامت ہے

دوستی.....!

اب یہی مصلحت مناسب ہے
اب اِسی طور زندگی کر لیں،
میں بھی یاروں کا زخم خوردہ ہوں
دشمنو، آؤ دوستی کرلیں،

دل کو بُجھنا تھا...!

تیرگی کے اُداس چہرے پر
رات بھر ایک دَاغ کیا جَلتا؟
دِل کو بُجھنا تھا، بُجھ گیا آخر
آندھیوں میں چَراغ کیا جَلتا؟

ترغیب

غَم کے سنجوگ اَچھے لگتے ہیں
مُستقل روگ اچھے لگتے ہیں
کوئی وعدہ وَفا نہ کر، کہ مُجھے
بے وفا لوگ اَچھّے لگتے ہیں

اُس سے کہہ دو...!

اُس کے ہونٹوں پہ خموشی کے شرارے بھر دو
جِس نے سیکھا نہ ہو شیشے کو بھی پتھر کہنا
اُس سے کہہ دو کہ وہ آنکھوں میں سیاہی بھرلے!
جِس کو آتا نہ ہو صحرا کو سَمندر کہنا

مُسکرا بھی دے....!

اُس کے چہرے پہ گردِ محرومی!
اُس کی آنکھوں کے شہرِ ویراں ہیں،
مُسکرا بھی دے اے غمِ دوراں!
اُس کی زُلفیں بہت پریشاں ہیں

"ھم"

عُمر گذری عذابِ جاں سہتے
دُھوپ میں زیرِ آسماں رہتے
ہم ہیں سُنسان راستوں کے شَجر
جو کِسی کو بھی کُچھ نہیں کہتے

حالات

تُجھ کو یہ وَہم ہے کہ کیوں مُجھ کو
تیری رعنائیوں سے پیار نہیں
میں یہی سَوچ کر ہُوں چُپ کہ ابھی
میرے حالات سَازگار نہیں!!

بے خیالی میں....!

یُوں بھی ہے اب کہ سوچ کر تُجھ کو
دِل ترے دَرد میں پگھل جائے
بے خیالی میں آگ کو چُھو کر
جیسے بچّے کا ہاتھ جَل جائے

اور کتنی....!

ساعتِ حشر کی اذّیت تک
اور کتنی اذّیتیں ہوں گی
اُس قیامت سے پیشتر یا رَبّ!
اور کتنی قیامتیں ہوں گی !

احتیاط

سُخن، میزان میں تو لو نہ تولو !
مگر نزدیک آکر بَھید کھولو !!
کہیں خُوشبو نہ سُن لے بات کوئی
مِری جاں ، اور بھی آہستہ بولو!!

شاید

دَرد، دِل کی اساس ہو شاید
غَم، جَوانی کو راس ہو شاید
کہہ رہی ہے فَضا کی خاموشی
اِن دِنوں تُم اُداس ہو شاید

ایک فلسطینی بچّے
کی سالگرہ

اَب کہاں وہ گیت گاتی محفلیں
اَب کہاں عُود و عبیرہ و آبنوس؟
چند شمعوں کی بجائے میز پر
رکھ دِیئے ہیں ماں نے خالی کارتُوس

احساس

مُجھ سے مَت پُوچھ کہ احساس کی حِدّت کیا ہے؟
دُھوپ ایسی تھی کہ سائے کو بھی جَلتے دیکھا
شدتِ غم میں مرے دیدۂ تَر نے محسؔن
پتّھروں کو بھی کئی بار پگھلتے دیکھا

روایت

کیا ہُوئے وہ دِن وہ رَسمیں کیا ہُوئیں؟
کھیلتے تھے جب غمِ دَوراں سے لوگ
بانٹتے پھرتے تھے ہر سُو زِندگی
کُچھ سخی کُچھ بے سرو ساماں سے لوگ

مدوا

تسخیر کر رہا ہوں زمانے کی گردشیں
غم کو سِکھا رہا ہوں مناجات عِید کی
گُم سُم ہے کائنات، ستارے ہیں دَم بخود

"ھیر"

جب بھی سَاون کی شوخ راتوں میں
کوئی وارث کی " ہیر " گاتا ہے
سَوچتا ہوں کہ اُس گھڑی مُجھ کو
کیوں ترا شہر یاد آتا ہے

آبھی جاؤ!!

تُم کُچھ ایسے بِچھڑ گئے مُجھ سے
غَم کے سائے ڈھلے نہیں ڈھلتے
آ بھی جاوَ کہ اَب منڈیروں پر
مُدّتوں سے دِیے نہیں جَلتے!!

تکلُف

یُوں بھی ہم دُور دُور رہتے تھے
یُوں بھی سِینوں میں اِک کدُورت تھی
تُم نے رسماً بُھلا دیا ورنہ!
اِس تکلّف کی کیا ضُرورت تھی ؟

تلاش

چُومتی تھیں جِس کے پاؤں منزلیں
قافلہ وہ کِن بیا بانوں میں ہے ؟
جِس کی حِدّت سے پگھلتے تھے پہاڑ
وہ لہُو کِن گرم شایانوں میں ہے ؟

اس طرح

اِس طرح دِل کے زَرد آنگن میں
تیری یادوں کے داغ جَلتے ہیں
جیسے آندھی میں ٹُوٹی قبروں پر
سہمے سہمے چراغ جلتے ہیں

"جوگن"

غَم، وہ سَفّاک سَم کا قطرہ ہے
جو رگوں میں اُتر کے بَس جائے
" زِندگی " وہ اُداس " جوگن " ہے
جِس کو سَاون میں سانپ ڈَس جائے

کیا کہیئے!

ہر طرف جبر ہو تو کیا کیجئے
ہر طرف ظُلم ہو تو کیا کہیئے
کِتنے احباب کا گِلہ کیجئے
کِتنے اعداء کو مرحبا کہیئے

کون پھر.....!

کِس کی شَب بے مَلال کٹتی ہے؟
کِس کا دِن چَین سے گذرتا ہے ؟
مِل گئے ہو تو مُسکرا کے مِلو!
کون پھر کِس کو یاد کرتا ہے؟

مُلاقات

شفق ہونٹوں میں سُرخ آنچل دبائے
وہ گوری اِس طرح شرمارہی ہے!!
ضمیرِ دو جہاں میں زلزلے ہیں!!
مُجھے تازہ غزل یاد آرہی ہے

سوال

یا مَقتلوں کا رِزق ہُوئی آبروئے جاں
یا گردِشوں کی نذر ہُوئے سرفراز لوگ
اَب کیوں مُسافروں کے ٹھکانے ہیں دُھوپ میں
اَب کیا ہُوئے وہ شہر کے مہماں نواز لوگ؟

یُوں تری یاد....!

یُوں ترِی یاد، دِل میں اُتری ہے
جیسے جُگنو ہَوا میں کھو جائے
جیسے " روہی " کے سر ٹیلوں میں
اِک مُسافر کو رات ہو جائے

غم کی زد میں

غَم کی زَد میں اگر بِگڑ جائیں
پھر کہاں قِسمتیں سنورتی ہیں؟
ذکرِ تجدیدِ دوستی نہ کرو!!
اَب یہ باتیں گراں گذرتی ہیں

اوس

کہیں سُورج سے ذرّے کی ٹھنی ہے
کہیں تِتلی سے بھنورا لڑ گیا ہے
پڑی ہے اوس رِشتوں پر کُچھ ایسی
لہُو کا رنگ پھیکا پڑ گیا ہے

سو جائو!

آنکھوں میں گھول کر نئے موسم کے ذائقے
باہوں میں رَوشنی کے سمندر کو گھیر کر
خوابوں کی سرزمیں پہ خیالوں سے بے نیاز
سوجاؤ اپنی رشیمی زُلفیں بکھیر کر

سَوچ

تُجھ کو سوچوں تو ایسے لگتا ہے
جیسے خوشبُو سے رنگ مِلتے ہیں
جیسے صحرا میں آگ جلتی ہے ؟
جیسے بارش مین پُھول کِھلتے ہیں!!

تَپش

چُبھتے ہُوئے وہ لفظ وہ جلتے ہُوئے حروف
شہ رگ میں اب بھی ہیں وہی کانٹے اڑے ہُوئے
اِک بار سچ کہا تھا مگر اُس کی آگ سے
اَب تک مِری زباں پہ ہیں چھالے پڑے ہوئے

دُعا

بات بنتی رَہے خُوئے دلدار کی
رات چمکی رہے حُسنِ بازار کی
دشت کی چاندنی میں نہاتی رہیں
شہر کی سَسّیاں، سوہنیاں پیار کی

چاندنی

پلکوں پہ آنسوؤں کو سجاتی ہے رات بھر
دِل میں رَواں ہے رُوح کے اندر ہے چاندنی
اُبھرا ہے کون اِس کے تلاطُم میں ڈُوب کر؟
آوارگی کا ایک سمندر ہے چاندنی

نَدامت

دَور کی دُھوپ سے بھَرے بَن میں
اپنے سائے سے ڈر کے پچھتایا!
اے مِرا نام بُھولنے والے!!
مَیں تجھے یاد کر کے پچھتایا!

عمر اتنی تو عطا کر مِرے فن کو خالق
میرا دشمن میرے مرنے کی خبر کو ترسے

فہرست

غزلیں، نظمیں:-

انتساب

محفلِ شامِ غریباں کے چراغوں کا دُھواں!
مقتلِ عِشق و جلُوسِ غمِ ایّام کے نام !

شورشِ کُنجِ قفس، نذرِ شہیدانِ وفا
صُبحِ اِعزاز کی ساعت، شبِ الزام کے نام

موسمِ دِید، تری جُنبشِ اَبرو پہ نِثار
سجدہء اھلِ وفا، تیرے دَر و بام کے نام،

میری پلکوں پہ سُلگتی ہوُئی صَدیوں کے نجوم
تیری زُلفوں سے مہکتی ہوُئی اِک شام کے نام،

میرے بُجھتے ہوُئے ہونٹوں پہ غزل کی خواہش
تیری آنکھوں پہ اُترتے ہوُئے الہام کے نام

ناتمام سچ کی دستاویز

جس دور کا اَدب اپنے رگردوپیش میں بکھری ہُوی زندگی اور اُس کی جراحتوں سے بے خبر اور اپنے عصری تقاضوں سے بے نیازی کا گُنہگار رہو وہ اتنی دیر تک سانس لے سکتا ہے جتنی دیر کچے رنگوں سے بنی ہوُئی کوی تصویر مُسلسل بارش میں اپنی ہیّت برقرار رکھ سکتی ہے۔یا آوازوں کے شُور میں کوئی کمسن اورادھوری لَے اپنے ''ہونے'' کا احساس دلائے بغیر ہَوا کی مَوج میں گُم ہوکر رہ جاتی ہےَ۔کیونکہ ہَر دَور اپنے اَدب کے خدوخال کی شکست وریخت کا ذمہّ وار بھی ہوتا ہےَ اور اُس کے کردار و عمل کا نگران و محتسب بھی،اسی طرح ہَر دور کا اَدب اپنے عہد کے چہرے پر خفی وجلی خراشوں کا مصوّر بھی ہوتا ہے،چارہ گر بھی۔

جہاں تک فنکار کے معاشرتی حقوق و فرائض اور جبلّی محرّکات کا تعلّق ہے۔ یہ بات سراسر اُس کی تخلیقی صلاحیتوں اور قلبی اِحساسات پر منحصر ہے۔کہ وہ اپنے عہد کی وسعتوں میں کتنی دُور تک اور کتنی دیر تک دیکھ سکتا ہے،اس کی سوچ کی گہرائی اور شعوُر کی پختگی پیش منظر اور پس منظر کی کتنی پرتیں اُلٹ سکتی اور اپنے عہد کے انسان کے چہرے پر سے کتنی نقابیں اُٹھا سکتی ہےَ؟

زندگی کے صحرا میں اپنے فگار پاؤں کے آبلوں سے پھُوٹتے لہوُ کے گُلاب کھلانے والا یہ تشنہ لَب رَہرو اپنے جسم پر صَدیوں کی تھکن اُوڑھے اور مجرُوح اعصاب پر مسافتوں کی رِدا لپیٹے تپتے ہوئے دشتِ بے کراں کے ذرّے شمار کرنے میں مصروف ہےَ۔وہ زِندگی کا جزوِکم نشاں نہیں خُودزندگی ہےَ،وہ بگولوں کا ہمسفر اور ہواؤں کا ہم مزاج ہوتے ہوئےَ بھی اپنے بعد میں آنے والے رہ نوردوں کے لیے راستے تراشتا اور منزلوں کی جستجوُ میں اشکوں کے چراغ لُٹاتا رہتا ہے۔

وہ بظاہر بے اثاثہ مگر بباطن متاعِ حیات کا امین اور توانا روشنیوں کا دیانت دار پیغام بَر ہے۔ وہ صحیح معنوں میں اپنے عہد کے تاریخی شعوُر کا عکّاس اور اپنے دَور کی فِکری شکستگی کا مرثیہ خواں ہَے۔

اس لئے ہم کسی بھی عہد کا کردار اُس کے نمائندہ فنکار کی نظریاتی صداقتوں کی گواہی کے بغیر متعیّن نہیں کر سکتے اور نہ ہی کسی فنکار کے تخلیقی سفر کا زائچہ اُس کے عہد سے الگ کر کے ترتیب دے سکتے ہیں۔

یہ طَے شُدہ اَمر ھے کہ کِسی بھی دَور کا سچّا اور کھرا فنکار اپنی زندگی کے لئے اپنے عہد کی تاریخ سے لفظوں کی سانسیں مستعار نہیں لیتا اور نہ ہی اپنے عصَر کے جغرافیائی پیمانوں سے اپنے فنی قدوقامت کا اندازہ لگاتا ہَے۔ فنکار اپنی ذات میں کائنات ہے اور کائنات کو اپنی ذات کی تجلیوّں سے منوّر و مُستیز کرنا اُس کی فطرت میں شامل ہَے۔ وہ موّرخ کے قلم سے ٹپکتی ہوُئی روشنائی میں بھی اپنے اندر کے کرب آمیز سچ کی شُعاعیں کھولنے کا متمنی رہتا ہَے۔

تاریخ اُس سے تہذیب کا اِشارہ لینے کی مقروض ہَے اور جغرافیائی حدُود و قیود سے ماوراء ہو کر ہر خِطّہ کے اِنسان کے سچّے جذبوں کی ترجمانی کرنا اُس کا منصب ہے، ذات، رنگ، نسل اور قبیلہ اُس کے نزدیک افراد کی خود تراشیدہ ترجمانی ہیں اور طبقاتی تضاد اِنسانی عظمت کو گہنا دینے کے عمل کا استعارہ ہَے۔

فنکار آدم کی بجائے آدمیت اور ذہن کی بجائے ذہنیت کا قائل ہوتا ہَے۔ اُس کا فن کائنات اور ذات کے درمیان مُسلسل رابطوں کا ''مُشترکہ اعلامیہ'' ہَے، جسے وہ اپنی عاقبت گری کا حِیلہ اور وسیلہ جانتا ہَے۔

گروھی تعصّبات مذہبی منافرت، نَسلی منافقت اور طبقاتی مناقشت نسلِ انسانی کی اِکائی اور بنی آدم کے ذہنی اِرتقا کے آئینہ خانے میں دراڑیں ڈال دینے والے عوامل ہیں۔ یہ عوامِل

کائنات کی تہذیبی توانائیوں میں خلل انداز تو ہو سکتے ہیں، مگر اِنسان کی فِطری عظمت کو فنا آلود نہیں کر سکتے، کہ اِنسان کائنات میں کی رفعتوں کا مُصدِق، فطرت کی تجلیوّں کا سفیر اور فنکار ''اِنسانیت کے معجزوں کا مظہرِ اعظم ہَے۔

اور جب کوئی فنکار عارضی نام و نمود کی خاطر یا ذاتی تشہیر کے لئے چھوٹی چھوٹی گروہی سازشوں میں اپنے آپ کو مُبتلا کر لیتا ہے تو مُجھے یوُں لگتا ہےَ، جیسے کوئی سمندر خُود سے ''رود کوہی'' میں سمٹ کر رہ گیا ہو یا آسمان ''جزیروں'' میں تقسیم ہو گیا ہو۔ اور یہ تقسیم اَدب میں کسی ''سانحہ'' سے کم نہیں ہوتی،

فن کار عام اِنسان کی سوچ سے کہیں زیادہ قدآور شخصیت کا حامل ہوتا ہےَ، وہ اپنے عہد کی جہالتوں کے خلاف روشنی کی بغاوت کا علم بردار، بے حسی کے مقابل زندگی کی علامت اور سطحی سوچ کے دُھندلکوں میں ادراک کی حرارت کا استعارہ ہےَ، اُسے اپنے منصب اور مرتبے کا اِحساس ہونا ضُروری ہےَ، ورنہ وہ اپنے ہی اندیشوں کے بس میں اُلجھ کر دَم توڑ دے۔

زندگی سے بھرپُور ''فن'' کے جَھرنے ظُلمت و نُور، نام و نَسب، تاریخ جُغرافیہ اور تہذیب و تمدّن کی پرواکئے بغیر کِسی بھی حسّاس انسانی ذہن سے پھُوٹ سکتے ہیں۔

تخلیق شعوُر کا فیصلہ ہےَ اور شعوُر کے فیصلے۔ ذہنی فاصلوں کے محتاج نہیں ہوُا کرتے۔ ویران بستیوں کی کچّی مٹّی کی کنواری باس کو اپنے لہوُ میں کھپا کر محرومیوں کی طویل رات کے دامن میں جلتے ہوُئے کم نفس چراغ کے آخری ہچکی کے سائے میں اپنی بجھتی آنکھوں کا آخری آنسوُ کھُردرے کاغذ کے سینے میں انڈیلنے والا فنکار بھی اُتنا ہی معتبر اور محترم ہے جتنا قابل تعظیم وہ تخلیق کار، جو روشنیوں سے اَٹے شہر کی رنگ و نکہت سے دہکتی مہکتی فضاؤں کی دُھوپ چھاؤں میں جذبہ و احساس کا جَلترنگ چھیڑ کر ہوَاؤں کی برہنگی کو لفظوں، لکیروں اور رعنائیوں کی پوشاک عطا کرتا ہے۔

سچ ہر حال میں سچ ہے۔ وہ صدیوں پہلے کے سُقراط کی زبان پر ہو یا آج کے محروم نوا فنکار کے زخمی سینے میں۔ وہ یوُں کہ سچ ''زندگی'' ہے اور زندگی کی توانائی پاتال کے گُونگے پانیوں اور سینۂ کُہسار سے پھُوٹتے مُنہ زور جھرنوں کے شور کو یکساں طور پر اعتماد سے نوازتی ہے۔ سچائی اور توانائی کے لئے کوہسار کی بلندی اور پاتال کی گہرائی کے درمیان حدِّ امتیاز قائم کرنا توہینِ صداقت وحرارت ہے۔

ریزہ حرف بھی محرومیوں کی طویل رات میں میری دُکھتی آنکھوں سا ئے پھُوٹتے اشکوں اور سینے میں تیر بن کر ٹوٹتی ہوئی خواہشوں اور جنجھتے چیختے جذبوں کے ناتمام سچ کی غیر مُکمل '' دستاویز '' ہے۔ ایک ایسی دستاویز جو میرے عہد کے خوابوں، خیالوں، جراحتوں اور جسارتوں کا حلف نامہ بھی ہے اور میرے عصری تقاضوں کا '' اعزازیہ '' بھی۔

میں جانتا ہوں کہ فن کسی کی میراث نہیں اور یہ بھی مانتا ہوں کہ حرف و آہنگ کی عدالت اور نقد و نظر کی میزان میں فنکار کا نام و نسب نہیں بلکہ اُس کے فنی کردار اور فکری قد و قامت کو پوُچھا، پرکھا، تولا اور آزمایا جاتا ہے۔

مُجھے یقیں ہے کہ ''عصری استحصال '' کی مسمُوم آندھی وقتی طور پر تو کِسی ''صاحبِ فن'' کی ذہنی مشقت اور فکری ریاضت کی شاخ شاداب کو بے ثمر کر سکتی ہے، مگر ادب میں بھی ''حساب کا دن'' معین ہے۔ حِساب کا دِن جو بے رحم ساعتوں کے اٹل فیصلوں سے عبارت ہے۔!!

اور یہی یقین میرا اثاثۂ فن ہونے کے ساتھ ساتھ مُجھے اضطراب سے اطمینان تک کے سفر کی بشارت دیتا ہے۔ اس لئے میں اپنے ہمسفروں کے ساتھ بھٹکتی آنکھوں اور لغزیدہ قدموں کی تھکن کے باوجود مکمل اعتماد سے کسی نئی جہت کا سراغ لگانے کے لئے طویل رات کی تنہائیوں کے ریگزار میں آبلوں کے چراغ جلاتا اور آنسوؤں کے آبگینے لٹاتا رہتا ہوں کہ

ناشناسائی کے اِس بے کنار صحرا میں کوئی ایک ریزہء حرف مُجھے اپنی ذات کے پہلے کشف سے آشنا کردے تو بھی میں سمجھوں گا کہ میری مشقّت رائیگاں نہیں گئی۔

مُجھے اپنے جذبوں کی کم نمائی اور تجربوں کے ادھورے پَن کا احساس اپنے بارے میں کسی قِسم کی خوش فہمی میں مبتلا ہونے سے بچائے رکھتا ہے اور احساس کی یہ جِدت میرے فن کی تکمیل اور ارتقا کی صراطِ مُستقیم کا وہ پا گداز سفر ہے جِس پر چلتے ہوئے کبھی کبھی تو مُجھے اپنی سانس تک روکنا پڑتی ہے۔

میں سخاوتِ حلقہء دوستاں سے زیادہ ملامتِ صفِ دُشمناں کا مقروض ہوں کہ یہی قرض مُجھے ہر لمحہ اپنے آپ اِیذا پسندی اور آفاقی دِل شکستگی سے روشناس کرتا ہے۔
پھر میری ذات کے برزخ میں عافیت کوشی اور اندمال خواہی کی جستجو کیسی؟

مُجھے اپنے فن کی تحسین و تنقید کے سِلسلے میں اپنے عہد کے مہیب سکوت سے بھی شکوہ کرنا نہیں آتا۔ کہ گُم سُم اور بانجھ زمینوں میں نطق ولب کے خیام نصب کرنا مُجھے وراثت میں مِلا ہے۔

بھر حال میرا سفر ''فراتِ ذات'' سے کُچھ دُور احساس کے جلتے ہوئے خیمے سے اُٹھتے دُھویں کی لکیر سے مِلتا ہے یا مُنہ زور ہواؤں کے مقابل طاقِ تنہائی میں جَلتے ہوئے اکیلے چراغ کی شعاع کا سفر۔!

اس سفر میں آپ مُجھے تلاش کریں یا میرا ساتھ دے سکیں تو شاید کُچھ دیر کو میری تنہائی بہل جائے۔ ورنہ رات کے پچھلے پہر کا مہیب سنّاٹا تو مُجھے قبول کرنا ہی ہے!! اور یہ سنّاٹا مُجھ سے پہلے فنکاروں نے تو مُجھ سے بھی کہیں زیادہ پہنا اور اوڑھا تھا۔ مَیں اس سے خوف کیوں کھاؤں؟

یوں بھی آوازوں کے بھنور میں ڈوب جانے سے سناٹا پہن کر کائنات پر محیط ہونے میں
زیادہ ''معنویت'' پوشیدہ ہے۔!!

مُحسن نقوی

۲۷ دِسمبر ۱۹۸۵

نجف ریزہ

۱۹۲۔نشتر بلاک

علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

اے مرے کبریا .....!

اے انوکھے سخی!
اے مرے کبریا!!
میرے ادراک کی سرحدوں سے پرے
میرے وجدان کی سلطنت سے اُدھر
تیری پہچان کا اوّلیں مرحلہ!

میری مٹّی کے سب ذائقوں سے جدُا!
تیری چاہت کی خوشبو کا پہلا سفر!!
میری منزل؟
تیری رہگزر کی خبر!
میرا حاصل؟
تری آگہی کی عطا!!
میرے لفظوں کی سانسیں
ترا معجزہ!
میرے حرفوں کی نبضیں
ترے لطف کا بے کراں سِلسلہ!
میرے اشکوں کی چاندی
ترا آئینہ!
میری سوچوں کی سطریں
تری جستجو کی مُسافت میں گم راستوں کا پتہ!

میں مسافر ترا.......(خود سے ناآشنا)

ظلمتِ ذات کے جنگلوں میں گِھرا
خود پہ اوڑھے ہوئے کربِ وہم وگماں کی سُلگتی ردا
ناشناسائیوں کے پرانے مرض،
گمرہی کے طلسمات میں مبتلا
سورجوں سے بھری کہکشاں کے تلے
ڈھونڈتا پھر رہا ہوں ترا نقشِ پا.......!!
اے انوکھے سخی!
اے مِرے کبریا!!

کب تلک گمرہی کے طلسمات میں؟
ظلمتِ ذات میں
ناشناسائیوں سے اَٹی رات میں
دل بھٹکتا رہے
بھر کے دامانِ صد چاک میں بے اماں حسرتوں کا لہُو
بے ثمر خواہشیں
رائیگاں جستجو!!
اے انوکھے سخی!
اے مرے کبریا!!
کوئی رستہ دکھا
خود پہ کُھل جاؤں مَیں
مجھ پہ اَفشا ہو '' تو ''
اے مرے کبریا!!
کِبریا' اب مجھے
لوحِ ارض وسَما کے سبھی ناتراشیدہ' پوشیدہ
حرفوں میں لپٹے ہوے

اِسم پڑھنا سِکھا
اے انوکھے سخی!

اے مرے کبریا!
مَیں مسافر ترا

☆

کہاں تھا اتنا عذاب آشنا مرا چہرہ؟
جلے چراغ تو بجھنے لگا ۔ مرا چہرہ!

وہ تیرے ہجر کے دن وہ سفیر صدیوں کے
تو ان دنوں میں کبھی دیکھتا مرا چہرہ

جدائیوں کے سفر میں رہے ہیں ساتھ سدا
تری تلاش، زمانے، ہوا، مرا چہرہ

مرے سوا کوئی اتنا اُداس بھی تو نہ تھا
خزاں کے چاند کو اچھا لگا مرا چہرہ

کتاب کھول رہا تھا وہ اپنے ماضی کی
وَرق وَرق پہ بکھرتا گیا مرا چہرہ

سحر کے نور سے ڈھلتی ہوئی تری آنکھیں
سفر کی گرد میں لپٹا ہوا مرا چہرہ

ہَوا کا آخری بوسہ تھا یا قیامت تھی؟
بدن کی شاخ سے پھر گِر پڑا مرا چہرہ

جسے بُجھا کے ہوا سوگوار پھرتی ہے
وہ شمعِ شامِ سفر تھی کہ تھا مرا چہرہ؟

یہ لوگ کیوں مجھے پہچانتے نہیں محسنؔ
میں سوچتا ہوں کہاں رہ گیا مرا چہرہ

☆

اب کے یوں بھی تری زلفوں کی شکن ٹوٹی ہے
رنگ پھوٹے، کہیں خوشبو کی رَسَن ٹوٹی ہے

موت آئی ہے کہ تسکین کی ساعت آئی
سانس ٹوٹی ہے کہ صدیوں کی تھکن ٹوٹی ہے

سینۂ گُل جہاں نکہت بھی گراں ٹھہری تھی
تیر بن کر وہاں سُورج کی کرن ٹوٹی ہے

دل شکستہ تو کئی بار ہوئے تھے لیکن
اب کے یوں ہے کہ ہر اِک شاخِ بدن ٹوٹی ہے

اِتنی بے ربط محبت بھی کہاں تھی اپنی
درمیاں سے کہیں زنجیرِ سخن ٹوٹی ہے

ایک شعلہ کہ تہہِ خیمۂ جاں لپکا تھا
ایک بجلی کہ سرِ صحنِ چمن ٹوٹی ہے

سلسلہ تجھ سے بچھڑنے پہ کہاں ختم ہُوا
اِک زمانے سے رہ و رسمِ کہن ٹوٹی ہے

مرے یاروں کے تبسّم کی کرن مقتل ہیں
نوکِ نیزہ کی طرح زیرِ کفن ٹوٹی ہے

ریزہ ریزہ میں بکھرتا گیا ہر سُو محسؔن
شیشہ شیشہ مری سنگینیٔ فن ٹوٹی ہے

☆

کب تلک شب کے اندھیرے میں سحر کو ترسے

وہ مسافر جو بھرے شہر میں گھر کو ترسے

آنکھ ٹھہرے ہوئے پانی سے بھی کتراتی ہے
دل وہ رہرو کہ سمندر کے سفر کو ترسے

مجھ کو اُس قحط کے موسم سے بچا ربِّ سخن
جب کوئی اہلِ ہُنر عرضِ ہُنر کو ترسے

اب کے اِس طور مسلّط ہو اندھیرا ہر سُو
ہجر کی رات مرے دیدۂ تر کو ترسے

عمر اتنی تو عطا کر مرے فن کو خالق؛
میرا دشمن میرے مرنے کی خبر کو ترسے

اُس کو پا کر بھی اُسے ڈھونڈ رہی ہیں آنکھیں
جیسے پانی میں کوئی سیپ گہر کو ترسے

ناشناسائی کے موسم کا اثر تو دیکھو!
آئینہ خال و خدِ آئینہ گر کو ترسے!

ایک دنیا ہے کہ بستی ہے تری آنکھوں میں
وہ تو ہم تھے جو تری ایک نظر کو ترسے

شورِ صر صر میں جو سَر سبز رہی ہے محسنؔ
موسمِ گل میں وہی شاخ ثمر کو ترسے

☆

پتھر ہی سہی، راہ میں حائل تو رہوں گا
کچھ دیر ترا مدِ مقابل تو رہوں گا

جب تک تیری بخشش کا بھرم کُھل نہیں جاتا
اے میری سخیٔ میں تیرا سائل تو رہوں گا

اِس واسطے زندہ ہوں سرِ مقتلِ یاراں
وابستۂ کم ظرفیِ قاتل تو رہوں گا

اے تیز ہَوا میرا دھواں دیکھ کے جانا
بجھ کر بھی نشانِ رہِ منزل تو رہوں گا

دشمن ہی سہی نام تو لے گا مرا تُو بھی
یوں میں تری آواز میں شامل تو رہوں گا

جب تک میں بغاوت نہ کروں جبروستم سے
زنداں میں ہوں پابندِ سَلاسِل تو رہوں گا

محسنؔ زدِ اعداً سے اگر مَر بھی گیا میں
معیارِ تمیزِ حق و باطل تو رہوں گا

☆

ترے بدن سے جو چھو کر اِدھر بھی آتا ہے
مثالِ رنگ وہ جھونکا' نظر بھی آتا ہے

تمام شب جہاں جلتا ہے اِک اُداس دیا
ہَوا کی راہ میں اِک ایسا گھر بھی آتا ہے

وہ مجھ کو ٹوٹ کے چاہے گا' چھوڑ جائے گا
مجھے خبر تھی اُسے یہ ہنر بھی آتا ہے

اُجاڑ بن میں اُترتا ہے ایک جگنو بھی
ہَوا کے ساتھ کوئی ہمسفر بھی آتا ہے

وفا کی کون سی منزل پہ اُس نے چھوڑا تھا
کہ وہ تو یاد ہمیں بھول کر بھی آتا ہے

جہاں لہُو کے سمندر کی حد ٹھہرتی ہے
وہیں جزیرۂ لعل و گُہر بھی آتا ہے

چلے جو ذکر فرشتوں کی پارسائی کا
تو زیرِ بحث مقامِ بشر بھی آتا ہے

ابھی سِناں کو سنبھالے رہیں عدو میرے
کہ ان صفوں میں کہیں میرا سر بھی آتا ہے

کبھی کبھی مجھے ملنے بلندیوں سے کوئی
شعاعِ صبح کی صورت اُتر بھی آتا ہے

اِسی لیے میں کسی شب نہ سو سکا محسنؔ
وہ ماہتاب کبھی بام پر بھی آتا ہے

☆

وفا میں اب یہ ہُنر اختیار کرنا ہے
وہ سچ کہے نہ کہے اعتبار کرنا ہے

یہ تجھ کو جاگتے رہنے کا شوق کب سے ہُوا؟
مجھے تو خیر ترا انتظار کرنا ہے

ہَوا کی زد میں جلانے ہیں آنسوؤں کے چراغ
کبھی یہ جشن سرِ رہگزار کرنا ہے

وہ مسکرا کے نئے وسوسوں میں ڈال گیا
خیال تھا کہ اُسے شرمسار کرنا ہے

مثالِ شاخِ برہنہ خزاں کی رُت میں کبھی

خود اپنے جسم کو بے برگ و بار کرنا ہے

ترے فراق میں دن کس طرح کٹیں اپنے
کہ شغلِ شب تو ستارے شمار کرنا ہے

چلو یہ اشک ہی موتی سمجھ کے بیچ آئیں
کسی طرح تو ہمیں روزگار کرنا ہے

کبھی تو دل میں چھپے زخم بھی نمایاں ہوں!
قبا سمجھ کے بدن تار تار کرنا ہے

خدا خبر یہ کوئی ضد کہ شوق ہے محسنؔ
خود اپنی جان کے دُشمن سے پیار کرنا ہے

☆

یہ کہہ گئے ہیں مسافر لٹے گھروں والے
ڈریں ہَوا سے پرندے کُھلے پروں والے

یہ میرے دل کی ہوس دشتِ بیکراں جیسی
وہ تیری آنکھ کے تیور سمندروں والے

ہَوا کے ہاتھ میں کاسے ہیں زرد پتّوں کے
کہاں گئے وہ سخی سبز چادروں والے؟

کہاں ملیں گے وہ اگلے دنوں کے شہزادے؟
پہن کے تن پہ لبادے گداگروں والے

پہاڑیوں میں گھرے یہ بُجھے بُجھے رستے
کبھی ادھر سے گزرتے تھے لشکروں والے

اُنہی پہ ہو کبھی نازِل عذاب' آگ' اجل
وہی نگر کبھی ٹھہریں پیمبروں والے

ترے سپرد کروں آئینے مقدّر کے
اِدھر تو آ مرے خوش رنگ پتّھروں والے

کسی کو دیکھ کے چُپ چُپ سے کیوں ہوئے محسنؔ
کہاں گئے وہ اِرادے سخنوروں والے؟

شہر بدر

کون اَب لگتا نہیں
میری طرح شہر بدر؟
اب تو
جس جس کو بھی دیکھو صفِ آشفتہ سراں!

کوُبکُو

دیدۂ حیراں کا اثاثہ لے کر

چاک پیراہنِ جاں

خاکِ رہِ ہمسفراں

زخمِ اندوہ رخِ چارہ گراں

دامنِ دل میں لیے

صورتِ راہ گزر

شہر بدر، شہر بدر

چاندنی، ابر، ہَوا

موسمِ گُل، موجِ صبا

سپیاں چنتے ہوئے آئینہ گر

شہر بدر!!

رہگزاروں میں بھٹکتی ہوئی خوشبو

کہ حِنا

کُہر کی دودھیا چادر

کہ خلاۓ

دھول اوڑھے ہوئے سانسوں کی گھٹا

پھول کی خواہشِ صد رنگ

ستاروں کی رِدا

آسماں

آبلہ پا شمس و قمر

شام و سحر

برگِ بے آب وہوا

نالۂ نَے، دامنِ تر

شاخِ بے برگ وثمر

شہر بدر، شہر بدر

قافلے، دشت، بھنور، دھوپ

بگولوں کا سفر

آگ کا رقص

دھواں، راکھ، شرر

۔۔۔شہر بدر

تیری پلکوں پہ لرزتے ہوئے

اشکوں کے گہر

تیرے چہرے پہ دہکتے ہوئے

جذبوں کی دھنک

تیری آنکھوں میں بکھرتے ہوئے

پیماں کی تھکن

تیرے ماتھے پہ

یہ ڈھلتے ہوئے تاروں کا غبار

(جس طرح بجھتے چراغوں کی ادھوری سی قطار)

تیری محفل کی اُداسی

تیری افسردہ نظر

شمعِ کشتہ کی خلش

ماتمِ خاشاکِ جگر

وصل کا عہد

جدائی کی خبر
دیدۂ تر
حسرتیں شعلہ بجاں
خواہشیں خاک بسر

از نگر تا بہ نگر
کوئی سوچے بھی مگر
کون اب لگتا نہیں
میری طرح شہر بدر
شہر بدر، شہر بدر

آج تنہائی نے تھوڑا سا دلاسہ جو دیا

آج تنہائی نے تھوڑا سا دلاسہ جو دیا
کتنے رُوٹھے ہوئے ساتھی مجھے یاد آئے ہیں

موسمِ وصل کی کرنوں کا وہ انبوہ رواں
جس کے ہمراہ کسی زُہرہ جبیں کی ڈولی
ایسے اُتری تھی کہ جیسے کوئی آیت اُترے

ہجر کی شام کے بکھرے ہوئے کاجل کی لکیر
جس نے آنکھوں کے گلابوں پہ شفق چھڑکی تھی
جیسے خوشبو کسی جنگل میں برہنہ ٹھہرے!!

خلقتِ شہر کی جانب سے ملامت کا عذاب
جس نے اکثر مجھے ''ہونے'' کا یقیں بخشا تھا

دستِ اعداً میں وہ کھنچتی ہوئی تہمت کی کماں
بارشِ سنگ میں کُھلتی ہوئی تیروں کی دُکاں
مہرباں دوست ' رفاقت کا بھرم رکھتے ہوئے
اجنبی لوگ دل و جاں میں قدم رکھتے ہوئے

آج تنہائی نے تھوڑا سا دلاسہ جو دیا!
کتنے رُوٹھے ہوئے ساتھی مجھے یاد آئے ہیں
اب نہ پندارِ وفا ہے نہ محبت کی جزا
دستِ اعداً کی کشش ہے نہ رفیقوں کی سزا
تختۂ دار نہ منصب ' نہ عدالت کی خلشِ
اب تو اک چیخ سی ہونٹوں میں دبی رہتی ہے

راس آئے گا کسے دشتِ بلا میرے بعد؟
کون مانگے گا اُجڑنے کی دعا میرے بعد؟

آج تنہائی نے تھوڑا سا دلاسہ جو دیا

بادل برسیں

بادل برسیں!

بادل اتنے زور سے برسیں!!

میرے شہر کی بنجر دھرتی

گُم صُم خاک اُڑاتے رستے

سوکھے چہرے

پیلی آنکھیں

بوسیدہ مٹیالے پیکر ایسے بھیگیں

اپنے کو پہچان نہ پائیں!

بجلی چمکے!

بجلی اتنے زور سے چمکے!

میرے شہر کی سُونی گلیاں

مُدّت کے تاریک جھروکے

پُراسرار کھنڈر، ویرانے

ماضی کی مدھم تصویریں، ایسے چمکیں

سینے کا ہر بھید اُگل دیں

دل بھی دھڑکے!

دل بھی اتنے زور سے دھڑکے!!

سوچوں کی مضبوط طنابیں

خواہش کی اَن دیکھی گرہیں

رشتوں کی بوجھل زنجیریں... ایک چھناکے سے کھل جائیں

سارے رشتے

سارے بندھن

چاہوں بھی تو یاد نہ آئیں
آنکھیں۔۔۔اپنی دید کو ترسیں!
بادل اتنے زور سے برسیں!!

☆

اب یہ سوچوں تو بھنور ذہن میں پڑ جاتے ہیں
کیسے چہرے ہیں جو ملتے ہی بچھڑ جاتے ہیں

کیوں ترے درد کو دیں تہمتِ ویرانئ دل؟
زلزلوں میں تو بھرے شہر اُجڑ جاتے ہیں

موسمِ زرد میں اک دل کو بچاؤں کیسے؟
ایسی رُت میں تو گھنے پیڑ بھی جھڑ جاتے ہیں

اب کوئی کیا مرے قدموں کے نشاں ڈھونڈے گا
تیز آندھی میں تو خیمے بھی اُکھڑ جاتے ہیں

شغلِ اربابِ ہُنر پوچھتے کیا ہو کہ یہ لوگ
پتھّروں میں بھی کبھی آئینے جڑ جاتے ہیں

سوچ کا آئینہ دُھندلا ہو تو پھر وقت کے ساتھ
چاند چہروں کے خدوخال بگڑ جاتے ہیں

شدّتِ غم میں بھی زندہ ہوں تو حیرت کیسی؟
کچھ دِیے تُند ہواؤں سے بھی لڑ جاتے ہیں

وہ بھی کیا لوگ ہیں محسنؔ جو وفا کی خاطر!
خود تراشیدہ اُصولوں پہ بھی اڑ جاتے ہیں

☆

فضا کا حبس شگوفوں کو باس کیا دے گا؟
بدن دریدہ کسی کو لباس کیا دے گا؟

یہ دل کی قحطِ اَنا سے غریب ٹھہرا ہے
مری زباں کو زرِ التماس کیا دے گا؟

جو دے سکا نہ پہاڑوں کو برف کی چادر
وہ میری بانجھ زمیں کو کپاس کیا دے گا؟

یہ شہر' یوُں بھی تو دہشت بھرا نگر ہے' یہاں
دلوں کا شور ہَوا کو ہراس کیا دے گا؟

وہ زخم دے کے مجھے حوصلہ بھی دیتا ہے
اب اس سے بڑھ کے طبیعت شناس کیا دے گا؟

جو اپنی ذات سے باہر نہ آسکا اب تک
وہ پتھروں کو متاعِ حواس کیا دے گا؟

وہ میرے اشک بجھائے گا کس طرح محسنؔ
سمندروں کو وہ صحرا کی پیاس کیا دے گا؟

☆

دل ہُوا جب سے شرمسارِ شکست
بن گئے دوست پُرسہ دارِ شکست

ہر کوئی سرنگوں ہے لشکر میں
ہر کسی کو ہے انتظارِ شکست

کہہ رہی ہے تھکن دلیروں کی
اب کے چمکے گا کاروبارِ شکست

آئینے کی فضا تو اُجلی ہے
میرے چہرے پہ ہے غبارِ شکست

کامرانی کا گُر سکھا مجھ کو!

یا عطا کر مجھے وقارِ شکست

موت فتح و ظفر کی منزل ہے
زندگانی ہے رہگزارِ شکست

اس کے چہرے پہ فتح رقصاں تھی
اُس کے شانے تھے زیرِ بارِ شکست

کیسے قاتل کی شکل پہچانیں
اپنی آنکھوں میں ہے خمارِ شکست

جب تلک سر سناں پہ ہے اپنا
کون کرتا ہے اعتبارِ شکست؟

ہیں فضائیں دُھواں دُھواں محسنؔ
دیکھ رنگِ رخِ بہارِ شکست

☆

سِکھا مجھ کو لٹے لوگوں کا ماتم
جلے جسموں بجھی آنکھوں کا ماتم

رہینِ دردِ جاں پیاروں کی ہجرت
نصیبِ دشمناں یاروں کا ماتم

جو فرصت ہو تو مرگِ روشنی پر
کبھی دیکھو مری پلکوں کا ماتم

وہ زیرِ آب لاشوں کی قطاریں
وہ سطحِ آب پر لہروں کا ماتم

خزاں پتّے پہن کر سو گئی ہے
ہَوا کرتی پھرے شاخوں کا ماتم

جو خاموشی کہ تہہ میں رہ گئے ہیں
مری آواز ' اُن لفظوں کا ماتم

جو سیلابوں کی رَو میں بہہ گئی ہیں
کرے گا کون اُن قبروں کا ماتم؟

مری غزلیں مری نظمیں ہیں محسؔن
لہو لتھڑے ' چمن چہروں کا ماتم

☆

ظلم سہہ کر بھی سمجھتا ہوں کہ تُو میرا ہے
میرے دُشمن تیرے چہرے پہ لہُو میرا ہے

صُبحدم شہر کی شورِش تیرے دم سے ہوگی
رات کے پچھلے پہر عالمِ ہُو میرا ہے

میرے ہاتھوں میں چھپے زخم سے پہچان مجھے
تیرے دامن پہ بھی احسانِ رفو میرا ہے

گِھر گیا ہوں میں تلاطم میں بھی زنداں کی طرے
حلقۂ موجِ رواں طوقِ گلُو میرا ہے

اِتنی شہرت بھی کہاں چاہی تھی خود سے میں نے
اپنے ہی شہر کا ہر شخص عدو میرا ہے

دھوپ چھاؤں کی یہ رُت دل میں ٹھہر جانے دے
عکس تیرا ہے تو سایا لبِ جُو میرا ہے

پتّھروں سے ہے محبت مجھے یوں بھی محسؔن
سنگدل شہر مین اِک آئینہ رُو میرا ہے

☆

غزلوں کی دَھنک اوڑھ مرے شعلہ بدن تُو
ہے میرا سخن تُو -- مرا موضوعِ سخن تُو

کلیوں کی طرح پھوٹ سرِ شاخِ تمنّا
خوشبو کی طرح پھیل چمن تا بہ چمن تُو

نازل ہو کبھی ذہن پہ آیات کی صُورت
آیات میں ڈھل جا کبھی جبریل دہن تُو

اب کیوں نہ سجاؤں میں تجھے دیدہ و دل میں
لگتا ہے اندھیرے میں سویرے کی کرن تُو

پہلے نہ کوئی رمزِ سخن تھی نہ کِنایہ
اب نقطۂ تکمیلِ ہُنر ، محورِ فن تُو

یہ کم تو نہیں تُو مرِا معیارِ نظر ہے
اے دوست میرے واسطے کچھ اور نہ بن تُو

ممکن ہو تو رہنے دے مجھے ظلمتِ جاں میں
ڈھونڈے گا کہاں چاندنی راتوں کا کفن تُو

خدشہ

یہ تیری جھیل سی آنکھوں میں رتجگوں کے بھنور
یہ تیرے پھول سے چہرے پہ چاندنی کی پھوار
یہ تیرے لب یہ دیارِ یمن کی سُرخ عقیق
یہ آئینے سی جبیں، سجدہ گاہِ لیل و نہار

یہ بے نیاز گھنے جنگلوں سے بال ترے
یہ پھولتی ہوئی سرسوں کا عکس گالوں پر
یہ دھڑکنوں کی زباں بولتے ہوئے ابرُو
کمند ڈال رہے ہیں مرے خیالوں پر

یہ نرم نرم سے ہاتھوں کا گرم گرم سا لمس
گداز جسم پہ بلّور کی تہوں کا سَماں!
یہ اُنگلیاں، یہ زمُرّد تراشتی شاخیں!
کِرن کِرن ترے دانتوں پہ موتیوں کا گماں

یہ چاندنی میں دُھلے پاؤں جب بھی رقص کریں
فضا میں اَن گنےِ گھنگھرو چھنکنے لگتے ہیں
یہ پاؤں جب کسی رستے میں رنگ برسائیں
تو موسموں کے مقدّر چمکنے لگتے ہیں !!

تری جبیں پہ اگر حادثوں کے نقش اُبھریں
مزاجِ گردشِ دوراں بھی لڑکھڑا جائے

تو مسکرائے تو صبحیں تجھے سلام کریں
تو رو پڑے تو زمانے کی آنکھ بھر آئے

ترا خیال ہے خوشبوُ ترا لباس کِرن!
توُ خاک زاد ہے یا آسماں سے اُتری ہے؟
میں تجھ کو دیکھ کے خود سے سوال کرتا ہوں
یہ موجِ رنگ زمیں پر کہاں سے اُتری ہے؟

میں کس طرح تجھے لفظوں کا پیرہن بخشوں؟
مرے ہنر کی بلندی تو سرنگوں ہے ابھی!
ترے بدن کے خدوخال میرے بس میں نہیں
میں کس طرح تجھے سوچوں ' یہی جنوں ہے ابھی

ملے ہیں یوں تو کئی رنگ کے حسیں چہرے!
میں بے نیاز رہا موجۂ صبا کی طرح!!
تری قسم تری قربت کے موسموں کے بغیر'
زمیں پہ میں بھی اکیلا پھرا خدا کی طرح

مگر میں شہرِ حوادث کے سنگ زادوں سے
یہ آئینے سا بدن کس طرح بچاؤں گا؟
مجھے یہ ڈر ہے کِسی روز تیرے کرب سمیت
میں خود بھی دُکھ کے سمندر میں ڈوب جاؤں گا!

مجھے یہ ڈر ہے کہ تیرے تبسّموں کی پھوار
یونہی وفا کا تقاضا' حیا کا طور نہ ہو؟

ترا بدن، تری دنیا ہے منتظر جس کی
میں سوچتا ہوں مری جاں وہ کوئی "اور" نہ ہو

میں سوچتا ہوں مگر سوچنے سے کیا حاصل؟
یہ تیری جھیل سی آنکھوں میں رتجگوں کے بھنور

☆

خلوت میں کُھلا ہم پہ کہ بیباک تھی وہ بھی
محتاط تھے ہم لوگ بھی، چالاک تھی وہ بھی

افکار میں ہم لوگ بھی ٹھہرے تھے قد آور!
پندار میں "ہم قامتِ افلاک" تھی وہ بھی

اسے پاسِ ادب، سنگ صفت عزم تھا اس کا
اسے سیلِ طلب، صورتِ خاشاک تھی وہ بھی

جس شب کا گریباں ترے ہاتھوں سے ہُوا چاک
اے صبح کے سُورج، مری پوشاک تھی وہ بھی

اِک شوخ کرن چُومنے اُتری تھی گُلوں کو
کچھ دیر میں پیوستِ رگِ خاک تھی وہ بھی

جس آنکھ کی جنبش پہ ہوئیں نصب صلیبیں
مقتل میں ہمیں دیکھ کے نمناک تھی وہ بھی

دیکھا جو اُسے، کوئی کشش ہی نہ تھی اُس میں
سوچا جو اُسے، حاصلِ ادراک تھی وہ بھی

جو حرف مرے لب پہ رہا زہر تھا محسنؔ
جو سانس مرے تن میں تھی سفّاک تھی وہ بھی

☆

کل رات بزم میں جو مِلا گلبدن سا تھا
خوشبو سے اُس کے لفظ تھے چہرہ چمن سا تھا

دیکھا اُسے تو بول پڑے اس کے خدوخال
پُوچھا اُسے تو چُپ سا رہا، کم سخن سا تھا

تنہائیوں کی رُت میں بھی لگتا تھا مطمئن!
وہ شخص اپنی ذات میں اِک انجمن سا تھا

سوچا اُسے تو میں کئی رنگوں میں کھو گیا
عالم تمام اُس کے حَسیں پیرہن سا تھا

جو شاخ شوخ تھی وہ اُسی کے لبوں سی تھی
جو پھول کِھل گیا وہ اُسی کے دہن سا تھا

وہ سادگی پہن کے بھی دل میں اُتر گیا
اس کی ہر اک ادا میں عجب بھولپن سا تھا

آسماں سمجھ رہے تھے اُسے شہرِ جاں کے لوگ
مشکل تھا اِس قدر کہ میرے اپنے فن سا تھا

وہ گفتگو تھی اُس کی، اُسی کے لیے ہی تھی!
کہنے کو یوُں تو میں بھی شریکِ سخن سا تھا

تارے تھے چاندنی میں کہ تہمت کے داغ تھے
محسنؔ کل آسمان بھی میرے کفن سا تھا

☆

مانگے ہے مجھ سے دل تری ساری نشانیاں
باتیں پرانیاں، وہی راتیں سُہانیاں

آنکھوں میں گھولتی ہیں نشے کی شرارتیں
چالاک چاندنی میں چھکتی جوانیاں

اُن پر تو قرض ہیں مرے حرفوں کے ذائقے
اب جن کو آ گئیں بڑی باتیں بنانیاں

اے عشق آ کہ پھر سے کوئی تجربہ کریں
میں بھولنے لگا ہوں پرانی کہانیاں

وہ تیرے قہقہے تھے کہ جیسے ہجوم میں
ٹوٹیں کلائیوں میں کھنکتی کمانیاں

یہ میرے اشک ہیں کہ پہاڑوں میں جس طرح
روئیں بسنت رُت میں ندی کی روانیاں

اِک تیرے روٹھنے سے فضا ہی بدل گئی
اب شہر بھر میں پھَیل گئیں بدگمانیاں

مانگو دعا کہ کھیلتی کِھلتی رہیں سدا
شہروں کی دُلہنیں، مری بستی کی رانیاں

محسنؔ کو کچھ تو حدِّ ستم کا سُراغ دے
کب تک رقم کروں میں تری مہربانیاں؟

☆

جب بھی ہنسنے کے زمانے آئے
زخم پھر یاد پُرانے آئے

بارہا اُن کو منایا تو ہمیں
رُوٹھ جانے کے بہانے آئے

پھر مجھے ٹوٹ کے چاہا اُس نے
پھر بچھڑنے کے زمانے آئے

مسکرا کر ہمیں ملنے والے
زندگی بھر کو رُلانے آئے

کتنی محروم تھیں نیندیں اُن کی
خواب بھی جن کو جگانے آئے

تیری چاہت نے ٹھہرنے نہ دیا
راہ میں کتنے ٹھکانے آئے

تُو نہیں ہے تو ہَوا کا جھونکا
گھر کی زنجیر ہلانے آئے

دل بُجھا ہے نہ جلے ہیں خیمے
آپ کیوں جشن منانے آئے؟

اِسی اُمیّد پہ جاگو یارو!
اب وہ کس وقت نجانے آئے؟

راس آیا جنھیں صحرا محسنؔ
اُن کی قسمت میں خزانے آئے

☆

شامِ غم جب بکھر گئی ہو گی
جانے کس کس کے گھر گئی ہو گی؟

اِتنی لرزاں نہ تھی چراغ کی لَو
اپنے سائے سے ڈر گئی ہو گی

چاندنی ایک شب کی مہماں تھی
صبح ہوتے ہی مَر گئی ہو گی

دیر تک وہ خفا رہے مجھ سے
دُور تک یہ خبر گئی ہو گی

ایک دریا کے رُخ بدلتے ہی
اِک ندی پھر اُتر گئی ہو گی

جس طرف وہ سفر پہ نکلا تھا
ساری رونق اُدھر گئی ہو گی

رات سورج کو ڈھونڈنے کے لیے
تا بہ حدِّ سحر گئی ہو گی

میری یادوں کی دھوپ چھاؤں میں
اُس کی صورت نکھر گئی ہو گی

یا تعلّق نہ نبھ سکا اس سے
یا طبیعت ہی بھر گئی ہو گی

تیری پل بھر کی دوستی محسنؔ
اُس کو بدنام کر گئی ہو گی!

اپنے دُکھتے دل سے کہہ دو!

رات کے دو بجنے کو آئے
پھیل چلے سنّاٹے' سائے

زخموں کی ہریالی چُپ ہے
درد کے پیڑ آسیب زدہ ہیں
سوچ کی ڈالی ڈالی چُپ ہے

اپنے دُکھتے دل سے کہہ دو!
نیند کے جنگل میں کھو جائے
کافی جاگ لیا -- سو جائے

دُور ۔ "پہاڑی" کے سُر جاگے
مَست ہَوا نے لی انگڑائی!
رات نے اپنی لَٹ چھٹکائی

کون یہ روگی۔ جوگی ہوگا؟
جس کی جوگ بھری استھائی
"بھیرو" کی پازیب سے اُلجھی
سانس کے سَرگم سے ٹکرائی

کس کے ہونٹوں کی خوشبو نے
بانسریا کی لَے مہکائی؟

اپنے دُکھتے دل سے کہہ دو!
سب کے پردیسی اک جیسے
سب کا "سانوریا" ہرجائی

اُداس رُت، اِنتظار موسم

اُداس رُت

انتظار موسم

ہَوا کی یخ بستہ آہٹوں سے پَرے

خموشی کی زرد چادر بدن پہ اوڑھے

خزاں رسیدہ شجر کی ٹہنی پہ جھولتا چاند کہہ رہا ہے

کہ سو بھی جاؤ!

کہ سو بھی جاؤ اُداس لوگو!

وہ انجمن جس کی جھلملاتی تمام شمعیں

تمام راتیں

تمام باتیں

کبھی تمھاری محبتوں سے بھرے زمانوں کی ترجماں تھیں

کبھی تمھارے تمام لمحوں پہ مہرباں تھیں

وہ انجمن اب تمھاری سوچوں سے دُور

خوابوں کی دستکوں سے پرے سجے گی

وہاں پہ نوبت نئی بجے گی!!!

کبھی تمھارے بدن کی خوشبو سے کھیلتی تھی جو رات رانی

وہ ہجر کے اَدھ کھلے دریچے میں ہانپتے جس کی ہتھیلی پہ

آخری سانس لے رہی ہے

اُداس لوگو!

اُجاڑ آنکھوں کے آئینے توڑ دو کہ ان میں

نہ کوئی عکسِ نگارِ ہستی

نہ کوئی بستی بسا سکو گے

بس اک متاعِ حیات باقی ہے، اب جسے تم

گنوا سکو گے!

تو اِس سے پہلے کہ سانس کی ڈور ٹوٹ جائے!

ہَوا ہتھیلی سے

خوشبوؤں کا ہر ایک رشتہ ہی ٹوٹ جائے!

کِرن کواڑوں کو بند کر کے

اُجاڑ خوابوں کی رہگزر کا غبار آنکھوں میں بھر کے

ہر سُو ہَوا کے ہاتھوں بکھر بکھر کے

خود اپنے اندر کے دُکھ کی مٹی میں کھو بھی جاؤ!

ہَوا یہ کہتی ہے، سو بھی جاؤ!

اُداس رُت !

اِنتظارِ موسم!!

کبھی کسی کے نہ ہو سکیں گے!!!

بھول جاؤ مجھے.......!

وہ تو یوں تھا کہ ہم

اپنی اپنی ضرورت کی خاطر ملے!

اپنے اپنے تقاضوں کو پورا کیا

اپنے اپنے ارادوں کی تکمیل میں

تیرہ وتار خواہش کی سنگلاخ راہوں پہ چلتے رہے
پھر بھی راہوں میں کتنے شگوفے کھِلے
وہ تو یوں تھا کہ بڑھتے گئے سلسلے!!

ورنہ یوں ہے کہ ہم
اجنبی کل بھی تھے
اجنبی اب بھی ہیں
اب بھی یوں ہے کہ تُم
ہر قسم توڑ دو
سب ضدیں چھوڑ دو!

اور اگر یوں نہ تھا تو یونہی سوچ لو
تم نے اِقرار ہی کب کیا تھا کہ میں
تم سے منسُوب ہوں
میں نے اصرار ہی کب کیا تھا کہ تم
یاد آؤ مجھے!
بھول جاؤ مجھے!!

☆

متاعِ شامِ سفر بستیوں میں چھوڑ آئے
بجھے چراغ ہم اپنے گھروں میں چھوڑ آئے

بچھڑ کے تجھ سے چلے ہم تو اب کے یوں بھی ہُوا
کہ تیری یاد کہیں راستوں میں چھوڑ آئے

ہم اپنی دَر بدَری کے مشاہدے اکثر
نصیحتوں کی طرح کم سِنوں میں چھوڑ آئے

خراجِ سیلِ بلا اس سے بڑھ کے کیا ہو کہ لوگ
کھُلے مکان بھری بارشوں میں چھوڑ آئے

گِھرے ہیں لشکرِ اعدا میں اور سوچتے ہیں
ہم اپنے تیر تو اپنی صفوں میں چھوڑ آئے

ہوا ہی دن میں پرندے اُڑائے پھرتی ہے
ہوا ہی پھر سے اُنہیں گھونسلوں میں چھوڑ آئے

کسے خبر ہے کہ زخمی غزال کس کے لیے؟
نِشاں لہُو کے گھنے جنگلوں میں چھوڑ آئے

ہمارے بعد بھی رونق رہے گی مقتل میں
ہم اہلِ دل کو بڑے حوصلوں میں چھوڑ آئے

اُڑیں گے کیا وہ پرندے جو اپنے رزق سمیت
سفر کا شوق بھی ٹوٹے پَروں میں چھوڑ آئے

سدا سُکھی رہیں چہرے وہ ہم جنھیں محسنؔ

بجھے گھروں کی کھُلی کھڑکیوں میں چھوڑ آئے

☆

اڑان کی کوئی صورت نظر میں خاک نہیں
بجز نشانِ قفس بال و پر میں خاک نہیں

ہَوا متاعِ سفر پوچھنے کو آئی ہے
کہو کہ دامنِ اہلِ سفر میں خاک نہیں

یہ اِک چراغ، ہَوا سے رکھو بچا کے اِسے
یہ بُجھ گیا تو سمجھنا کہ گھر میں خاک نہیں

غبارِ ہمسفراں، آنکھ سے نہ اوجھل ہو
ترے سوا تو مری رہگزر میں خاک نہیں

کِسی کے سائیہ زلف و شعاعِ لب کے سوِا
دیارِ شام و حصارِ سحر میں خاک نہیں

بہت دنوں سے کمالِ ہُنر ہے خاک بہ سر
بہت دنوں سے کفِ کوزہ گر میں خاک نہیں

اُدھر وہ شور کہ سیلِ فنا ہے زوروں پر
اِدھر یہ حال کہ دیوار و در میں خاک نہیں

بس ایک ہم سے ہے قائم وقارِ فصلِ جنوں
وگرنہ ربط یہاں سنگ و سر میں خاک نہیں

کشش ہو کیا مرے فن میں کہ ان دنوں محسنؔ
خلش تو خواہشِ خونِ جگر میں خاک نہیں

☆

دریا مچل رہا ہے اگر انتقام کو
میں بھی لکھوں گا ریت پہ اب اپنے نام کو

کہتے ہیں اُس سے بچ کے گزرتی ہیں آندھیاں
جس قبر پر چراغ نہ جلتا ہو شام کو

ساحل بھگو رہی تھی سخاوت فُرات کی
گھیرا ہُوا تھا آگ نے میرے خیام کو

بیدارئ ضمیرِ کفِ خاک حشر ہے
سورج اُتر رہا ہے زمیں کے سلام کو

تنقید کر کے میرے ہُنر کی اُڑان پر
تسلیم کر رہا تھا وہ میرے مقام کو

جو تیری منتظر تھیں وہ آنکھیں ہی بجھ گئیں
اب کیوں سجا رہا ہے چراغوں سے بام کو

رُوٹھی ہوئی ہوائیں کہاں ہیں کہ دشت میں
محسنؔ ترس گئے ہیں بگولے خرام کو

☆

اب یہ معیارِ سفر لگتا ہے
کوئی صحرا بھی ہو گھر لگتا ہے

ہجر کی رات کے سنّاٹے میں
سانس لیتے ہوے ڈر لگتا ہے

شہر میں بے ہنری عام ہوئی
ہر کوئی اہلِ ہنر لگتا ہے

اپنی صورت سے ہے نفرت جس کو

وہ کوئی آئینہ گر لگتا ہے

نوکِ نیزہ پہ جو سج کر نِکلا
کسی خوددار کا سَر لگتا ہے

جب بھی ٹوٹے یہ بکھرتا جائے
دل کسی کُونج کا پَرَ لگتا ہے

جو بھرے شہر سے شب کو نکلا
وہ کوئی اہلِ خبر لگتا ہے

جس نے اِس شہر کی بُنیاد رکھی
اب وہی شہر بدر لگتا ہے

اب کے دریا میں نہ اُترو محسؔن
موج در موج بھنّور لگتا ہے

☆

ہجر کی صبح کے سورج کی اُداسی مت پُوچھ

جتنی کرنیں ہیں وہ اشکوں کی طرح پھوٹتی ہیں

تجھ سے پہلے بھی کئی زخم تھے سینے میں مگر!
اَب کے وہ درد ہے دل میں کہ رگیں ٹوٹتی ہیں

رات پھر اشک رہے دامنِ مژگاں سے اُدھر
کشتیاں شب کو کناروں سے کہاں چھوٹتی ہیں

گاؤں کے تنہا اندھیروں کی طرف لوٹ چلو
شہر کی روشنیاں، دل کا سکوں لوٹتی ہیں

اُجاڑ بستی کے باسیو! ایک دوسرے سے پرے نہ رہنا
ہوا درختوں سے کہہ گئی ہے، کِسی بھی رُت میں ہرے نہ رہنا

میں اپنے رُوٹھے ہُوئے قبیلے کی سازشوں میں گھِرا ہُوا ہوں
تم اجنبی ہو تو میرے آنگن کی وحشتوں سے ڈرے نہ رہنا

پھٹے ہُوئے بادباں کے پُرزے بکھر بکھر کے یہ کہہ رہے تھے
شکستہ کشتی کے ناخداؤ! ہواؤں کے آسرے نہ رہنا

یقیں ہے اب کے وصال موسم کے بانجھ پن کی دلیل ہوگا

تمھاری آنکھوں کی سیپیوں کا یہ موتیوں سے بھرے نہ رہنا

سخنورو اس منافقت سے تو خودکشی کا شعار سیکھو
زبان کا زخم زخم ہونا، حروف کا کھردرے نہ رہنا

دلوں کی بستی کے لوگ محسنؔ اجڑ اجڑ کے یہ کہہ گئے ہیں
جہاں وفاؤں میں کھوٹ دیکھو، وہاں سخن میں کھرے نہ رہنا

مِری گلی کے غلیظ بچّو!

مِری گلی کے غلیظ بچّو!
تم اپنے میلے بدن کی ساری غلاظتوں کو اُدھار سمجھو!
تمھاری آنکھیں!
اُداسیوں سے بھری ہوئی ہیں
اَزل سے جیسے ڈری ہوئی ہیں
تمھارے ہونٹوں پہ پیڑیوں کی جمی ہوی تہہ یہ کہہ رہی ہے
حیات کی آبجُو پسِ پشت بہہ رہی ہے
تمھاری جبیں منافقت سے اَٹی ہوئی ہیں
سبھی قمیصیں پھٹی ہوئی ہیں
تمھاری پھیکی ہتھیلیوں کی بجھی لکیریں
بقا کی اَبجد سے اجنبی ہیں
تمھاری قسمت کی آسمانی نشانیاں اب ''خطوط وحدانیوں''
کا مقسوم ہو رہی ہیں

نظر سے معدوم ہو رہی ہیں

مری گلی کے غلیظ بچّو!

تمھارے ماں باپ نے تمدّن کا قرض لے کر

تمھاری تہذیب بیچ دی ہے!

تمھارا استاد اپنی ٹوٹی ہوئی چھڑی لے کے چُپ کھڑا ہے!

کہ اُس کے سوکھے گلے میں نانِ جویں کا ٹکڑا اڑا ہوا ہے

مری گلی کے غلیظ بچّو!

تمھارے میلے بدن کی ساری غلاظتیں اب گئے زمانوں

کے ارمغاں ہیں

تمھارے ورثے کی داستاں ہیں

انھیں سنبھالو

کہ آنے والا ہر ایک لمحہ تمھارے جھڑتے ہوئے پپوٹوں سے

جانے والے دنوں کی

کُھرچن اُتار لے گا!

مری گلی کے غلیظ بچّو!

ضدوں کو چھوڑو!

قریب آؤ!!

رُتوں کی نفرت کو پیار سمجھو!

خزاں کو رنگِ بہار سمجھو!!

غلاظتوں کو اُدھار سمجھو!!!

جانتے تو ہم بھی تھے!

جانتے
تو ہم بھی تھے
مانتے
تو ہم بھی ہیں
اتنی تیز آندھی میں
کب چراغ جلتا ہے؟

دل مگر مچلتا ہے
دل کی ضد کو کیا کہیے!
اب کے ہم نے
سوچا ہے!
کم نفس چراغوں میں
اِک چراغ ایسا بھی
جل کے ہم جلائیں گے
تُند خُو ہوائیں بھی
اُس کو جب
بجھائیں گی
دل بھی بجھ ہی جائے گا!

☆

اب کے بارش میں تو یہ کارِ زیاں ہونا ہی تھا
اپنی کچّی بستیوں کو بے نشاں ہونا ہی تھا

کِس کے بس میں تھا ہَوا کی وحشتوں کو روکنا
برگِ گُل کو خاک، شعلے کو دھواں ہونا ہی تھا

جب کوئی سمتِ سفر طے تھی نہ حدِّ رہگزر
اے مرے رہرَو سفر تو رائیگاں ہونا ہی تھا

مجھ کو رُکنا تھا، اُسے جانا تھا اگلے موڑ تک
فیصلہ یہ اُس کے میرے درمیاں ہونا ہی تھا

چاند کو چلنا تھا بہتی سیپیوں کے ساتھ ساتھ
معجزہ یہ بھی تہہِ آبِ رواں ہونا ہی تھا

میں نئے چہروں پہ کہتا تھا نئی غزلیں سدا
میری اس عادت سے اُس کو بدگماں ہونا ہی تھا

شہر سے باہر کی ویرانی بسانا تھی مجھے
اپنی تنہائی پہ کچھ تو مہرباں ہونا ہی تھا

اپنی آنکھیں دفن کرنا تھیں غبارِ خاک میں
یہ ستم بھی ہم پہ زیرِ آسماں ہونا ہی تھا

بے صدا بستی کی رسمیں تھیں یہی محسنؔ مرے
میں زباں رکھتا تھا' مجھ کو بے زباں ہونا ہی تھا

☆

کٹھن تنہائیوں سے کون کھیلا' میں اکیلا
بھرا اب بھی مرے گاؤں کا میلہ' میں اکیلا

بچھڑ کر تجھ سے میں شب بھر نہ سویا' کون رویا؟
بجز میرے یہ دُکھ بھی کس نے جھیلا' میں اکیلا

یہ بے آواز بنجر بن کے باسی' یہ اُداسی!
یہ دہشت کا سفر' جنگل یہ "بیلہ" مَیں اکیلا

میں دیکھوں کب تلک منظر سُہانے' سب پُرانے
وہی دُنیا وہی دل کا جھمیلا' میں اکیلا

وہ جس کے خوف سے صحرا سدھارے' لوگ سارے
گزرنے کو ہے طوفاں کا وہ ریلا' میں اکیلا

☆

مرے کفن کی سیاہی دلیل ہے اس کی
مرے سوا مِرا پُرسہ کسی نے بھی نہ دیا

شبوں کی راکھ میں یوں گم ہُوا وجود مرا
مرا سراغ مری روشنی نے بھی نہ دیا

میں درگزر کا سبق دشمنوں سے لیتا ہوں
یہ درس مجھ کو تری دوستی نے بھی نہ دیا

سوال بن کے مری گُمرہی بکھرتی رہی
مگر جواب تری آگہی نے بھی نہ دیا!

☆

وہ اجنبی اجنبی سے چہرے وہ خواب خیمے رواں دواں سے
بسے ہوُے ہیں ابھی نظر میں سبھی مناظر دھواں دھواں سے

یہ عکسِ داغِ شکستِ پیماں وہ رنگِ زخمِ خلوُصِ یاراں

میں غمگساروں میں سوچتا ہوں کہ بات چھیڑوں کہاں کہاں سے؟

یہ سنگریزے عداوتوں کے وہ آبگینے سخاوتوں کے
دلِ مسافر قبول کر لے ملا ہے جو کچھ جہاں جہاں سے

بچھڑنے والے بچھڑ چلا تھا تو نسبتیں بھی گنوا کے جاتا
ترے لیے شہر بھر میں اب بھی مَیں زخم کھاؤں زباں زباں سے

مری محبت کے واہموں سے پرے تھا تیرا وجود ورنہ
جہاں جہاں تیرا عکس ٹھہرا میں ہو کے آیا وہاں وہاں سے

تو ہمنفس ہے نہ ہمسفر ہے کسے خبر ہے کہ تُو کدھر ہے؟
میں دستکیں دے کے پُوچھ بیٹھا مکیں مکیں سے مکاں مکاں سے

ابھی محبت کا اسمِ اعظم لبوں پہ رہنے دے جانِ محسنؔ!
ابھی ہے چاہت نئی نئی سی، ابھی ہیں جذبے جواں جواں سے

☆

باتیں تری الہام ہیں، جادُو تری آواز
رَگ رَگ میں اُترتی ہُوئی خوشبُو تری آواز

بہتے چلے جاتے ہیں تہہِ آب ستارے!
جیسے کہیں اُتری ہو لب جُو تری آواز

پابندِ شبِ کُنجِ قفس میں، مرا احساس
اُمید کی دھندلی سی کِرن تُو، تری آواز

میں شامِ غریباں کی اُداسی کا مسافر
صحراؤں میں جیسے کوئی جگنو تری آواز

لفظوں میں چھپائے ہُوئے بے ربط دلاسے
چنتی رہی شب بھر میرے آنسو تری آواز

بس ایک مرے شوق کی تسکین کی خاطر
کیا کیا نہ بدلتی رہی پہلو تری آواز

یہ ہجر کی شب بھیگ چلی ہے کہ مرے بعد
روتی ہے کہیں کھول کے گیسو تری آواز؟

دیکھوں تو وہی میں وہی چپ چپ سے درو بام
سوچوں تہ بکھر جائے ہر اِک سُو تری آواز

محسنؔ کے خیالوں میں اُترتی ہے سرِ شام
رِم جھم کی طرح باندھ کے گھنگھرو تری آواز

☆

چاہیے دنیا سے ہٹ کر سوچنا
دیکھنا صحرا، سمندر سوچنا

مار ڈالے گا ہمیں اس شہر میں
گھر کی تنہائی پہ اکثر سوچنا

دشمنی کرنا ہے اپنے آپ سے
آئینہ خانے میں پتھر سوچنا

چاندنی، مَیں، تُو، کنارِ آبجُو
بند آنکھوں سے یہ منظر سوچنا

چند تشبیہیں سجانے کے لیے
مُدّتوں اُس کے بدن پر سوچنا

ایک پَل ملنا کسی سے اور پھر
اہلِ فن کا زندگی بھر سوچنا

چاند ہے یا اس کے پیکر کے خطوط
جھیل کی تہہ میں اُتر کر سوچنا

رفعتِ دار و عروجِ بام کو
دوستو نوکِ سناں پر سوچنا

جاگتے رستوں میں کیا کچھ کھو گیا
اوڑھ کر خوابوں کی چادر سوچنا

خشک پتّوں کی طرح محسنؔ کبھی
تم بھی صحرا میں بکھر کر سوچنا

☆

ہجوم میں تھا وہ کُھل کر نہ رو سکا ہوگا
مگر یقیں ہے کہ شب بھر نہ سو سکا ہوگا

وہ شخص جس کو سمجھنے میں مجھ کو عمر لگی
بچھڑ کے مجھ سے کسی کا نہ ہو سکا ہوگا

لرزتے ہاتھ، شکستہ سی ڈور سانسوں کی
وہ خشک پھول کہاں تک پرو سکا ہوگا؟

بہت اُجاڑ تھے پاتال اُس کی آنکھوں کے
وہ آنسوؤں سے نہ دامن بھگو سکا ہوگا

مرے لیے وہ قبیلے کو چھوڑ کر آتا
مجھے یقیں ہے یہ اُس سے نہ ہو سکا ہوگا

☆

اب تو خواہش ہے کہ یہ زخم بھی کھا کر دیکھیں
لمحہ بھر کو ہی سہی اُس کو بھلا کر دیکھیں

شہر میں جشنِ شبِ قدر کی ساعت آئی
آج ہم بھی ترے ملنے کی دعا کو دیکھیں

آندھیوں سے جو اُلجھنے کی کسک رکھتے ہیں
اِک دیا تیز ہَوا میں بھی جلا کر دیکھیں

کچھ تو آوارہ ہواؤں کی تھکن ختم کریں
اپنے قدموں کے نشاں آپ مٹا کر دیکھیں

زندگی اب تجھے سوچیں بھی تو دم گھٹتا ہے
ہم نے چاہا تھا، کبھی تجھ سے وفا کر دیکھیں

جن کے ذرّوں میں خزاں ہانپ کے سو جاتی ہے

ایسی قبروں پہ کوئی پھول سجا کر دیکھیں

دیکھنا ہو تو محبت کے عزاداروں کو
ناشناسائی کی دیوار گِرا کر دیکھیں

یوں بھی دنیا ہمیں مقروض کیے رکھتی ہے
دستِ قاتل ترا احساں بھی اُٹھا کر دیکھیں

رونے والوں کے تو ہمدرد بہت ہیں محسنؔ
ہنستے ہنستے کبھی دنیا کو رُلا کر دیکھیں

☆

کوئی نئی چوٹ پھر سے کھاؤ' اُداس لوگو!
کہا تھا کس نے کہ مسکراؤ' اُداس لوگو!

گزر رہی ہیں گلی سے پھر ماتمہ ہوئیں
کِواڑ کھولو' دیئے بجھاؤ' اُداس لوگو!

جو رات مقتل میں بال کھولے اُتر رہی تھی
وہ رات کیسی رہی' سناؤ اُداس لوگو!

کہاں تلک بام و دَر چراغاں کیے رکھو گئے؟
بچھڑنے والوں کو بھول جاؤ اُداس لوگو!

اُجاڑ جنگل، ڈری فضا، ہانپتی ہوائیں
یہیں کہیں بستیاں بساؤ اُداس لوگو!

یہ کس نے سہمی ہوئی فضا میں ہمیں پکارا؟
یہ کس نے آواز دی کہ آؤ اُداس لوگو!

یہ جاں گنوانے کی رُت یونہی رائیگاں نہ جائے!
سرِ سناں کوئی سر سجاؤ اُداس لوگو!

اُسی کی باتوں سے ہی، طبیعت سنبھل سکے گی
کہیں سے محسنؔ کو ڈھونڈ لاؤ اُداس لوگو!

ایک نئے لفظ کی تخلیق

زندگی لفظ ہے
موت بھی لفظ ہے

زندگی کی تراشی ہوئی اوّلیں صَوت سے سرحدِ موت تک

لفظ ہی لفظ ہیں!!

''سانس'' بھی لفظ ہے

سانس لینے کی ہر اک ضرورت بھی لفظوں کی محتاج ہے

آگ، پانی، ہوا، خاک سب لفظ ہیں

آنکھ، چہرہ، جبیں، ہاتھ، لَب لفظ ہیں

صبح و شام و شفق، روز و شب لفظ ہیں

وقت بھی لفظ ہے

وقت کا ساز و آہنگ بھی

رنگ بھی سنگ بھی

امن بھی جنگ بھی

لفظ ہی لفظ ہیں

پھول بھی لفظ ہے

دُھول بھی لفظ ہے

لفظ قاتل بھی ہے

لفظ مقتول بھی

لفظ ہی ''خوں بہا''!

لفظ دستِ دعا!!

لفظ ارض و سَما!!!

صبحِ فصلِ بہاراں بھی اِک لفظ ہے

شامِ ہجرِ نگاراں بھی اِک لفظ ہے

رونقِ بزمِ یاراں بھی اِک لفظ ہے

محفلِ دلفگاراں بھی اِک لفظ ہے

'' مَیں '' بھی اک لفظ ہوں

’’ تُو ‘‘ بھی اک لفظ ہے!

آ کہ لفظوں کی صورت فضاؤں میں مل کر بکھر جائیں ہم
اِک نیا لفظ تخلیق کر جائیں ہم
آ کہ مر جائیں ہم

اے شبِ ہجرِ یاراں!

اے شبِ ہجرِ یاراں!
تری ہچکیاں کون سُنتا ہے؟
کوئی بھی سنتا نہیں!
جاگتی آنکھ میں خواب کی جھالریں
کون بُنتا ہے؟
کوئی بھی بُنتا نہیں!
مسکراتے ستاروں کے انبوہ میں رقص کرتی ہوئی
کہکشاں چھوڑ کر
قریۂ مہر و مہتاب کے آئنے توڑ کر
لعل و یاقوت و مرجاں بھری وادیوں سے دل و جاں کے
سب رابطے جوڑ کر
سنگریزوں کی صورت بکھرتے ہوئے
چند آنسو ترے
کون چُنتا ہے؟
کوئی بھی چُنتا نہیں؟

اے شب ہجرِ یاراں' مرے پاس آ

میرے پہلو میں سو جا کہ میں بھی تو اپنے بھرے شہر میں

ہوں اکیلا بہت

میرے پہلو میں سو جا کہ شاید مرے دُکھ کی آغوش میں

تجھ کو سُکھ سانس لینے کی فرصت مِلے

تجھ کو لوری سُنائے اُداسی مری

(مدّتوں سے ہے آغوش پیاسی مری)

اے شب ہجرِ یاراں

مری ہمسفر!

میں تیرا نوحہ خواں!

میرا آوارہ دل مدّتوں سے ترے درد کا چارہ گر!

تُو مری مہرباں!

میں ترا راز داں

میری جاں' یوں تو کہنے کو چارہ گرِ رنج و غم

اِک جہاں!!!

پھر بھی میرے سوا

اے شبِ ہجرِ یاراں' تری ہچکیاں

کون سُنتا ہے

کوئی بھی سنتا نہیں......!!!

☆

زخموں سے گوشۂ دلِ ویراں سجا لیا
ہم نے خزاں میں جشنِ بہاراں منا لیا

سورج سے چال چل کے بیاباں کی دھوپ نے
اِک بے کفن درخت کا سایہ چُرا لیا

بربادیوں کی رات! مری بے بسی تو دیکھ
گِرتے ہوئے مکاں نے مرا آسرا لیا

یاروں کا ذکر کیا کہ وفا کی تلاش میں
ہم نے تو دشمنوں کو بھی دل میں بسا لیا

آہٹ سنی ہوا کی تو محسن نے خوف سے
جلتا ہوا دِیا تہہِ داماں چھپا لیا

☆

چاہت کا رنگ تھا نہ وفا کی لکیر تھی
قاتل کے ہاتھ میں تو حِنا کی لکیر تھی

خوش ہوں کہ وقتِ قتل مرا رنگ سرخ تھا
میرے لبوں پہ حرف دعا کی لکیر تھی

میں کارواں کی راہ سمجھتا رہا جسے
صحرا کی ریت پر وہ ہوا کی لکیر تھی

سورج کو جس نے شب کے اندھیروں میں گُم کیا
موجِ شفق نہ تھی وہ قضا کی لکیر تھی

گزرا ہے شب کو دشت سے شاید وہ پردہ دار
ہر نقشِ پا کے ساتھ رِدا کی لکیر تھی

کل اُس کا خط ملا کہ صحیفہ وفا کا تھا
محسنؔ ہر ایک سطر حیا کی لکیر تھی

☆

پھر وہی میں ہوں وہی شہر بدر سنّاٹا
مجھ کو ڈس لے نہ کہیں خاک بسر سنّاٹا

دشتِ ہستی میں شب غم کی سحر کرنے کو
ہجر والوں نے لیا رختِ سفر سناّٹا

کس سے پوچھوں کہ کہاں ہے مرا رونے والا
اِس طرف میں ہوں، مرے گھر سے اُدھر سناّٹا

تُو صداؤں کے بھنور میں مجھے آواز تو دے
تجھ کو دے گا مرے ہونے کی خبر سناّٹا

اُس کو ہنگامۂ منزل کی خبر کیا دو گے؟
جس نے پایا ہو سرِ راہگزر ۔ سناّٹا

حاصلِ کُنجِ قفس، وہم بکف تنہائی!
رونقِ شامِ سفر، تابہ سحر سناّٹا

قسمتِ شاعرِ سیماب صفت، دشت کی موت
قیمتِ ریزۂ الماسِ ہُنر سناّٹا

جانِ محسنؔ مری تقدیر میں کب لکھا ہے
ڈوبتا چاند، ترا قُرب، گجر، سناّٹا

☆

وہ دن کہاں کہ اب کوئی محفل سجایئے
اِک دل ہے سو اسی سے محبت نبھایئے

منسوب کس سے کیجیے اشکوں کے آئینے
اب کس کی راہ میں یہ خزانے لُٹایئے؟

منظر جو آنکھ میں ہے گنوا دیجیے اُسے
پتّھر جو دل پہ ہے اُسے کیسے ہٹایئے

اب کون ہے جو دے ہمیں جینے کا حوصلہ
اتنے دُکھوں میں کس کے لیے مُسکرایئے

کب تک کسی کی یاد سے رکھیے معاملہ!
آندھی میں اِک چراغ کہاں تک جلایئے

محسنؔ جو پَل میں توڑ دے صدیوں کی دوستی
اُس بے وفا کی سالگرہ کیا منایئے؟

☆

اِنکار کیا کرے گی ہَوا میرے سامنے

گھر کا ہر اِک چراغ بجھا میرے سامنے

یاد آ نہ جائے مقتلِ یاراں کی رات پھر
نیزے پہ کوئی سَر نہ سجا میرے سامنے

اُس کے خلوص میں بھی ضرورت کا رنگ تھا
وہ دے رہا تھا مجھ کو دعا میرے سامنے!

مجھ سے بچھڑ کے خط میں لکھی اس نے دل کی بات
کیوں اُس کو حوصلہ نہ ہُوا میرے سامنے؟

میرے لہُو سے تیرا لبادہ بھی تر ہُوا
اب میرا سوگ تُو نہ مَنا میرے سامنے

دل پر ہے نقش لطفِ عزیزاں کا سلسلہ
سب پر کرم وہ میرے سوا میرے سامنے

وہ جھوٹ ہی سہی مجھے یوں بھی عزیز ہے
کہنا تھا جو بھی، اُس نے کہا، میرے سامنے

جیسے میں آشنائے چمن ہی نہ تھا کبھی
گزری ہے یوں بھی آج صبا میرے سامنے

وہ لمحۂ نزولِ قیامت سہی مگر ۔۔!
اِک دن تو آئے میرا خدا میرے سامنے

کل تک جو آئینے سے بھی نازک مزاج تھا
محسنؔ وہ شخص ٹوٹ گیا میرے سامنے

☆

مِل گیا تھا تو اُسے خود سے خفا رکھنا تھا
دل کو کچھ دیر تو مصروفِ دعا رکھنا تھا

میں نہ کہتا تھا کہ سانپوں سے اَٹے ہیں رستے
گھر سے نکلے تھے تو ہاتھوں میں عصا رکھنا تھا

بات جب ترکِ تعلّق پہ ہی ٹھہری تھی تو پھر
دل میں احساسِ غمِ یار بھی کیا رکھنا تھا

دامنِ موجِ ہَوا یوں تو نہ خالی جاتا
گھر کی دہلیز پہ کوئی تو دیا رکھنا تھا

کوئی جگنو تہہِ داماں بھی چھپا سکتے تھے
کوئی آنسو پسِ مژگاں ہی بچا رکھنا تھا

کیا خبر اُس کے تعاقب میں ہوں کتنی سوچیں؟
اپنا انداز تو اوروں سے جدُا رکھنا تھا

چاندنی بند کواڑوں میں کہاں اُترے گی؟
اِک دریچہ تو بھرے گھر میں کھلا رکھنا تھا

اُس کی خوشبو سے سجانا تھا جو دل کو محسنؔ
اُس کی سانسوں کا لقب موجِ صبا رکھنا تھا

☆

کب تلک اپنی دُہائی دے گا
خود سے کیا خود کو رہائی دے گا؟

آخری بار صدا دے مجھ کو!
پھر مجھے کچھ نہ سُنائی دے گا

اِسی اُمید پہ دیکھوں ہر سُو
وہ اگر ہے تو دکھائی دے گا

پھر وہ یاد آیا ہے لمحہ بھر کو
پھر وہ صدیوں کی جدُائی دے گا

دل سے کیا عذرِ محبت کیجے!
غیر کیا اپنی صفائی دے گا؟

کُنجِ قفس میں پیار کی پہلی سالگرہ

جاناں اِک پل آنکھیں کھولو!
آج کے دن تنہائی کیسی؟

دھوپ کی زردی گوشۂ زنداں میں یوُں اُتری
جیسے ایک اُداس مُسافر
دشت میں تھک کر بیٹھ گیا ہو!
آج ہوا کے ہاتھ میں سُوکھے پتّوں کا گلدستہ کیوں ہے؟
آج فضا یخ بستہ کیوں ہے؟
طوق و سلاسِل مُہر بہ لب ہیں
سنّاٹے کے بوجھل قدموں کی ہر آہٹ اندیشوں کے سیلِ رواں
میں بہتی جائے

پتھر دل کی سہمی دھڑکن!
زیرِ زباں کچھ کہتی جائے!!

''روزن'' اب تک جاگ رہا ہے

جیسے تُو آنے والی ہو!

جیسے تیرے نرم لبوں کی ریشم کرنیں

اپنے دامن میں تیری آواز سمیٹے

میری بند آنکھوں پر دونوں ہاتھ رکھیں اور پوچھیں ''بوُجھو!''

کس کی یاد کا لمس تمھارے گرم لبوں کو چوُم رہا ہے؟

ایک زمانہ گھوم رہا ہے

جاناں! اِک پل آنکھیں کھولو!

دیکھو آج ہمارے پیار کی پہلی سالگرہ کا

پہلا دن ہے

پہلا دن کتنا کم سِن ہے!!

دیکھو ہر سو گونج رہی ہے جذبوں کی شہنائی کیسی؟

آج کے دن تنہائی کیسی؟؟

جاناں اِک پل آنکھیں کھولو!

طوق و سلاسِل مُہر بہ لب ہیں

کچھ تو بولو!!

☆

دلوں میں اُٹھتے ہوُے دردِ بے کنار کی خیر

درِ قفس سے اُدھ شامِ انتظار کی خیر

مزاجِ طوق و سلاسل کی برہمی کو دُعا
مقامِ شوق سلامت، صلیب و دار کی خیر

تھکے تھکے ہوئے قدموں کی آہٹوں کو سلام
بجھی بجھی ہوئی اک ایک رہگزار کی خیر

خراج دینے کو آیا ہے چاندنی کا جلوس
قفس میں خاک نشینوں کے اقتدار کی خیر

کبھی جو دھوپ میں آثار آندھیوں کے بڑھے
مسافروں نے کہا، نخلِ سایہ دار کی خیر!

دکانِ شیشہ میں پتّھر سجا کے بیٹھا ہے
فقیہہِ شہر کے بے سود کاروبار کی خیر

شگفتِ گُل پہ ہیں پہرے صبا ہے خاک بسر
چمن میں رونقِ ہنگامۂ بہار کی خیر!

کڑک رہی ہیں کمانیں عدُو کے لشکر کی
فصیلِ شہر کے خوابیدہ پہریدار کی خیر!

مزاجِ موجۂ خوشبو میں برہمی ہے بہت
قبائے حسنِ چمن تیرے تار تار کی خیر

گلاب لفظ مہکتے رہیں سدا محسنؔ!

فضائے دشتِ سخن میں ہو خار خار کی خیر!

☆

بچھڑے ہوئے یاروں کی صدا کیوں نہیں آتی
اب روزنِ زنداں سے ہَوا کیوں نہیں آتی؟

تُو اَب بھی سلامت ہے سفر میں تو مُسافرِ!
تیرے لیے ہونٹوں پہ دعا کیوں نہیں آتی

پتھّر ہو تو کیوں خوفِ شب غم سے ہو لرزاں؟
انساں ہو تو جینے کی ادا کیوں نہیں آتی

اِک پیڑ کے سائے سے ہَوا پُوچھ رہی ہے
اب دشت میں مخلوق خدا کیوں نہیں آتی؟

چہروں پہ وہ سرسوں کی دھنک کیا ہوئی یارو
ہاتھوں سے وہ خوشبوئے حِنا کیوں نہیں آتی

بستی کے سبھی لوگ سلامت ہیں تو محسنؔ
آواز کوئی اپنے سوا کیوں نہیں آتی

☆

درِ قفس سے پرے جب صبا گزرتی ہے
کسے خبر کہ اسیروں پہ کیا گزرتی ہے

تعلّقات کبھی اس قدر نہ ٹوٹے تھے
کہ تیری یاد بھی دل سے کفا گزرتی ہے

وہ اب ملے بھی تو ملتا ہے اِس طرح جیسے
بُجھے چراغ کو چھُو کر ہَوا گزرتی ہے

فقیر کب کے گئے جنگلوں کی سَمت مگر
گلی سے آج بھی اُن کی صدا گزرتی ہے

یہ اہلِ ہجر کی بستی ہے، احتیاط سے چل!
مصیبتوں کی یہاں انتہا گزرتی ہے

نہ پوُچھ اپنی اَنا کی بغاوتیں محسؔن
درِ قبول سے بچ کر دُعا گزرتی ہے

☆

جن پر ستم تمام قفس کی فضا کے تھے
مجرم وہ لوگ اپنی شکستِ اَنا کے تھے

اے دشتِ خار ہم سے حسابِ کرم نہ مانگ
پاؤں میں آبلے تھے مگر اِبتدا کے تھے

لب پر سجا لیے تھے یونہی اجنبی سے نام
دل میں تمام زخم کِسی آشنا کے تھے

پتّوں سے بھر رہے تھے ہواؤں کی جھولیاں
گِرتے ہوئے شجر بھی سخی اِنتہا کے تھے

گہرے سمندروں میں کہاں عکسِ آسماں
پانی میں جتنے رنگ تھے، سارے خلا کے تھے

اب دھول اوڑھنا بھی میسّر نہیں جنھیں
وارث وہ اہلِ دل کبھی ارض و سما کے تھے

جن سے اُلجھ رہی تھیں ہواؤں کی شورشیں
محسنؔ وہ دائرے تو مرے نقشِ پا کے تھے

☆

بنامِ طاقت کوئی اشارہ نہیں چلے گا
اُداس نسلوں پہ اب اجارہ نہیں چلے گا

ہم اپنی دھرتی سے اپنی ہر سمت خود تلاشیں
ہماری خاطر کوئی ستارہ نہیں چلے گا

حیات اب شامِ غم کی تشبیہہ خود بنے گی
تمہاری زلفوں کا استعارہ نہیں چلے گا

چلو سروں کا خراج نوکِ سناں کو بخشیں!
کہ جاں بچانے کا اِستخارہ نہیں چلے گا

ہمارے جذبے بغاوتوں کو تراشتے ہیں
ہمارے جذبوں پہ بس تمہارا نہیں چلے گا

ازل سے قائم ہیں دونوں اپنی ضدوں پہ محسنؔ
چلے گا پانی مگر کنارہ نہیں چلے گا

☆

کچھ اس ادا سے مرے یار سر کشیدہ ہوئے
کہ فتح پا کے بھی قاتِل علَم دریدہ ہوئے

عجیب طور سے ڈوبا ہے ڈوبنے والا
کہ ساحلوں کے بگُولے بھی آبدیدہ ہوئے

جو اپنے سائے کی قامت سے خوف کھاتے ہیں
ہمارے بعد وہی لوگ برگزیدہ ہوئے

میں چپ رہا تو اُنھیں مجھ پہ اُنگلیاں کیا کیا
زباں ملی تو مرے حرف ناشنیدہ ہوئے

ہماری لاش سے گزرے تو بے خبر گزرے
وہ جن کے نام پہ ہم لوگ سربریدہ ہوئے

جنھیں غرور تھا اپنی ستمگری پہ بہت
ستم تو یہ ہے کہ وہ بھی ستم رسیدہ ہوئے

عصائے حق ہے میسّر نہ تختِ دل محسنؔ
ہم ایسے لوگ بھی کس سَن میں سِن رسیدہ ہوئے

☆

گرمِ سفر عدو کا قبیلہ دکھائی دے
منزل کا اب کوئی تو وسیلہ دکھائی دے

یاد آئیں اپنے خیمۂ ویراں کی رونقیں
صحرا مین جب کہیں کوئی ٹیلہ دکھائی دے

دیوار سنگ ہو کہ درِ گوشۂ قفس
سر پھوڑنے کو اب کوئی حیلہ دکھائی دے

شاید غبارِ رنگ میں گم ہیں حقیقتیں
ورنہ یہ آسماں کسے نیلا دکھائی دے

رویا ہے اس قدر کہ اب آنکھیں گلاب ہیں
وہ شخص روٹھ کر بھی نشیلا دکھائی دے

محسنؔ جو دے گیا مجھے سانسوں کی بانسری
فنکار کس قدر وہ سُریلا دکھائی دے

☆

میں جاں بہ لب تھا پھر بھی اصولوں پہ اَڑ گیا
بجھتا ہُوا چراغ ہواؤں سے لڑ گیا

خالی پڑے ہوئے ہیں پرندوں کے گھونسلے
ایسی ہَوا چلی کہ ہر اِک پیڑ جَھڑ گیا

کس کس کا ساتھ دے کوئی میلے کی بھیڑ میں
پھر یوں ہُوا کہ وہ بھی اچانک بچھڑ گیا

میں نے قدم بڑھائے جو صحرا کی دھوپ میں
گھبرا کے میرا سایہ میرے پاؤں پڑ گیا

اُس آئینے کے عکس ہی ٹیڑھے تھے سب کے سب
مجھ کو یہ وہم تھا مرا چہرہ بِگڑ گیا

محسنؔ دلِ غریب کی ویرانیاں تو دیکھ
کیسا نگر تھا جو ترے ہاتھوں اُجڑ گیا

میرا نوحہ اِنہی گلیوں کی ہَوا لِکھّے گی!

میں کہ اِس شہر کا سیماب صفت شاعر ہوں
میری تخلیق مرے فکر کی پہچان بھی ہے

میرے حرفوں مِرے لفظوں میں ہے چہرا میرا
میرا فن اب مرا مذہب مرا ایمان بھی ہے

میؔر و غالبؔ نہ سہی، پھر بھی غنیمت جانو!
میرے یاروں کے سرہانے مرا دیوان بھی ہے

مجھ سے پوچھو کہ شکستِ دل و جاں سے پہلے
میرے احساس پہ گزری ہے قیامت کیا کیا؟

سائیہ دار و شب غم کی سخاوت سے الگ؟
میں نے سوچی قد و گیسو کی علامت کیا کیا؟

میرے ٹوٹے ہوئے خوابوں کے خرابوں سے پرے
میرے بکھرے ہوُے جذبے تھے سلامت کیا کیا؟

طنزِ اَغیار سے احباب کے اخلاص تلک
میں نے ہر نعمتِ عظمیٰ کا لبادہ پہنا!

دستِ قاتل کی کشش آپ گواہی دے گی
میں نے ہر زخمؑ قبا سے بھی زیادہ پہنا

میری آنکھوں میں خراشیں تھیں دھنک کی لیکن

میری تصویر نے ملبوس تو سادہ پہنا!

ضربتِ سنگِ ملامت مرے سینے پہ سجی!
تمغۂ جُراُت و اعزازِ حکومت کی طرح

کھُل کے برسی مری سوچوں پہ عداوت کی گھٹا
آسمانوں سے اُترتی ہوئی دولت کی طرح

قریہ قریہ ہوئی رسوا مرے فن کی چاہت
کونے کونے میں بکھرتی ہوئی شہرت کی طرح

مجھ پہ کڑکی ہیں کمانیں مرے غمخواروں کی
میرے اشکوں کا تماشہ سرِ بازار ہُوا

میرے آنگن میں حوادث کی سواری اُتری
میرا دل وجہِ عذابِ در و دیوار ہُوا

عشق میں عزّتِ سادات بُھلا کر اکثر!
میر صاحب کی طرح میں بھی گنہگار ہُوا

اپنی اُجڑی ہوئی آنکھوں سے شعاعیں لے کر
مَیں نے بجھتی ہوئی سوچوں کو جوانی دی ہے

اپنی غزلوں کے سخن تاب ستارے چُن کر

سنگریزوں کی بھی آشفتہ بیانی دی ہے

حسنِ خاکِ رہِ یاراں سے محبت کر کے
میں نے ہر موڑ کو اک تازہ کہانی دی ہے

مجھ سے روٹھے ہیں مرے اپنے قبیلے والے
میرے سینے میں ہر اک تیرِ ستم ٹوٹا ہے

لفظ و معنی کے تقاضوں سے اُلجھ کر اکثر!
میرے ہاتھوں مرا مجروح قلم ٹوٹا ہے

کربِ ناقدرئی یاراں کے بھنور میں گھر کر
بارہا دل کی طرح شوق کا دَم ٹوٹا ہے

میں کہ اس شہر کا سیماب صفت شاعر ہوں
میں نے اِس شہر کی چاہت سے شرف پایا ہے

میرے اعداً کا غضب ابرِ کرم ہے مجھ کو
میرے حباب کی نفرت میرا سرمایہ ہے

میری بکھری ہوئی رسوائی ہے شہرت میری
میرے صحرا کی تمازت مِرا سرمایہ ہے

مطمئن ہوں کہ مجھے یاد رکھے گی دُنیا!
جب بھی اِس شہر کی تاریخِ وفا لکھّے گی!

میرے گھر کے در و دیوار مجھے سوچیں گے
وسعتِ دشت مجھے آبلہ پا لکھّے گی!

میرا ماتم اسی چپ چاپ فضا میں ہو گا
میرا نوحہ اِنہی گلیوں کی ہَوا لکھّے گی

☆

چاندنی، سوچ، صدا، راہ گزر آوارہ
صورتِ گردِ سفر اہلِ سفر آوارہ

تجھ سے بچھڑا ہوں تو لگتے ہیں مجھے اپنی طرح
یہ دروبام و دل و دیدۂ تر، آوارہ

ڈوبتا دن جہاں کرنوں کے نشاں چھوڑ گیا
رات بھٹکے گی ہوں تا بہ سَحر، آوارہ

جسم کی قید نہیں، نوکِ سناں پر ہی سہی
شہر در شہر پھرے شورشِ سر، آوارہ

جب کبھی تیز ہوئی اپنے سفر کی گردش

میں نے دیکھے ہیں کئی گھومتے گھر، آوارہ

کب تلک نقشِ کفِ پائے صبا ڈھونڈھیں گے
ہم بگولوں کی طرح شہر بدر، آوارہ!

جب ترا ہجر بھی تسکیں کے بہانے ڈھونڈے
کیوں نہ ٹھہرے مرا معیارِ نظر آوارہ

گھر سے نکلو کہ یہی رسمِ جہاں ہے محسنؔ
بے ہُنر گوشہ نشیں، اہلِ ہنر آوارہ

کب تلک یہ عذاب دیکھوں میں
گھر میں صحرا کے خواب دیکھوں میں

اِک نہ اِک نہ یہ ضد ڈبو دے گی!
سیپیاں زیرِ آب دیکھوں میں

چھین لی ظلمتوں نے بینائی
کیا سوئے آفتاب دیکھوں میں

اپنے اندر جمُود طاری ہے!
شہر میں انقلاب دیکھوں میں

روز تیری نشانیاں چاہوں!
روز اپنی کتاب دیکھوں میں

اَبر تشنہ لبی کا دُشمن ہے
ریت چمکے، سراب دیکھوں میں

جس کو پانا محال ہے محسنؔ
اُس سے ملنے کے خواب دیکھوں میں

☆

ہجر کی شب کا نشاں مانگتے ہیں
ہم چراغوں سے دھواں مانگتے ہیں

کس قدر دھوپ ہے، صحرا میں کہ لوگ
سائیہ ابرِ رواں مانگتے ہیں

جب رگِ گُل کو ہَوا چھیڑتی ہے
ہم ترا لطفِ بیاں مانگتے ہیں

شہر والے بھی ہیں سادہ کتنے
دشت میں رہ کے مکاں مانگتے ہیں

تیرا معیارِ سخاوت معلوم!
ہم تجھے تجھ سے کہاں مانگتے ہیں؟

دل سے تسکیں کی طلب ہے ہم کو
دشمنِ جاں سے اماں مانگتے ہیں

منصفِ شہر ہے برہم اس پر
لوگ کیوں اذنِ بیاں مانگتے ہیں

صحنِ مقتل سے گواہی لے لو!
سرکشیدہ ہی سناں مانگتے ہیں

آنکھ سے خونِ جگر کی خواہش؟
ہم بھی کیا جنسِ گراں مانگتے ہیں

ہم بگولوں سے بھی اکثر محسنؔ
رونقِ ہمسفراں مانگتے ہیں

☆

محبتوں پہ بہت اعتماد کیا کرنا
بھلا چکے ہیں اُسے پھر سے یاد کیا کرنا؟

اِسی سبب سے کیا سَر سپُردِ نوک سناں
کہ جُرم بیعتِ ابنِ زیاد کیا کرنا

وہ بے وفا ہی سہی اُس پہ تہمتیں کیسی
ذرا سی بات پہ اتنا فساد کیا کرنا

کچھ اس لیے بھی میں پَسپا ہُوا ہُوں مقتل میں
کہ بہرِ مالِ غنیمت جہاد کیا کرنا

مخالفوں سے تو ممکن ہے دوستی اپنی
منافقوں سے مگر اِتحاد کیا کرنا

مسافتیں ہی پہن لیں تو منزلوں کے لیے
اب اعتبارِ رُخِ گرد باد کیا کرنا

نگاہ میں جو اُترتا ہے دل سے کیوں اُترے
دل و نگاہ میں پیدا تضاد کیا کرنا

مَیں اس لیے اُسے اب تک نہ چھوُ سکا محسنؔ
وہ آئینہ ہے اُسے سنگ زاد کیا کرنا

☆

یہ جینا کیا ہے، رسمِ جاں کنی ہے
مری ہر سانس نیزے کی اَنی ہے

کبھی سورج سوا نیزے پر اُترے
یہ کیسی برف کی چادر تنی ہے؟

ہَوا ہے یا کوئی ننگی بھکارن؟
یہ بیٹی کِس دُکھی ماں نے جنی ہے؟

مرا سایا مجھے چھاؤں نہ دے گا
مری اُس سے پُرانی دُشمنی ہے

وہ شہزادی ہے دونوں موسموں کی
بدن کندن، دوپٹہ کاسنی ہے

مری آنکھیں دکاں ہیں جوہری کی!
مرا ہر اشک ہیرے کی کنی ہے

رُخِ گُل بھیگ جائے گا یقیناً
کِرن، بادل کی چادر میں چھنی ہے

سیہ راتیں، کھلی سڑکیں سب اُس کی
ترا محسنؔ مقدّر کا دھنی ہے

مَیں سوچتا ہوں!

فِراق صبحوں کی بجھتی کرنیں!
وصال شاموں کی جلتی شمعیں!!
زوال زرداب خال و خد سے اَٹے زمانے
یہ ہانپتی دھوپ، کانپتی چاندنی سے چہرے!
ہیں میرے احساس کا اثاثہ

بہار کے بے کنار موسم میں کھلنے والے
تمام پھولوں سے پھوٗٹتے رنگ،
وحشتوں میں گھرے
لبوں کے کُھلے دریچوں سے بہنے والے حروف
میری نشانیاں ہیں!

تو میرا نام نہ پوچھا کر.....!

تو میرا نام نہ پُوچھا کر
میں تیری ذات کا حِصّہ ہوں
میں تیری سوچ میں شامل ہوں
میں تیری نیند کا قصّہ ہوں
میں تیرے خواب کا حاصل ہوں

میں تیری یاد کا محور ہوں
میں تیری سانس کا جھونکا ہوں
تو منظر، میں پس منظر ہوں
میں لمحہ ہوں میں جذبہ ہوں

جذبے کا کوئی نام نہیں
تو میرا نام نہ پوچھا کر!

آئینہ تو اُجلا ہے!

ہم تو کل بھی کہتے تھے
اپنے عکس کی کالک
دھل سکے تو دھو ڈالو!
عکس کی صباحت کو
''برص'' چاٹ لیتا ہے

ہم تو کل بھی کہتے تھے
اپنی ٹیڑھی آنکھوں کے
ترچھے زاویے بدلو!
زاویے جو ترچھے ہوں
مستقیم راہوں کا
کب سُراغ ملتا ہے؟
آئینے کی عظمت سے
اب حقارتیں کیسی؟
عکس سے گُریزاں ہیں
اب بصارتیں کیسی؟
اپنے آپ سے کب تک؟
یوں نظر چراؤ گے
آئینہ جو توڑو گے

خود بھی ٹوٹ جاؤ گے

☆

کبھی جو عہدِ وفا مری جاں ترے مرے درمیان ٹوٹے
میں چاہتا ہوں کی اس سے پہلے زمیں پہ یہ آسمان ٹوٹے

تری جُدائی میں حوصلوں کی شکست دل پر عذاب ٹھہری
کہ جیسے مُنہ زور زلزلوں کی دھمک سے کوئی چٹان ٹوٹے

اُسے یقیں تھا کہ اُس کو مرنا ہے پھر بھی خواہش تھی اُس کے دل میں
کہ تیر چلنے سے پیشتر دستِ دشمناں میں کماں ٹوٹے

سبھی دلیلیں سنبھال کر بھی مرے وکیلو یہ سوچ لینا
وہیں پہ میری شکست ہو گی جہاں بھی میرا بیان ٹوٹے

فنا کے ٹیلے پہ خیمۂ جاں ہَوا کے جھونکے سے یوں گرا ہے
کہ جیسے بدقسمتی سے بُزدل شکاریوں کی مچان ٹوٹے

وہ سنگ ہے تو گرے بھی دل پر وہ آئنہ ہے تو چبھ ہی جائے
کہیں تو میرا یقین بکھرے کہیں تو میرا گمان ٹوٹے

اُجاڑ بَن کی اُداس رُت میں غزل تو محسنؔ نے چھیڑ دی ہے

کسے خبر ہے کہ کس کے معصوم دل پہ اب کے یہ تان ٹوٹے؟

☆

تمام شب یونہی دیکھیں گی سوئے در آنکھیں
تجھے گنوا کے نہ سوئیں گی عمر بھر آنکھیں

طلوعِ صبح سے پہلے ہی بجھ نہ جائیں کہیں!
یہ دشتِ شب میں ستاروں کی ہمسفر آنکھیں

ستم یہ کم تو نہیں دل گرفتگی کے لیے!
میں شہر بھر میں اکیلا' اِدھر اُدھر آنکھیں

شمار اُس کی سخاوت کا کیا کریں کہ وہ شخص
چراغ بانٹتا پھرتا ہے چھین کر آنکھیں

وہ پاس تھا تو زمانے کو دیکھتی ہی نہ تھیں
بچھڑ گیا تو ہوئیں پھر سے در بدر آنکھیں

ابھی کہاں تجھے پہچاننے کی ضد کیجے!
ابھی تو خود سے بھی ٹھہری ہیں بے خبر آنکھیں

میں اپنے اشک بچاؤں گا کس طرح محسنؔ؟

زمانہ سنگ بکف ہے تو شیشہ گر آنکھیں

☆

مرے سوا سرِ مقتل مقام کس کا ہے
کہو کہ اب لبِ قاتل پہ نام کس کا ہے

یہ تخت و تاج و قبا سب اُنھیں مبارک ہوں
مگر بہ نوکِ سناں احترام کس کا ہے

تمھاری بات نہیں، تم تو چارہ گر تھے مگر
یہ جشنِ فتح پس قتلِ عام کس کا ہے؟

ہماری لاش پہ ڈھونڈو نہ اُنگلیوں کے نشاں
ہمیں خبر ہے عزیزو! یہ کام کس کا ہے

فنا کے ہانپتے جھونکے ہَوا سے پوچھتے ہیں
جبینِ وقت پہ نقشِ دوام کس کا ہے؟

تمھاری بات تو حرفِ غلط تھی، مٹ بھی گئی
اُتر گیا جو دلوں میں، کلام کس کا ہے

وہ مطمئن تھے بہت قتل کر کے محسنؔ کو!

مگر یہ ذکرِ وفا صبح و شام کس کا ہے؟

☆

چوٹ گہری لگی، زخم آئے بہت
اب کے یوں تھا کہ ہم مسکرائے بہت

جس نے پردیس میں یاد رکھا مجھے
مجھ کو اُس کا پتہ بھول جائے بہت

ہر نئے عشق کا اپنا معیار تھا
تجربے ہم نے بھی آزمائے بہت

جس میں شب بھر کو سونے کی فرصت ملے
ہم غریبوں کو بس وہ سرائے بہت

اِک تری یاد روشن رہی دیر تک
آندھیوں میں دیئے جھلملائے بہت

اِک تری دید کے شوق میں رات بھر
ہم سے الجھے دریچوں کے سائے بہت

اجنبی شہر کے ہر نئے موڑ پر ۔۔!
کچھ پُرانے نگر یاد آئے بہت

عکس کوئی بھی ٹھہرا نہ محسنؔ کہیں
دائرے پانیوں پر بنائے بہت

☆

خود اپنے دل میں خراشیں اتارنا ہوں گی
ابھی تو جاگ کے راتیں گزارنا ہوں گی

ترے لیے مجھے ہنس ہنس کے بولنا ہوگا
مرے لیے تجھے زلفیں سنوارنا ہوں گی

تری صدا سے تجھی کو تراشنا ہوگا
ہَوا کی چاپ سے شکلیں اُبھارنا ہوں گی

ابھی تو تیری طبیعت کو جیتنے کے لیے
دل و نگاہ کی شرطیں بھی ہارنا ہوں گی

ترے وصال کی خواہش کے تیز رنگوں سے
ترے فراق کی صبحیں نِکھارنا ہوں گی

یہ شاعری یہ کتابیں یہ آیتیں دل کی
نشانیاں یہ سبھی تجھ پہ وارنا ہوں گی

مجھے اُس سے محبت تھی.....!

مجھے اُس سے محبت تھی
کہ وہ اُس وقت میرے شہر کی بنجر زمیں پر
اَبرِ نیساں کا بدن اوڑھے
گلابی کاسنی موسم کے سارے زاویے پہنے
چھریرے سورجوں کی سات رنگوں میں نہائی
آبشاروں کی طرح بہتی، بہکتی، بولتی، بجتی شعاعوں کی سنہری
اُنگلیاں تھامے
بقا کے بام سے دوشِ ہَوا پر نقشِ پا کی دائمی خوشبو دھرے
دَم توڑتے چہروں
بجھی آنکھوں
جلے رستوں
کٹے پیڑوں کی سُوکھی ٹہنیوں کو سُرخرو موسم کی خوشخبری سُنانے
کون جانے کس بہانے آ کے اُترا تھا کہ جب
ہر سُو اُداسی اپنے خیمے نصب کر کے وحشیوں کی
بدنما دُلہن کی صورت ناچتی تھی اور

میرے شہر کی بنجر زمیں کے بے نوا باسی
اُداسی کو اَبد کی دیوداسی جان کر اپنے لہو کی نذر دینا
کارِاوّل جانتے تھے

مانتے تھے
سب زمینوں کی جبینیں داغنے والوں کو '' اَن داتا''
سنہری بالیوں کا بانکپن جن کے بدن' کندن بناتا
اُن کے دروازوں پہ آوازوں کو دفنانے کی عادت اک
عبادت تھی!
مجھے اس سے محبت تھی
کہ اُس نے بے نوا لوگوں کے لب بستہ ضمیروں
کو جگا کر
مُدّتوں سے سر جھکا کر رینگنے والوں کو سینہ تان کر
گردن اُٹھا کر
صف بہ صف چاروں طرف نظریں گُھما کر
سب زمینوں کی جبینیں داغنے والوں کے چمکیلے گریبانوں کے
ٹانکوں میں
خود اپنے جسم کے رِستے لہوُ سے پھوٹتی چنگاریاں بھرنے
کی جُرأت کا ہُنر بخشا'
سُلگتے کھردرے ہاتھوں کی محنت کو ثمر بخشا
مجھے اُس سے محبت تھی
کہ اُس نے وہم کے جالے میں اُلجھی فاختاؤں کو
چمکتے آسمانوں کی بشارت دی
بجھی دھرتی کی شریانوں میں سہمے خون کو تازہ حرارت دی'
مجھے اُس سے محبت تھی

کہ اُس نے دار کے ماتھے پہ زخمی انگلیوں سے

زندگی کا نام لکھ کر

اپنے ''ہونے'' کا بھرم رکھّا

کہ اُس نے عہد کے سارے اندھیرے چیر کر

سچ کے سویرے میں قدم رکھّا

☆

ڈھلے گی وحشی جدائیوں کی یہ رات آخر

چلے گی اپنے وصال سورج کی بات آخر

ہماری تشنہ لبی کے تیور یہ کہہ رہے ہیں

ہمارے پاؤں پڑے گی م۔وجِ فرات آخر

وہ پھینکتا جا رہا تھا شعلوں میں خط کسی کے

جلا دیئے اُس نے اپنے نازک سے ہات آخر

بھلا دیا تیرا ریزہ ریزہ خیال میں نے

بکھر گئی تیرے درد کی کائنات آخر

شکست کھا کر دلیر دلہن کی خودکُشی سے

پلٹ گئی اپنے اپنے گھر کو برات آخر

مجھے خود اپنی اَنا کے سونے کی جستجو تھی
گِرا دیا میں نے ذات کا سومنات آخر

یہ ہر قدم پر جو ٹھوکریں کھا رہا ہے محسنؔ
یہ شخص کھائے گا آپ اپنے سے مات آخر

☆

خالق میری خاطِر یہ قربانی دے
میرے شہر کو دل جیسی ویرانی دے

کالی وحشی رات کے حبشی پیکر کو
دودھ نہائی صبحوں کی عریانی دے

سورج ہے تو دھوپ اُگا ہر جنگل میں
بادل ہے تو پیاسے پیڑ کو پانی دے

بنجر لفظ کو طَور سکھا سیلابوں کا
سُوکھے ذہن کو دریا کی طغیانی دے

میری سوچ بڑھاپے تک آ پہنچی ہے

مجھ کو پھر سے بچپن کی نادانی دے

جن کے گھر میں درد کی دولت بٹتی ہے
مجھ کو ایسے لوگوں کی دربانی دے

جن کی تہہ میں بھید اُترتے رہتے ہیں
مجھ کو ایسی آنکھوں کی حیرانی دے

محسنؔ تجھ کو یاد کرے کس ناطے سے؟
جانے والے کوئی خاص نشانی دے

☆

اگرچہ میں اِک چٹان سا آدمی رہا ہوں
مگر ترے بعد حوصلہ ہے کہ جی رہا ہوں

وہ ریزہ ریزہ مرے بدن میں اُتر رہا ہے
میں قطرہ قطرہ اُسی کی آنکھوں کو پی رہا ہوں

تری ہتھیلی پہ کس نے لِکھّا ہے قتل میرا
مجھے تو لگتا ہے میں ترا دوست بھی رہا ہوں

کھلی ہیں آنکھیں مگر بدن ہے تمام پتّھر

کوئی بتائے میں مر چکا ہوں کی جی رہا ہوں

کہاں ملے گی مثال میری ستمگری کی؟
کہ میں گلابوں کے زخم کانٹوں سے سی رہا ہوں

نہ پوچھ مجھ سے کہ شہر والوں کا حال کیا تھا
کہ میں تو خود اپنے گھر مین بھی دو گھڑی رہا ہوں

مِلا تو بیتے دنوں کا سچ اُس کی آنکھ میں تھا
وہ آشنا جس سے مدّتوں اجنبی رہا ہوں

بھُلا دے مجھ کو کہ بے وفائی بجا ہے لیکن
گنوا نہ مجھ کو کہ میں تری زندگی رہا ہوں

وہ اجنبی بن کے اَب ملے بھی تو کیا ہے محسنؔ
یہ ناز کم ہے کہ میں بھی اُس کا کبھی رہا ہوں

☆

گُم سُم سی رہگزر تھی، کنارہ ندی کا تھا
پانی میں چاند، چاند میں چہرہ کسی کا تھا

اب زندگی سنبھال کے لیتا ہے تیرا نام
یہ دل کہ جس کو شوق کبھی خودکشی کا تھا

کچھ ابر بھی تھے بانجھ زمیں سے ڈرے ہوئے
کچھ ذائقہ ہَوا میں مری تشنگی کا تھا

کہنے کو ڈھونڈتے تھے سبھی اپنے خدّوخال
ورنہ مری غزل میں تو سب کچھ اُسی کا تھا

وہ احتیاطِ جاں تھی کہ بے ربطئ خیال
سائے پہ بھی گمان مجھے آدمی کا تھا

مشکل کہاں تھے ترکِ محبت کے مرحلے
اے دل مگر سوال تری زندگی کا تھا

وہ جس کی دوستی ہی متاعِ خلوص تھی
محسنؔ وہ شخص بھی مرا دشمن کبھی کا تھا

☆

ہمارے ڈوبنے والوں کو کون روتا ہے؟
کہ زیرِ آب پڑی ہیں کچھ اور لاشیں بھی!

مرے لہُو کی امانت عدو کا زہرِ ستم!
مرے بدن کا اثاثہ تری خراشیں بھی!

کہاں تلک میں پُرانے دنوں کا عشق لِکھوں؟
یہ لوگ اب کوئی تہمت نئے تراشیں بھی!

میں نے اکثر خواب میں دیکھا .....!

میں نے اکثر خواب میں دیکھا
خوف تراشے کہساروں کی گود میں جیسے
اِک پتھریلی قبر بنی ہے
قبر کی اُجلی پیشانی پر
دُھندلے میلے شیشے کی تختی کے پیچھے
تیرا نام لکھا ہے
تیرا میرا نام کہ جس میں
شیشے پتھر جیسی کوئی بات نہیں ہے
تیری شہرت میں بھی

میری رسوائی کا ہات نہیں ہے
پھر بھی!
سوچو!!
میں نے اکثر خوب میں دیکھا!!!

☆

اب کیا علاجِ زخمِ دل زار سوچنا؟
گر سوچنا بھی ہے تو سرِدار سوچنا

جب بھی چمن میں خال و خدِ یار سوچنا
ہر برگِ گل کو ریزۂ رخسار سوچنا

دل پر قیاسِ وسعتِ صحرا تراشنا
خود کو رہینِ کوچہ و بازار سوچنا

منظر، بظرفِ دیدۂ بے خواب باندھنا
مطلب بقدرِ فکر طرحدار سوچنا

دن بھر سخاوت لب احباب ڈھونڈنا
شب کو عطائے گیسوئے دلدار سوچنا

قطرے میں گونجتا ہو جو دریا کا بانکپن
ذرّے کو بھی اثاثۂ کہسار سوچنا

تجھ سے بچھڑ کے اب کے تو یوں ہے کہ بزم میں
بے سود بولنا کبھی بے کار سوچنا

اے اہلِ دشت آبلہ پائی کی لذّتیں!
اِک پَل کو زیرِ سائیہ دیوار سوچنا

محسنؔ لگی نا چوٹ نئی پھر خلوص میں
میں نے کہا نہ تھا کہ مرے یار سوچنا

☆

کب تک تُو اُونچی آواز میں بولے گا؟
تیری خاطر کون دریچہ کھولے گا؟

اپنے آنسو اپنی آنکھ میں رہنے دے!
ریت پہ کب تک ہیرےموتی رولے گا؟

آؤ شہر کی روشنیاں ہی دیکھ آئیں!
کون ہماری خالی جیب ٹٹولے گا؟

لاکھ مرے ہونٹوں پر چُپ کی مُہریں ہوں
میرے اندر کا فنکار تو بولے گا!

دیکھ وہ اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے
اپنا سارا زہر تجھی میں گھولے گا

اے سوداگر چاہت کی جاگیروں کے!
کس میزان میں تُو اِس جنس کو تولے گا

محسنؔ اُس کی نرم طبیعت کہتی ہے!
پَل دو پَل وہ میرے ساتھ بھی ہولے گا

اَزل سے دست بُریدہ اُٹھائے پھرتا ہوں
(نذرِ اقبال)

مجھے خود اپنی خموشی سے کچھ گلا بھی نہیں
بھرے جہاں میں کوئی تیرا ہمنوا بھی نہیں
بہت کہوں بھی کہ زندہ ہے دل مگر اس میں
شعورِ درد و مذاقِ خودی رہا بھی نہیں

تری نگاہ تو سورج کی سجدہ گاہ بنی!
مری نگاہ مگر خود سے آشنا بھی نہیں
نئے زمان و مکاں کی نئی فضاؤں میں
گئی رُتوں کے تصوّر کا نقشِ پا بھی نہیں
مجھے خود اپنے ہی اشکوں سے شرم آتی ہے
یہ کیا کہ دھوپ بھی چمکی ہے میں جلا بھی نہیں

صدائے کُن فیکُوں ہو کہ ضربِ اِلّا اللہ
وہ نیند ہے کہ کوی ذہن جاگتا بھی نہیں
تری اذانِ سحر ہو کہ دل کا نالۂ شب
کسی صدا کی سماعت کا حوصلہ بھی نہیں
وہ خامشی ہے کہ ڈرتا ہے دل دھڑکنے سے
وہ تیرگی ہے کہ جگنو کا آسرا بھی نہیں

مرے وطن کے مصّور میں تجھ سے نادم ہوں
ترے شعور کے خاکے گنوا دِیے میں نے
مرے لبوں پہ سجایا تھا جن کو تُو نے کبھی
وہ گوُنجتے ہوے نغمے بھُلا دِیے میں نے
رواں تھا جن میں لہوُ گم شدہ زمانوں کا
کئی دنوں سے وہ بازوُ کٹا دِیے میں نے
ہوائیں جن کی صدا کیلیے ترستی ہیں
وہ لفظ گوشۂ دل میں چھپا دِیے میں نے
تری نوأ جنھیں سوزِ گلو سکھاتی تھی؛
ہرے شجر سے وہ پنچھی اُڑا دِیے میں نے

میں عصرِ نوَ کا وہ ٹوٹا ہوا ستارہ ہوں
جسے نصیب ہوئی شہرِ جاں میں دربدری
میں خود مریض ہوں اعضاً تھکے ہوئے ہیں مگر
مرے بدن پر سجی ہے قبائے چارہ گری
اَزل سے دست بُریدہ اُٹھائے پھرتا ہوں
مگر مجھی سے ہے منسُوب رسمِ بخیہ گری
بدن سے برف کی چادر ہٹا نہیں سکتا
مگر مجھی سے ہے قائم وقار شُعلہ سَری

مرے وطن کے مصّور میں تجھ سے نادم ہوُں
کہ عصرِ نو کے تقاضوں میں کھو سکتا
یہ انتہا ہے مری تیرہ بختیوں کی کہ میں
خود اپنی مرگِ اَنا پر بھی رو نہیں سکتا
ترے خیال کے گہرے سمندروں کی قسم
میں اپنا داغِ جبیں تک بھی دھو نہیں سکتا

حیات بھیگتے ہونٹوں کی مسکراہٹ ہے
جنوں ضمیرِ شرر کے سوا کچھ اور نہیں!
اگر ہے روح سفر میں ازل سے تا بہ اَبد
تو جسم گردِ سفر کے سوا کچھ اور نہیں
مجھے دعا کا سلیقہ نہ آسکا اب تک
کہ میں ہلاکِ سفر کے سِوا کچھ اور نہیں
میں جاں بہ لب ہوں مگر اے مرے مسیحِ نفس!
"مرا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں"

☆

وہ دن کتنے اچھّے تھے جب ساتھی سب سچّے تھے

سچّی رُت سچ بُنتی تھی
سچ کہتے سچ سُنتے تھے

سچ کے سوچ سمندر میں
سچّے پار اُترتے تھے

یار وہ قول ہی سچّا تھا
یار کھرے تو کچّے تھے

ماں کی گود میں ہم نے بھی
سچّے حرف ہی سیکھے تھے

ہم کو سچ نے مار دیا
ورنہ ہم کب ایسے تھے

اب کب تک سچ بولیں گے؟
اب تک کیا سچ سوچے تھے

جس کو سچ پہنایا تھا
اُس کے زیور جھوٹے تھے

چارہ گروں کو کیا کہیے!
دل کے زخم ہی گہرے تھے

اُس کی سوچ کا ذکر نہیں
اس کے کپڑے اُجلے تھے

سورج پوچھتا پھرتا ہے
چاند ستارے کس کے تھے؟

ساون ٹوٹ کے برسا تھا
پھر بھی دریا پیاسے تھے

کس نے زلف بکھیری تھی؟
خواب مہکتے جاتے تھے

جب تک تُو نزدیک نہ تھا
ہم آوارہ پھرتے تھے

محسنؔ سوُکھے پیڑوں سے
بادل کتنے اُنچے تھے

☆

سانس لیتا ہوں آگہی کے لیے
زندگی وقف ہے علیؑ کے لیے

آسماں جھک رہا ہے صدیوں سے
علم کے در پہ بندگی کے لیے!

ہجر کی شام جلنے لگتے ہیں
ماتمی داغ روشنی کے لیے

ہے ہوائے بہشت سرگرداں
کربلا کی ہر اک گلی کے لیے

ساحلوں سے اُلجھ پڑے دریا
ایک پیاسے کی دوستی کے لیے

مسکراہٹ اُداس کرتی ہے
میں تو روتا ہوں تازگی کے لیے

رہگزارِ نجف ہی کافی ہے!
ہم فقیروں کی رہبری کے لیے

جو ستم سہہ کے چُپ رہا محسنؔ
کوئی مجلس پڑھوں اُسیؑ کے لیے

☆

پل بھر کو مل کے اَجرِ شناسائی دے گیا
اِک شخص، ایک عمر کی تنہائی دے گیا

آیا تھا شوقِ چارہ گری میں کوئی مگر
کچھ اور دل کے زخم کو گہرائی دے گیا

بچھڑا تو دوستی کے اثاثے بھی بَٹ گئے
شہرت وہ لے گیا مجھے رسوائی دے گیا

کس کی برہنگی تری پوشاک بن گئی
کس کا لہو تھا جو تجھے رعنائی دے گیا

اب گِن رہا ہوں چاکِ گریباں کی دھجّیاں
دیوانگی کا شوق یہ دانائی دے گیا

تیرے بدن کا لمس کہاں یاد تھا مجھے
جھونکا ہوا کا درسِ پذیرائی دے گیا

کیونکر نہ زندگی سے زیادہ عزیز ہوٗ
محسنؔ وہ زخم بھی تو مرا بھائی دے گیا

☆

زندگی بے قرار بھی تو نہیں
اب ترا انتظار بھی تو نہیں

ترکِ عہدِ وفا عذاب سہی
دل مگر شرمسار بھی تو نہیں

کس پہ افشا ہوں وحشتیں اپنی
پیرہن تار تار بھی تو نہیں

سرفرازی پہ ناز کون کرے؟
سرخرو شاخِ دار بھی تو نہیں

قافلہ کِس طرف گیا ہوگا؟
رہگزر میں غبار بھی تو نہیں

راحتیں کس حساب میں لکھیے؟
رنجشوں کا شُمار بھی تو نہیں

جانتے ہیں وہ بے وفا ہے مگر
دل پہ اب اختیار بھی تو نہیں

رنگِ عکسِ خزاں بھی کیا لینا؟
سر پہ قرضِ بہار بھی تو نہیں

دل سے رودادِ غم کہوں کیسے
دل مرا رازدار بھی تو نہیں

☆

اِک پگلی مرا نام جو لے' شرمائے بھی' گھبرائے بھی
گلیوں گلیوں مجھ سے ملنے آئے بھی' گھبرائے بھی

رات گئے گھر جانے والی گُم سُم لڑکی راہوں میں
اپنی اُلجھی زلفوں کو سُلجھائے بھی' گھبرائے بھی

کون بچھڑ کر پھر لوٹے گا' کیوں آوارہ پھرتے ہو؟
راتوں کو اِک چاند مجھے سمجھائے بھی' گھبرائے بھی

آنے والی رُت کا کتنا خوف ہے اُس کی آنکھوں میں
جانے والا دُور سے ہاتھ ہلائے بھی، گھبرائے بھی

کیا جانے وہ کون ہے محسنؔ جس کی خاطر راتوں کو
تیز ہوا پانی پر نقش بنائے بھی، گھبرائے بھی

اے چارہ گرِ امنِ دو عالَم
تو کہاں ہے؟

یہ کون سخی ہے کہ رہِ دل زدگاں میں
گُلنار ستاروں کے گہُر بانٹ رہا ہے؟
یہ کون مسافر ہے کہ شہرِ غمِ جاں میں
جاگیرِ دل و دیدۂ تر بانٹ رہا ہے
یہ مشتری جنسِ وفا کون ہے، دیکھو!
اِس دور میں جو نقدِ ہُنر بانٹ رہا ہے
اے تیرہ نصیبو اسے پوچھو کہ یہ تاجر
سودائے سَر و دردِ جگر بانٹ رہا ہے
اے کم نظرو! اس کی پرستش کہ یہ فنکار!
بے دام و درم شمس و قمر بانٹ رہا ہے

یہ کون سخنور ہے کہ قاتل کی گلی میں
زنجیر کی جھنکار سے بُنتا ہے ترانے
الہام پہ الفاظ کا ملبوس سجا کر
بھرتا ہے تہی دست خیالوں کے خزانے
آندھی میں سجائی ہیں چراغوں کی قطاریں
کہسار پہ تعمیر کیے آئینہ خانے
آنکھوں میں ستاروں کی طرح عکسِ شب و روز
مٹھی میں لکیروں کی طرح بند زمانے!
یہ دل کا کہا مان کے مسرور بھی خوش بھی
تقدیر کے فرمان کو مانے کہ نہ مانے!

یہ کون ہُنر وَر ہے کہ جس نے سرِ مقتل!
ہر دار کی ٹہنی کو کیا خون سے گُلرنگ
آفاق کی وسعت ہے اسے گوشۂ زنداں
احساس کے پیکر پہ تخیل کی قبا تنگ
ہر موجِ مئے تُند رگِ جاں کا کفارہ
ہر قطرۂ خوناب کی تابش پہ سحر دنگ
پلکوں پہ چمکتی ہوئی خاکِ رَہِ یاراں!
پابوس کی ٹھوکر پہ فرِ افسرد اورنگ

اِس خلوتیِ خاک نشینانِ وطن نے
ٹھکرا دیا ملبوسِ زر و اطلس و کمخواب
رُوٹھی ہوئی اِک صبح کی تسکین کی خاطر
تاریکیٔ شب سے بھی تراشے کئی مہتاب
دروازۂ زِنداں پہ رقم ہے یہ گواہی

آتے ہیں اِسے خانۂ زنجیر کے آداب
یہ گوشہ نشیں ہو تو صبا سے بھی گریزاں
نکلے جو سفر پر تو سمندر بھی ہیں پایاب

اے صبحِ ازل یہ ترا مجروح مؤذِّن
اے شامِ اَبد یہ تری منزل کا نشاں ہے
اے مریمِ ہستی یہ ترا چشمۂ آواز!
اے روحِ مسیحا یہ ترا نطق رواں ہے
اے جذبۂ سقراطؑ ترا صدقِ مکمل!
اے حکمتِ لقمان یہ سرمائیہ جاں ہے
گو بارشِ سنگ اس پہ برستی رہی پھر بھی
یہ رونقِ صد انجمنِ شیشہ گراں ہے
سو بار یہ مصلوب ہوُا ہے سرِ بازار
پھر بھی سخن آشفتہ بخوں زیرِ زباں ہے
اے نوعِ بشرؑ اس کی جراحت کا مداوا
اے عظمتِ آدمؑ یہ ترا مرثیہ خواں ہے
دم توڑ رہا ہے ترے خوابوں کا پیمبر
اے چارہ گرِ اَمنِ دو عالم تو کہاں ہے؟

☆

وہ ماہتاب جو ڈوبا ہوُا ملال میں تھا

مجھے خبر ہی نہیں ہے میں کس خیال میں تھا

شکست کھا کے بھی میں سُرخرو سا لگتا ہوں
کہ دوستی کا مزا دشمنوں کی چال میں تھا

خراش تھی مِرے رُخ پر کہ وہم آنکھوں میں؟
تمام بھید ترے آئینے کے بال میں تھا

عُروجِ نوکِ سناں جب ہُوا نصیب مجھے
فلک پہ کانپتا سُورج حدِ زوال میں تھا

میں ٹوٹتے ہوئے پتّے سنبھالتا کب تک
کہ زرد زہر تو پیڑوں کی ڈال میں تھا

ترا خلوص پرکھنے کا وقت ہی نہ مِلا
کہ میں اسیر تری نفرتوں کے جال میں تھا

کب اُس نے ٹُوٹ کے چاہا تھا یوں مجھے محسنؔ
یہ معجزہ بھی نہاں اب کے ماہ و سال میں تھا

☆

بظاہر لوگ کتنے مہرباں تھے
مگر دُکھ بانٹنے والے کہاں تھے

لبوں پر مُسکراہٹ کی دھنک تھی
لہُو لتھڑے سخن زیرِ زُباں تھے

جو منزل آشنا تھے وہ مُسافر!
پسِ خاکِ غبارِ کارواں تھے

میں ایسے شہر کا باسی تھا جس میں
مکیں پتّھر تھے، شیشے کے مکاں تھے

جلا جب آشیاں تو ہم نے جانا
کہ تنکے بھی ہوا کے رازداں تھے

کسی نے حال تک پُوچھا نہ محسنؔ
ہم اہلِ دل بھی کتنے رائیگاں تھے

☆

زُباں رکھتا ہوں لیکن چُپ کھڑا ہوں

میں آوازوں کے بَن میں گھِر گیا ہوں

مِرے گھر کا دریچہ پوُچھتا ہے!
میں سارا دن کہاں پھرتا رہا ہوں؟

مجھے میرے سوا سب لوگ سمجھیں
میں اپنے آپ سے کم بولتا ہوں

ستاروں سے حسد کی انتہا ہے
میں قبروں پر چراغاں کر رہا ہوں

سنبھل کر اب ہواؤں سے اُلجھنا
میں تجھ سے پیشتر بجھنے لگا ہوں

مِری قربت سے کیوں خائف ہے دُنیا
سمندر ہوُں میں خُود میں گوُنجتا ہوں

مجھے کب تک سمیٹے گا وہ محسؔن؟
میں اندر سے بہت ٹوٹا ہوا ہوں

☆

چہرے پڑھتا، آنکھیں لکھتا رہتا ہوں
میں بھی کیسی باتیں لکھتا رہتا ہوں؟

سارے جسم درختوں جیسے لگتے ہیں
اور بانہوں کو شاخیں لکھتا رہتا ہوں

تجھ کو خط لکھنے کے تیور بھُول گئے
آڑی ترچھی سطریں لکھتا رہتا ہوں

تیرے ہجر میں اور مجھے کیا کرنا ہے؟
تیرے نام کتابیں لکھتا رہتا ہوں

تیری زُلف کے سائے دھیان میں رہتے ہیں
میں صُبحوں کو شامیں لکھتا رہتا ہوں

اپنے پیار کی پھول مہکتی راہوں میں
لوگوں کو دیواریں لکھتا رہتا ہوں

تجھ سے مِل کر سارے دُکھ دُہراؤں گا
ہجر کی ساری باتیں لکھتا رہتا ہوں

سوُکھے پھول، کتابیں، زخم جُدائی کے

تیری سب سوغاتیں لکھتا رہتا ہوں

اُس کی بھیگی پلکیں ہنستی رہتی ہیں
محسنؔ جب تک غزلیں لکھتا رہتا ہوں

☆

حَسیں لگتا تھا ہم نے جِن دنوں میں اُس کو دیکھا تھا
بسنتی موسموں، بھیگی رُتوں میں اُس کو دیکھا تھا

اُسی کے عکس نے آنکھیں خمارِ خواب سے بھر دیں
چمکتے چاند جیسے آئینوں میں اُس کو دیکھا تھا

جسے اب ریت کے کچّے گھروندوں سے محبت ہے
سمندر کے سنہرے پانیوں میں اُس کو دیکھا تھا

جو تنہائی کی چادر اوڑھ کر سوتا ہے رستوں میں
کبھی اِس شہر کی سب محفلوں میں اُس کو دیکھا تھا

بگولوں کو پہن کر اب جو صحرا میں بھٹکتا ہے
گُلاب و یاسمن کے جنگلوں میں اُس کو دیکھا تھا

جو اپنے قریۂ دل کی اُداسی سے بہلتا ہے
گھٹاؤں میں گھِری گُم بستیوں میں اُس کو دیکھا تھا

ضرورت ہے جسے اب دُھوپ کا اُجلا کفن محسنؔ
بدن پر برف اوڑھے پربتوں میں اُس کو دیکھا تھا

☆

اس حبسِ بے خلل کی اَدا پر نہ جائیو!
اب گھر کے بام و دَر بھی سنبھل کر سجائیو

تُو حیرتوں کی زد میں گھِری موجِ کم شناں
میں سیلِ بے کنارُ مرے مُنہ نہ آئیو!

آنکھوں میں ایک اشک ہے باقی ہوائے شام
یہ آخری دیا ہےُ اِسے مت بجھائیو!

ہونا ہیں آسماں سے ''شہابوں'' کی بارشیں
گر ہو سکتے تو گھر کا اندھیرا بچائیو

یا عام کیجیو نہ جنُوں کی حکایتیں!
یا شہر چھوڑ دِیجیو' صحرا بسائیو!

ہر شخص کب سنبھال سکے گا متاعِ درد؟
ہر شخص کو نہ اپنی کہانی سُنائیو!

محسنؔ دیارِ ہجر میں لازم ہے احتیاط
رستہ کٹھن سہی' کہیں ٹھوکر نہ کھائیو

☆

محبتوں میں اذّیت شناز کتنی تھیں!
بچھڑتے وقت وہ آنکھیں اُداس کتنی تھیں!

فلک سے جن میں اُترتے ہیں قافلے غم کے
مری طرح وہ شبیں اُس کو راس کتنی تھیں

غلاف جن کی لحد پر چڑھائے جاتے ہیں
وہ ہستیاں بھی کبھی بے لباس کتنی تھیں؟

بچھڑ کے تجھ سے کسی طور دِل بہل نہ سکا

نِشانیاں بھی تری میرے پاس کتنی تھیں!

اُتر کے دل میں بھی آنکھیں اُداس لوگوں کی
اسیرِ وہم و رہینِ ہراس کتنی تھیں!

وہ صورتیں جو نکھرتی تھیں میرے اشکوں سے
بچھڑ کے پھر نہ ملیں ناسپاس کتنی تھیں

جو اُس کو دیکھتے رہنے میں کٹ گئیں محسنؔ
وہ ساعتیں بھی محیطِ حواس کتنی تھیں

☆

یہ سال بھی اُداس رہا رُوٹھ کر گیا
تجھ سے ملے بغیر دسمبر گزر گیا

عُمرِ رَواں خزاں کی ہوَا سے بھی تیز تھی
ہر لمحہ برگِ زرد کی صورت بکھر گیا

کب سے گھرا ہوُا ہوُں بگولوں کے درمیاں؟
صحرا بھی میرے گھر کے دروبام پر گیا

دل میں چٹختے چیختے وہموں کے بوجھ سے

وہ خوف تھا کہ رات مَیں سوتے میں ڈر گیا

جو بات معتبر تھی وہ سر سے گزر گئی!
جو حرف سرسری تھا وہ دل میں اُتر گیا

ہم عکسِ خونِ دل ہی لُٹاتے پھرے مگر
وہ شخص آنسوؤں کی دھنک میں نکھر گیا

کیا دشمنی تھی چاند کو گھر کے چراغ سے؟
گھر بُجھ گیا تو چاند ندی میں اُتر گیا

محسنؔ یہ رنگ رُوپ یہ رونق بجا مگر
میں زندہ کیا رہوں کہ مِرا جی تو بھر گیا

اِس سے پہلے کہ ہم.....!

اس سے پہلے کہ ہم
اپنے اپنے سفر کا ارادہ کریں

اس سے پہلے کہ سُورج کی پہلی کرن
شب کی شہ رگ میں پھیلے ہوئے زہر میں ڈوب کر
دل کی دھڑکن کو ڈسنے لگے

اس سے پہلے کہ آنکھوں پہ ہر سمت سے

ہجر کا کرب کا جل برسنے لگے

اس سے پہلے کہ نیندوں کی ویراں سرائے میں سوئے ہوئے

خواب ڈرنے لگیں

اس سے پہلے کہ ہم

اپنے اپنے اندھیرے کی تنہائیوں میں اُترنے لگیں

(فکرِ شام وصحر سے گزرنے لگیں)

آؤ اپنے گزشتہ شب وروز کی دُھوپ چھاؤں سے

مہکے ہوئے موڑ پر

گردِ رنج والم سے اَٹی سیپیاں

"درگزر" کی دبی خواہشوں سے بھریں

کھل کے باتیں کریں!!

آخری بار اِک دوسرے کے لیے

اپنے دیدہ ودل کے اُفق پر رَقم حرفِ سادہ کریں

آخری بار اشکوں سے دل میں چراغاں

زیادہ کریں

اِس سے پہلے کہ ہم

اپنے اپنے سفر کا ارادہ کریں!!

طلوعِ اشک

محسن نقوی

محسنؔ طلوعِ اشک دلیلِ سحر بھی ہے
شب کٹ گئی چراغ بُجھا دینا چاہیے

ترتیب

غزلیں ' نظمیں

انتساب!

تُو غزل اوڑھ کے نکلے کہ دھنک اوٹ چھُپے؟
لوگ جس روپ میں دیکھیں، تجھے پہچانتے ہیں

یار تو یار ہیں، اغیار بھی اب محفل میں
مَیں ترا ذکر نہ چھیڑوں تو بُرا مانتے ہیں

کتنے لہجوں کے غلافوں میں چھپاؤں تُجھ کو؟
شہر والے مِرا " موضوعِ سخن " جانتے ہیں

مُجھے ٹھیک سے یاد نہیں کہ مَیں نے پہلا شعر کب کہا تھا۔ (یہ بہت پہلے کی بات ہے) مجھے تو یہ بھی یاد نہیں کہ مِیں نے پہلا "سچ" کب بولا تھا؟ (یہ بھی شاید بہت پرانا قصہّ ہے) پہلا شعر۔ اور پہلا سچ۔ کون یاد رکھتا ہے؟۔ اور اتنی دُور پیچھے مُڑ کر دیکھنے کی ضرورت بھی کیا ہے؟ اُدھر کون سی روشنی ہے؟ گھُپ ادھیرے کی ریت پر ہانپتے ہوئے چند بے وارث لمحے۔ پچھتاوے کی زد میں جانے کب اور کہاں کھو گئے۔؟

مجھے ٹھیک سے یاد نہیں۔ کُچھ بھی تو یاد نہیں

"ماضی" بھی کتنا بخیِل ہے۔ کبھی کبھی تو حافظے کی غُربت کو نچوڑ کر رکھ دیتا ہے۔ اور پھر اندھے کنوئیں کی طرح کُچھ بھی تو نہیں اُگلتا۔ اپنے اندر جھانکنے والوں سے پوری بینائی وصول کرتا ہے بیتے دِنوں کے اُس گھُپ اندھیرے میں بھی کیا کچھ تھا۔؟

میرا کچا مکان (جس کی چھت کی کڑیوں سے میری سانسیں اَڑی ہوئی تھیں اُس مکان میں جلتا ہوا مٹی کا "دیا"۔ جس کی پھیکی روشنی نے مجھے لفظوں کے باطن میں اُترنے کا حوصلہ بخشا۔ گُم صُم گلیوں میں کھیلتی ہوئی آوارہ دُھوپ۔ جِس نے مجھے اُداس راتوں کے پرُ ہوَل سناّٹے سے اُلجھنے کا سلیقہ سکھایا۔ مَیلی دیواروں پھسلتی ہوئی چاندنی۔ جو رائیگاں ہونے کی بجائے میرے خوابوں کی بے آواز بستی کا اثاثہ بن گئی۔ دُھول میں لپٹی ہوئی بے خوف ہَوا جو میرے مسلسل سفر کی اکیلی گواہی بن کر مجھے دِلاسہ دیتی رہی۔ ناہموار آنگن میں ناچتی لُو سے جھُلستے چہروں کی مشقّت جس نے مجھے محرومیوں سے سمجھوتے کا انداز مستعار دیا۔ خشک ہونٹوں پر جمی ہوئی مسکراہٹ۔ جِس نے مصائب و آلام کی بارش میں مجھے زندہ رہنے کا اعتماد عطا کیا۔ سہمی صبحیں۔ گونگی دوپہریں۔ بہری شامیں اور اندھی راتیں۔ کتنی کہانیوں

کو بُنتے بُنتے راکھ ہو گئیں۔ اور ان کہانیوں کا کوئی ایک ریزہ بھی میرے پاس نہیں ہے۔ میرا سب کچھ میرے ماضی کے پاس گروی ہے۔

اِس ''سب کچھ'' میں میرا ہنستا کھیلتا' پہیلیاں بوجھتا اور شرارتیں سوچتا بچپن بھی شامل ہے جِسے اُس کے کھِلونوں سمیت میرے ماضی نے میری دسترس سے دُور دفنا کر۔ اُس کے نقوش کھُرچ ڈالے ہیں۔

ماضی کو کون سمجھائے کہ بچپن تو ہوتا ہی یاد کرنے کے لیے ہے۔ مگر میرا بچپن؟ کِسی دیوار کی اوٹ جلتے دہکتے تندور سے باہر جھانکتے شُعلوں سے اُڑتی چنگاریوں کی طرح۔ جیسے فضا میں بکھر کر کہیں بُجھ گیا ہے۔ دُور بہت دُور فضا میں تحلیل ہوتے ہوئے دُھویں کے اُس پار کِتنی شفیق آنکھیں کتنے صبیح چہروں سے پھُوٹتی ہوئی دُعاؤں کی کُہر اور کِتنی نیک رُوحوں کے قُرب کی پاکیزہ خوشبُو آج بھی میرے تپتے تپکتے دِل کی لَو دیتی رگوں میں برفیلے لمس کی شبنم انڈیلتی محسوس ہوتی ہے۔

اور اب کیا کیجیئے۔ کہ اب تو آتے جاتے موسموں کا سبھاؤ صرف سوچوں کے بہاؤ پر منحصر ہے معصُوم جذبوں کا بھولپن اب فقط شکستہ قلم کے شہ رگ سے ٹپکتے ہوئے لہو کے بے ترتیب قطروں میں کبھی کبھی اپنا دُھندلا سا عکس دیکھ لیتا ہے۔ اور رائیگاں جاگتی آنکھیں صِرف تنہائی کی لوریوں سے بہل کر سو جاتی ہیں یا کہیں کھو جاتی ہیں۔

کُہرام مچاتی سانسوں کے اس جاں گداز اور آبلہ نواز سفر میں کیا کیا لوگ اپنا اپنا روگ دل میں لیے دُھول اُڑاتے سنّاٹے کا رِزق ہوئے۔ کیسی کیسی رنگ رچاتی محفلیں اپنے توانا ہنگاموں سمیت پلک جھپکتے آنکھ سے اوجھل ہو گئیں۔ کیا کیا کُندن چہرے اب اپنی پہچان کا حوالہ مُجھ سے طلب کرتے ہیں۔

جیسے مَیں ان دنوں بے وارث لمحوں کے مقتل سے گذر رہا ہوں۔ لمحوں کا مقتل جس میں شامِ غریباں آہستہ آہستہ اُتر رہی ہے۔

لمحوں کے اِس مقتل میں میری مسافت ختم ہوتی ہے نہ شامِ غریباں کا دُھواں سرد پڑتا ہے۔ میرے پاؤں میں آبلے بندھے ہوئے ہیں۔ جسم بارشِ سنگ ملامت سے داغ داغ اور ہونٹ مُسلسل مصروفِ گفتگو۔ مگر کِس سے؟ شاید رفتگاں کا راستہ بتاتی ہوئی دُھول سے یا اپنے تعاقب میں آنے والے اُن رہروؤں کی آہٹوں سے؟ جو سفر کے اگلے موڑ پر مسلّط سنّاٹے سے بے خبر ہیں۔ سنّاٹا۔ جو کبھی کبھی دِل والوں کی بستی پر شبخُون مار کر ساری سوچیں تمام جذبے اور کچّے خواب تک نِگل لیتا ہے۔

میرا قبیلہ میرے کَرب سے نا آشنا ہے۔ میرے ساتھ جن ہجر والوں نے سفر آغاز کیا تھا وہ یا تو راستے کی گرد اوڑھ کر سو چکے ہیں' یا مجھ سے اوجھل اپنی اپنی خندقیں کھودنے میں مصروف ہیں۔ اور مَیں کل کی طرح آج بھی ''اکیلا'' ہوں۔

میرے اِرد گرد خراشوں سے اَٹے ہوئے کچھ اجنبی چہروں کے کٹے پھٹے خدوخال ہیں۔ بھُوک سے نڈھال بے نطق و لب اُدھوری سوچوں کے پنجر۔ ریزہ ریزہ خوابوں کی چبھتی ہوئی کرچیاں۔ محرومیوں کے بوجھ تلے رینگتی خواہشوں کی ٹیڑھی میڑھی قطاریں۔ دَم توڑتی محبّتوں کی بے ترتیب ہچکیاں۔ پابُریدہ حسرتیں۔ سرَ بہ زانُو وا ہمے۔ اور بدن دَریدہ اندیشے۔ ایسے اُجاڑ سَفر میں کون میرے دُکھ بانٹنے کو میرے

ساتھ چلے۔؟ یہاں تو ہوَا کے سہمے ہوئے جھونکے بھی دَبے پاؤں اُترتے اور چُپ چاپ گذرتے ہیں۔ یہاں کون میرے مجروح جذبوں پر دلاسوں کے ''پھاہے'' رکھے؟ کِس میں اتنا حوصلہ کہ میری روداد سُنے؟ کوئی نہیں۔ سوائے میری سخت جان تنہائی کے۔ جو میری خالی ہتھیلیوں پر قسمت کی لکیر کی طرح ثبت ہے۔ میرے رتجگوں کی غمگسار اور میری تھکن سے چوُر آنکھوں میں نیند کی طرح بھر گئی ہے۔

سنگلاخ تنہائی کے اس بنجر بن میں دہکتے مہکتے جذبوں کے گُلاب اُگانا اور اُنہیں بے ربط آنسوؤں سے شاداب رکھنا میرا منصب بھی ہے اور میرا فن بھی۔ بس اِسی دُھن میں سُکوت کے ہولناک صحرا میں لمحہ لمحہ سوچوں کی بستیاں بسا کر اُن میں لفظوں کے رنگ رنگ چراغ روشن کرتا ہوں جانے کب سے جانے کب تک؟

ہوَا مجھ سے برہم' سنّاٹا میرے تعاقب میں' حوادث مجھ سے دست و گریباں، صُبحیں مُجھ سے گریزاں اور شامیں، میری آنکھوں پر اندھیرا ''باندھنے'' کے لیے مضطرب۔ مگر مَیں (مسافت نصیب، سفر مزاج)۔ ''گزشتہ'' کی راکھ پر ''آئیندہ'' کی دیوار اُٹھا کر اُس کی منڈیر پر اپنی آنکھیں جلا رہا ہوں تا کہ میرے بعد آنے والوں کی تھکن لمحہ بھر کو سستا سکے۔ مَیں۔ تلخیاں بانٹتی اور تنہائیاں چھڑکتی ہوئی زندگی سے قطرہ قطرہ ''سچ'' کشید کرتا اور پھر اِس روشن ''سچ'' کی دمکتی ہوئی پیشانی سے پھُوٹتی شعاعوں کے ریشم سے بُنے ہوئے خیالوں کی رِدَا پر ''شاعری'' کاڑھتا ہوں۔

شعر کہنا میرے لیے نہ تو فارغ وقت کا مشغلہ ہے اور نہ ہی ''خودنمائی'' کے شوق کی تکمیل کا ذریعہ۔ بلکہ اپنے جذبات و محسوسات کے اظہار کے لیے مجھے ''شاعری'' سے بہتر اور موثر پیرایہ ملتا ہی نہیں۔ میرے لاشعُور کی تہہ میں بکھرے ہوئے تجربے اور مشاہدے حرف حرف اور نقطہ نُقطہ شعُور کی پلکوں سے حواس کے آئینہ خانہ میں اُترتے اور ''شعر'' کی صُورت میں بکھرتے چلے جاتے ہیں۔ اور پھر کبھی میرا قلم اور کبھی موجِ صَدا کا ''زیرو بم'' اُنہیں امانت کے طور پر بصارتوں، بصیرتوں اور سماعتوں تک پہنچاتا ہے کیا جانے کب سے میری فگار اُنگلیاں کائنات کے خدوخال کو ذات کے شیشے میں سمیٹنے کا قرض ادا کر رہی ہیں۔ اور میرا ''خونچکاں خامہ'' اپنے عہد کے انسان کا کرب کُریدکر اُس میں پوشیدہ خواہشوں اور حسرتوں کو کاغذی پیرہن پر سجانے میں مصروف ہے؟ مجھے نہیں معلوم کہ فن کے صحرا میں اَب تک مَیں نے کِتنا سفر طے کیا ہے؟ مَیں پیچھے مُڑ کر دیکھنے کا عادی نہیں ہوں۔ (جیسے پلٹ کر دیکھنے سے مَیں ''پتھر'' ہو جاؤں گا)۔

مَیں قدم قدم نئی جہت کی تلاش میں سرگرداں ہوں' (ورنہ کی بجائے) کہ ایک ہی سمتَ میں ایک ہی انداز سے چلتے رہنے کی یکسانیت اور ایک جیسی رفتار نہ صرف سفر کی کشش کو چاٹ لیتی ہے بلکہ حصولِ منزل کا اعتماد بھی چکنا چُور ہو کر رہ جاتا ہے۔

میرے سفر کی ڈور کا دوسرا سرا میری سانس سے بندھا ہُوا ہے میں لمحہ بھر کو رُک گیا تو یہ ڈور ٹوٹ جائے گی۔

کسی بھی حسّاس اور سنجیدہ فنکار کے لیے مشکل ترین مرحلہ اُس کے اپنے عہد کے تقاضوں کا ادراک اور ان تقاضوں کے مطابق موضوع کا انتخاب ہوا کرتا ہے۔ جو فنکار اپنے عہد سے بے خبر رہ کر تخلیق کی مشقت کرتا ہے وہ خود کلامی کی بھُول بھلّیوں میں بھٹک کر رہ جا

تو رجعت پسندی کے مرض میں مُبتلا ہو جاتا ہے یا تشکیک کی زد میں ابہام کا شکار ہو کر فکری اِنتشار کے برزخ کی ''بے سمتی'' میں اپنا آپ گنوا بیٹھتا ہے۔ میرے نزدیک یہ باتیں کرنا اس لیے بھی ضروری ہیں کہ

عصری جبر، سماجی گھٹن، سیاسی حبس اور طبقاتی تضاد کی دَلدَل میں دھنسے ہوئے جِس معاشرے میں مجھے جذبوں کے اظہار کا اِذن مِلا ہے وہ بذاتِ خود تشکیک وابہام اور سُکوت و تحیّر کی سیاہ چادر اوڑھ کر سانس روکے ہوئے زندگی کی ساعتیں گِن رہا ہے۔ عدل و انصاف کے مقابلے میں ظُلم اپنے پر پھیلائے دم توڑتے اِنسان کی ہچکیاں نِگل رہا ہے۔ رستے مقتل بن گئے ہیں چوراہوں سے بارُود اُگ رہا ہے، بازاروں میں درندگی برہنہ رقص رَچا رہی ہے، ''سچ'' سرِ عام مصلوب اور جھوٹ بَرملا مسند آراء ہے جُرم رواج بن گیا ہے۔ غارت گری روایت میں شامل ہو رہی ہے، دہشت گردی سے شہر سہمے ہوئے، وحشت صحراؤں پر مسلّط، لہُو کے رشتے کچّے دھاگوں کی طرح ٹوٹ رہے ہیں۔

یوں لگتا ہے جیسے ظلم و ستم کی سیاہ رات نے سوُرج کو چبا ڈالا ہے۔ دُکھ درد اور کَرب کی اس مُسلسل رات، بے یقینی اور مایوسی کی دُھول سے اَٹی ہوئی رات میں میری شاعری ''طلُوعِ اشک'' سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

''طلُوعِ اشک'' کی شاعری اپنے عہد میں بڑھتی ہوئی نفرتوں کے خلاف انسانی سانسوں کے ریشم سے بُنے ہوئے اُن نازک جذبوں اور دائمی رشتوں کا ایک دھیما سا احتجاج ہے جن کی پہچان کا واحد حوالہ محبت ہے۔

''محبت'' جو کدورتوں کی آگ میں جلتے جھُلستے جنگلوں کے اُس پار زیتُون کی وہ شاخ ہے جس کی خوُشبو کا دوسرا نام ''امن'' ہے۔

''طلُوعِ اشک'' میں نہ تو آپ کو عملی جدوجہد سے محروم کوئی ''دعویٰ'' نظر آئے گا۔ اور نہ ہی بے مقصد ''ہنگامہ آرائی''۔

کیونکہ اپنے چاروں طرف بکھرے ہوئے ظلم، پھیلی ہوئی نفرت اور افراتفری کے باوجود مَیں ابھی تک اِنسانی رشتوں کی اہمیت، رُوح کی گہرائیوں میں پھیلتے پھُولتے جذبوں کی توانائی، دائمی اَمن کی عالمگیر کشش، ''سچ'' کی فتحمندی اور ادراک و آگہی پر ''محبت'' کے تسلُط سے نہ تو مایُوس ہوُا ہوں اور نہ ہی منحرف۔

مجھے یقین ہے کہ جب تک کائنات میں اِنسان کا وجوُد باقی ہے۔ محبت اپنے توانا جذبوں کی صداقت سمیت باقی رہے گی۔ میں نے محبت کو اپنے احساس، ادراک اور آگہی کی اساس بنایا ہے۔ اِسے دُھوپ دُھوپ سمیٹا ہے اور پھر اپنے ''اشعار'' میں رنگ رنگ بکھیرنے کی کوشش کی ہے۔ یہی سب کچھ میرا فن بھی ہے اور متاعِ فن بھی۔

جہاں تک اپنے فن کے قدو قامت کی ''بے محل'' نمود و نمائش کا تعلق ہے مَیں ہمیشہ اس سے اجتناب کرتا ہوں، نہ ہی ''خودستائی'' کی بوسیدہ قبا اوڑھ کر ''دوسروں'' کو اپنی طرف متوجہ کرنا مجھے اچھا لگتا ہے۔

آخر ''سستی شہرت'' کے لیے اپنی قیمتی ''اَنا'' کو چھلنی کرنے کی ضرورت کیا اور شوق کیوں؟ کہ دُنیا میں جو ہے اُسے اپنے ''اثبات'' کے لیے دلیل کی ضرورت نہیں اور جو ''

نہیں'' ہے اُس کے ''ہونے'' پر اصرار بے معنی۔ خیر یہ الگ بحث ہے۔

مجھے اپنے تخلیقی سفر کے آغاز سے اب تک کیسے کیسے صبر آزما مراحل سے گذرنا پڑا؟ کس جان لیوا کرب کی شدّت میں سانس لینا پڑا؟ کیسی کیسی چوٹ کھا کر مُسکرانا پڑا؟ یہ کہانی دُہرانے کا وقت ہے نہ فرصت۔ (پھر سہی)

ابھی آپ جلدی میں ہیں۔ اور مجھے بھی اپنا سفر جاری رکھنا ہے۔ میری آنکھیں اندھیروں کا تسلّط قبول کرنے سے انکاری ہیں۔ میں اندھی رات کے جبر کے خلاف کِسی ایک کرن کِسی ایک چنگاری کِسی ایک آنسو کی طلب میں لمحو کا مقتل جھیل رہا ہوں۔ اور اپنے گرد بکھری ہوئی دست و پابُریدہ خواہشوں کی پُرسش میں مصروف بھی۔ اندھی رات کے مسلسل جبر کے خلاف کوئی جگنو، کرن، چنگاری یا کوئی ایک آنسو مجھے کچھ دیر اور جینے کا حوصلہ دے سکتا ہے۔ مَیں کچھ اور جاگ سکتا ہوں کہ مسلسل جاگتے رہنے کا اعزاز یہ کسی زندہ، روشن اور دہکتے ہوئے سورج کی صورت میں نہ سہی ہلکی روشنی کی علامت کے طور پر ہی میری آنکھوں کو صدیوں تک کے لیے اُجلے خوابوں کی دھنک میں مست اور مگن رکھ سکتا ہے۔ اگر آپ اندھی رات کے جبر کے خلاف میرے ساتھ محبت اور امن کی روشنی بُن سکتے ہیں تو اپنی آنکھیں میرے لفظوں میں اُنڈیل دیں کہ یہی میرے لیے روشنی کا استعارہ بن جائیں۔ ورنہ میری تنہائی میرے بغیر اُداس ہوگی۔

محسن نقوی

جمعرات ۲۸ مئی ۱۹۹۲ لاہور

☆

تَر ہوئے خوں میں کبھی خاکِ پَہن کر آئے
ہم ہمیشہ نئی پوشاک پہن کر آئے

اِک عجب رنگ سے نکلا وہ سرِ راہ کہ لوگ
جسم پر دیدۂ بے باک پہن کر آئے

ہم نے صدیوں کی ہتھیلی پر رکھی ہیں آنکھیں!
کوئی لمحہ ترا اِدراک پہن کر آئے!!

سانحہ کون سا گزرا ہے صَبا سے پوچھو
چند جھونکے خس و خاشاک پہن کر آئے

اشکِ شہرِ شبِ غم اپنی دُعا ہے کہ کبھی
مثلِ خورشید تُو افلاک پہن کر آئے

زخم کو ضِد تھی مسیحائی سے اَب کے ورنہ
حرفِ مَرہم کئی چالاک پہن کر آئے

آج ملنا تھا اُسے زخم چھُپا کر محسنؔ
ہم مگر جامۂ صد چاک پہن کر آئے

☆

اشک اپنا کہ تمہارا‘ نہیں دیکھا جاتا
اَبر کی زد میں ستارا‘ نہیں دیکھا جاتا

اپنی شہ رگ کا لہو تَن میں رواں ہے جب تک
زیرِ خنجر کوئی پیارا نہیں دیکھا جاتا

موج دَر موج اُلجھنے کی ہوَس بے معنی!
ڈوبنا ہو تو سہارا نہیں دیکھا جاتا

تیرے چہرے کی کشش تھی کہ پلٹ کر دیکھا
ورنہ سوُرج تو دوبارہ نہیں دیکھا جاتا

آگ کی ضِد پہ نہ جا' پھر سے بھڑک سکتی ہے
راکھ کی تہہ میں شرارہ نہیں دیکھا جاتا

زخم آنکھوں کے بھی سہتے تھے کبھی دل والے
اب تو ابرو کا اشارہ نہیں دیکھا جاتا

کیا قیامت ہے کہ دِل جس کا نگر ہے محسؔن
دل پہ اُس کا بھی اجارہ نہیں دیکھا جاتا

☆

اب اے مِرے اِحساسِ جُنوں' کیا مجھے دینا؟
دریا اُسے بخشا ہے تو صحرا مجھے دینا

تم اپنا مکاں جب کرو تقسیم تو یارو!
گرتی ہوئی دیوار کا سایا مجھے دینا!

جب وقت کی مُرجھائی ہوُئی شاخ سنبھالو
اس شاخ سے ٹوٹا ہوا لمحہ مجھے دینا

تم میرا بدن اوڑھ کے پھرتے رہو۔ لیکن
ممکن ہو تو اِک دن مِرا چہرہ مجھے دینا

چھوُ جائے ہوَا جِس سے تو خوشبو تِری آئے
جاتے ہوئے اِک زخم تو ایسا مجھے دینا

شب بھر کی مسافت ہے گواہی کی طلبگار
اے صبحِ سفرؔ اپنا ستارہ مجھے دینا

اِک درد کا میلہ کہ لگا ہے دِل و جاں میں
اِک رُوح کی آواز کہ ”رستہ مجھے دینا“

اِک تازہ غزل اذنِ سخن مانگ رہی ہے
تم اپنا مہکتا ہوا لہجہ مجھے دینا!

وہ مُجھ سے کہیں بڑھ کے مصیبت میں تھا محسنؔ
رہ رہ کے مگر اُس کا دِلاسہ مجھے دینا

☆

خُمارِ موسمِ خوشبو حدِ چمن میں کُھلا
مِری غزل کا خزانہ ترے بدن میں کُھلا

تم اُس کا حُسن کبھی اُس کی بزم میں دیکھو
کہ ماہتاب سدا شب کے پیرہن میں کُھلا

عجب نشہ تھا مگر اُس کی بخششِ لب میں
کہ یوں تو ہم سے بھی کیا کیا نہ وہ سخن میں کُھلا

نہ پوچھ پہلی ملاقات میں مزاج اُس کا
وہ رنگ رنگ میں سِمٹا' کِرن کِرن میں کُھلا

بدن کی چاپ' نِگہ کی زباں بھی ہوتی ہے
یہ بھید ہم پہ مگر اُس کی انجمن میں کُھلا

کہ جیسے اَبر ہَوا کی گِرہ سے کُھل جائے
سفر کی شامؔ مِرا مہرباں تھکن میں کُھلا

کہوں میں کِس سے نشانی تھی کِس مسیحا کی؟

وہ ایک زخم کہ محسنؔ مِرے کفن میں کھُلا

☆

رشتۂ تشنہ لبی وقت سے جوڑا جائے
لمحے لمحے کی رگِ جاں کو نچوڑا جائے

لُطف تو جب ہے سفر کا کہ مِرے ہمسفَرو!
اپنے سائے کو بھی رستے میں نہ چھوڑا جائے

دل تجھے بھُولنا چاہے بھی تو مشکل یہ ہے
کس طرح سانس کی زنجیر کو توڑا جائے؟

شہرِ یاراں نہ سہی دشت و بیاباں ہی سہی
سیلِ وحشت کو کسی سمت تو موڑا جائے

منصبِ شَوق سے اُلجھی ہے سِناں کی خواہش
سر کو سنگِ درِ جاناں پہ نہ پھوڑا جائے

وہ پگھلتا ہے کہاں ایک غزل سے محسنؔ
ایک تیشے سے تو کُہسار نہ توڑا جائے

☆

رات ہمارا غم شناس، تھا وہ، مگر وہ تُو نہ تھا
دل زدگاں کے آس پاس، تھا وہ، مگر وہ تُو نہ تھا

سنگدل و برہنہ تن بانجھ رُتوں کی بھیڑ میں
ایک خیالِ خوش لباس، تھا وہ، مگر وہ تُو نہ تھا

صاحبِ حرفِ التماس تھے وہ، مگر وہ ہم نہ تھے
واقفِ کربِ التماس، تھا وہ، مگر وہ تُو نہ تھا

شہر کی ساری تہمتیں جس کو نہ رام کر سکیں
خوف کی رُت میں بے ہراس، تھا وہ، مگر وہ تُو نہ تھا

شوق کی رہگزار میں حاصلِ شام جستجوُ!
ایک یقیں تما قیاس، تھا وہ، مگر وہ تُو نہ تھا

محفلِ دوستاں میں بھی روشنیوں کے درمیاں!
صرف مِرے لیے اُداس، تھا وہ، مگر وہ تُو نہ تھا

محسنؔ بے نوا کے بعد، ماتمیانِ شہر میں!
بے سرو برگ و بے حواس، تھا وہ، مگر وہ تُو نہ تھا

☆

زندگی، لوگ جسے مرہمِ غم جانتے ہیں
جس طرح ہم نے گزاری ہے وہ ہم جانتے ہیں

درد کچھ اور عطا کر کہ ترے درد نواز
یہ سخاوت ترے معیار سے کم جانتے ہیں

سَر برہنہ چلے آئے ہیں کہ پتھر برسیں
ہم ترے شہر کا آئینِ کرم جانتے ہیں!!

شدّتِ غم کا یہ عالم ہے شبِ ہجر، کہ ہم
ہر ستارے کو ترا دیدۂ نم جانتے ہیں!

ہم کہ کھلتے تھے کبھی ضبطِ جنوں کی رُت میں
حرفِ شیریں کو بھی اب قطرۂ سم جانتے ہیں

ہم ایسے لوگ بہت ہیں۔۔۔

یہ راکھ راکھ رُتیں اپنی رات کی قسمت
تم اپنی نیند بچھاؤ، تم اپنے خواب چُنو
بکھرتی ڈوبتی نبضوں پہ دھیان کیا دینا
تم اپنے دِل میں دھڑکتے ہوئے حُروف سنو

تمھارے شہر کی گلیوں میں سَیلِ رنگ بخیر
تمھارے نقشِ قدم پھول پھول کھلتے رہیں
وہ رہگزر جہاں تم لمحہ بھر ٹھہر کے چلو
وہاں پہ ابر جھکیں، آسماں ملتے رہیں

نہیں ضرور کہ ہر اجنبی کی بات سُنو!
ہر اک صدا پہ دھڑکنا بھی دِل کا فرض نہیں
سُکوتِ حلقۂ زنجیرِ در بھی کیوں ٹوٹے؟
صَبا کا ساتھ نبھانا جنوں پہ قرض نہیں!

ہم ایسے لوگ بہت ہیں جو سوچتے ہی نہیں
کہ عمر کیسے کٹی، کس کیساتھ بیت گئی؟
ہماری تشنہ لبی کا مزاج کیا جانے؟
کہ فصلِ بخششِ موجِ فرات بیت گئی!
یہ ایک پَل تھا جسے تم نے نوچ ڈالا ہے
وہ اِک صَدی تھی جو بے التفات بیت گئی
ہماری آنکھ لہو ہے، تمھیں خبر ہوگی
چراغ خود سے بجھا ہے کہ رات بیت گئی؟

☆

مغرور ہی سہی، مجھے اچھا بہت لگا
وہ اجنبی تو تھا مگر اپنا بہت لگا

رُوٹھا ہوا تھا، ہنس تو پڑا مجھ کو دیکھ کر
مجھ کو تو اس قدر بھی دلاسا بہت لگا

صحرا میں جی رہا تھا جو دریا دلی کے ساتھ
دیکھا جو غور سے تو وہ پیاسا بہت لگا

لِپٹا ہُوا ہو کُہر میں جیسے خزاں کا چاند
مَیلے لباس میں بھی وہ پیارا بہت لگا

ریشم پہن کے بھی مری قیمت نہ بڑھ سکی
کھدّر بھی اُس کے جسم پہ مہنگا بہت لگا

محسنؔ جب آئینے پہ مِری سانس جم گئی
مجھ کو خود اپنا عکس بھی دُھندلا بہت لگا

☆

عجیب خوف مسلّط تھا کل حَویلی پر
ہَوا چراغ جلاتی رہی ہتھیلی پر

سُنے گا کون مگر احتجاج خوشبو کا؟
کہ سانپ، زہر چھڑکتا رہا چنبیلی پر

شب فراق، میری آنکھ کو تھکن سے بچا
کہ نیند وار نہ کر دے تیری سہیلی پر

وہ بے وفا تھا تو پھر اتنا مہرباں کیوں تھا؟
بچھڑ کے اُس سے مَیں سوچوں اِسی پہیلی پر

جَلا نہ گھر کا اندھیرا، چراغ سے محسنؔ
سِتم نہ کر مری جاں، اپنے یار بیلی پر

☆

طلَب کو اَجر نہ دوں، فِکر رہگذر نہ کروں!
سفر میں اب کے ہوا کو بھی ہمسفر نہ کروں

اُبھرتے ڈوبتے سُورج سے توڑ لوں رشتہ
میں شام اوڑھ کے سو جاؤں اور سَحر نہ کروں

اَب اِس سے بڑھ کے بھلا کیا ہو اِحتیاطِ وفا
میں تیرے شہر سے گذروں، تجھے خبر نہ کروں!

یہ میرے درد کی دولت، مری متاعِ فراق
اِن آنسوؤں کی وضاحت میں عمر بھر نہ کروں!

اُجاڑ شب کی خَلِش بن کے ''بَن'' میں کھو جاؤں
میں چاندنی کی طرح خود کو دَربدر نہ کروں!

وہ ایک پَل کو دکھائی تو دے کہیں محسنؔ
میں جاں گنوا کے بھی اُس پَل کو مختصر نہ کروں!

☆

شکل اُس کی تھی دلبروں جیسی
خُو تھی لیکن ستمگروں جیسی

اُس کے لب تھے سُکوت کے دریا
اُس کی آنکھیں سخنوروں جیسی

میری پروازِ جاں میں حائل ہے
سانس ٹوٹے ہوئے پروں جیسی

دل کی بستی میں رونقیں ہیں مگر
چند اُجڑے ہوئے گھروں جیسی

کون دیکھے گا اب صلیبوں پر
صورتیں وہ پیمبروں جیسی!

میری دنیا کے بادشاہوں کی
عادتیں ہیں گداگروں جیسی

رُخ پہ صحرا ہیں پیاس کے محسنؔ
دل میں لہریں سمندروں جیسی

سالگرہ

زندگی ـــ تیز بہت تیز ہوا کا جھونکا
جلتی بجھتی ہوئی شمعیں مہ و سال مِرے
ڈھلتا سورج مرے ماضی کی لحد کا کتبہ
ریگِ صحرا کی لکیریں ہیں خد و خال مرے

چاند میرے تنِ مجروح پہ سنگِ اعزاز
دھوپ چھاؤں مرے صد چاک لبادے کا خراج
سب ستارے مری پوشاک کے پیوندِ نحیف
میرے آنسو میرا ورثہ مری آنکھوں کا مزاج

میرا چہرہ مرے مقتول ہُنر کی تاریخ
میری آنکھیں مری دُکھتی ہوئی راتوں کے چراغ
میرے ہونٹوں پہ مری پیاس کے نوحوں کا ہجوم
میرے سینے پہ درخشاں مری توہین کے داغ

آج کی شام' کہ ہر سال اِسی شام کے ساتھ
میری اُکھڑی ہوئی سانسوں میں گرہ لگتی ہے
آسماں وقت کے آنچل کی دھنک بُنتا ہے
ساری دھرتی تنِ عُریاں کی زرہ لگتی ہے

آج کی شام کہ ہر سال مرے زخم نواز
مسکراتے ہوئے کچھ پھول عطا کرتے ہیں
کچھ مسیحا مری خاطر مرا دل رکھنے کو
خط میں جینے کی دُعا بھیج دیا کرتے ہیں

سالہا سال گزرنے پہ بھی اے دل زدگاں
آج کی شام مناتے ہوئے ڈر لگتا ہے
مسکراتے ہوئے چہروں کے بھنور ہیں لیکن
آخری شمع جلاتے ہوئے ڈر لگتا ہے!

دل دھڑکتا ہے کہ جلتی ہوئی شمعوں کا دھواں
شعلۂ کرب میں تحلیل نہ ہو جائے کہیں
جی لرزتا ہے کہ منظر کے اُدھورے پن کی
آج کی شام سے تکمیل نہ ہو جائے کہیں!

آؤ کچھ دیر کو ہم زخم شماری کر لیں
اور کچھ دیر میں ہر شمع پگھل جائے گی
آج کی بزم میں کھو جائیں' کہیں سو جائیں
آج کی شام بھی کچھ دیر میں ڈھل جائے گی

جلتی بجھتی ہوئی شمعوں کا بھروسا کیا ہے؟
زندگی، تیز بہت تیز ہوا کا جھونکا

☆

جگنو، گُہر، چراغ، اُجالے تو دے گیا
وہ خود کو ڈھونڈنے کے حوالے تو دے گیا

اب اس سے بڑھ کے کیا ہو وراثت فقیر کی
بچّوں کی اپنی بھیک کے پیالے تو دے گیا

اَب میری سوچ سائے کی صورت ہے اُس کے گرد
میں بجھ کے اپنے چاند کو ہالے تو دے گیا

شاید کہ فصلِ سنگ زنی کچھ قریب ہے
وہ کھیلنے کو برف کے گالے تو دے گیا

اہلِ طلب پہ اُس کے لیے فرض ہے دُعا
خیرات میں وہ چند نوالے تو دے گیا

محسنؔ اُسے قبا کی ضرورت نہ تھی مگر
دُنیا کو روز و شب کے دوشالے تو دے گیا

☆

سانسوں کے اس ہُنر کو نہ آسان خیال کر
زندہ ہوں، ساعتوں کو میں صدیوں میں ڈھال کر

مالی نے آج کتنی دعائیں وصول کیں
کچھ پھول اِک فقیر کی جھولی میں ڈال کر

کل یومِ ہجر، زرد زمانوں کا یوم ہے
شب بھر نہ جاگ، مفت میں آنکھیں نہ لال کر

اے گردباد، لَوٹ کے آنا ہے پھر مجھے
رکھنا مِرے سفر کی اذیّت سنبھال کر

محراب میں دِیے کی طرح زندگی گزار
مُنہ زور آندھیوں میں نہ خود کو نڈھال کر

شاید کسی نے بُخلِ زمیں پر کیا ہے طنز
گہرے سمندروں سے جزیرے نکال کر

یہ نقدِ جاں کہ اِس کا لُٹانا تو سَہل ہے
گر بَن پڑے تو اِس سے بھی مشکل سوال کر

محسنؔ برہنہ سر چلی آئی ہے شامِ غم!
غُربت نہ دیکھ اس پہ سِتاروں کی شالَ کر

☆

کچھ تو عہدِ خوں فشانی اور ہے!
کچھ مِری آنکھوں نے ٹھانی اور ہے!

وسعتِ صحرائے عالم سے اُدھر
دشتِ غم کی بیکرانی اور ہے

یا ادھوری ہے گواہی عشق کی
یا پھر اُس کی بدگُمانی اور ہے

یوں بضد ہے آنکھ رونے پر ابھی
جیسے اس دریا میں پانی اور ہے

شعلۂ خورشیدِ محشر کی قسم
اُس کا معیارِ جوانی ۔ اور ہے!

اِک وہ خُود ہے جھُٹپٹے کی چاندنی!
اِک دوپٹّہ اُس پہ دھانی اور ہے!!

سب رُتیں دیکھی ہیں اس دل نے مگر
اَب کے موسم میں گِرانی اور ہے

ڈوب جانے دو ستارا صُبح کا
اُس کے آنے کی نشانی اور ہے

داستاں ہے اور آنکھوں میں مگر
دِل میں پوشیدہ کہانی اور ہے!!

عشق میں محسنؔ کہاں کا جیتنا؟
ہارنے میں کامرانی اور ہے!!

تمھیں کس نے کہا تھا؟

تمھیں کس نے کہا تھا؟
دوپہر کے گرم سورج کی طرف دیکھو
اور اتنی دیر تک دیکھو!
کہ بینائی پگھل جائے!!

تمھیں کس نے کہا تھا؟
آسماں سے ٹوٹتی اندھی الجھتی بجلیوں سے
دوستی کرلو
اور اتنی دوستی کرلو
کہ گھر کا گھر ہی جل جائے!!

تمھیں کس نے کہا تھا؟
ایک انجانے سفر میں
اجنبی رہرو کے ہمرہ دُور تک جاؤ
اور اتنی دور تک جاؤ!
کہ وہ رستہ بدل جائے!

ابھی کہاں ہے وہ ساعت؟

ابھی کہاں ہے وہ ساعت
کہ ہم دریدہ بدن
سِیہ لباس کے پرزے
سپردِ خاک کریں
جگر کے داغ اُجالیں لہو کے چھینٹوں سے
قبائے ضبط جدائی کو
خود سے چاک کریں
ابھی کہاں ہے وہ لمحہ
کہ جس کو اہلِ نظر
طلوعِ موسمِ گلرنگ کی نوید کہیں!
ابھی کہاں ہے وہ ساعت
کہ جس کو ''عید'' کہیں!!

☆

خوشبو ہے، دھنک ہے چاندنی ہے
وہ اچھے دِنوں کی شاعری ہے

بھیگے ہوئے پھُول حرف اُس کے
رِم جھم کی زباں میں بولتی ہے

ہاتوں میں تھکن ہے شام جیسی
لہجے میں سَحر کی تازگی ہے

یہ اُس کی صدا کا بھولپن ہے!
یا شمعِ سخن پگھل رہی ہے؟

چہرے یہ حیا کا روپ، جیسے
دریا میں شفق سی گھُل گئی ہے

آنکھوں میں گلاب کِھل رہے ہیں
کیا جانے وہ کب سے جاگتی ہے؟

برسا ہے خمار چاندنی کا!
یا اُس کی جبیں دَمک اُٹھی ہے؟

کیا جانے وہ کیسے مُسکرائی؟
ہیرے سے کرن سی چھَن پڑی ہے!

چہرے پہ بکھر کے زُلف اُس کی
سُورج سے خراج مانگتی ہے

وہ محوِ خرام یوں ہے -- جیسے

اِک شاخ ہوا سے کھیلتی ہے

پَل بھر کو سَرک گیا جو آنچل
کلیوں کی طرح سِمٹ گئی ہے

پروا ہی نہیں اُسے کسی کی
اپنے سے وہ کتنی اجنبی ہے!

آئینہ ہی دیکھتا ہے اُس کو
آئینہ کہاں وہ دیکھتی ہے؟

وہ غنچہ دَہن "سُکوت زادی"
کھلنے پہ بھی کم ہی بولتی ہے

میں اُس کے بغیر کچھ نہ سوچوں
شاید وہ یہ بات سوچتی ہے

مَیں اُس کی اَنا کا بانکپن ہوں
وہ میری غزل کی دلکشی ہے

میں گرم دِنوں کی لُو کا موسم
وہ سَرد رُتوں کی سادگی ہے

اے خلوتیانِ مہہ جبیناں!
وہ آپ ہی اپنی آگہی ہے!

اے مُشتریانِ حُسنِ عالَم
وہ دونوں جہاں سے قیمتی ہے

میں اُس کی رفاقتوں پہ نازاں
محسنؔ وہ غرورِ دوستی ہے

سو بار میں اُس سے کھو گیا ہوں
ہنستی ہوئی پھر سے مِل گئی ہے

محسنؔ یہ نہ کھُل سکے گا مجھ پہ
وہ فن ہے کہ فن کی زندگی ہے!

☆

لگے نہ کیوں خود سے مجھ کو پیارا، کبھی سمندر کبھی ستارہ
مِری مسافت کا اِستعارہ، کبھی سمندر کبھی ستارہ

تِری مری قربتوں کا موسم بکھر کے سمٹے، سمٹ کے بکھرے
اِسی لیے آنکھ میں اُتارا ۔۔ کبھی سمندر کبھی ستارہ

نیا نیا عشق کرنے والو! ہمیں سے اِس کا زیاں بھی پوچھو
بساطِ ہستی پہ ہم نے ہارا، کبھی سمندر کبھی ستارہ

تِرے لیے جاگنے کو مہکیں کبھی (گلستاں) کبھی چراغاں
مِرے لیے خواب کا اِشارہ ۔۔ کبھی سمندر کبھی ستارہ

وہ کہکشاں زاد و سَیلِ نکہت ہمارے ہمراہ چل پڑا تھا!
کہاں تھا ورنہ ہمیں گوارا ۔۔ کبھی سمندر کبھی ستارہ؟

مِرے بھٹکنے پہ جانِ محسنؔ یہ طنز کیسا کہ اِس جہاں میں
ہوئے ہیں بے سمت و بے کنارا ۔۔ کبھی سمندر کبھی ستارہ

☆

سخنوری کا جو محسن کبھی ارادہ کرو
کسی کی بخششِ لب سے بھی استفادہ کرو

اب اپنی تشنہ لبی سے کرو کشید لہُو
غرورِ ابرِ کرم اور بے لِبادہ کرو

عدو کی تنگ دِلی کو جو مات دینا ہے
بدن کے زخم نہ دیکھوٗ جبیں کشادہ کرو

جو دیکھنا ہو تمھیں اپنے خال و خد کی کشش
تو زیبِ تن کِسی رُت میں قبائے سادہ کرو

لکھا ہے کس نے لہُو سے یہ ریت پر محسنؔ
ستم کرو تو مِرے صبر سے زیادہ کرو

☆

ہجر کے شہر میں دھوپ اُتری، میں جاگ پڑا تو خواب ہوا
مِری سوچ خزاں کی شاخ بنی، ترا چہرہ اور گلاب ہوا

برفیلی رُت کی تیز ہوا کیوں جھیل میں کنکر پھینک گئی؟
اِک آنکھ کی نیند حرام ہوئی، اِک چاند کا عکس خراب ہوا

ترے ہجر میں ذہن پگھلتا تھا، ترے قُرب میں آنکھیں جلتی ہیں
تجھے کھونا ایک قیامت تھا ۔۔ ترا ملنا اور عذاب ہوا۔۔!

بھرے شہر میں ایک ہی چہرہ تھا، جسے آج بھی گلیاں ڈھونڈتی ہیں
کسی صبح اُسی کی دھوپ کِھلی، کسی رات وہی مہتاب ہوا

بڑی عمر کے بعد اِن آنکھوں میں کوئی اَبر اُترا تری یادوں کا
مِرے دل کی زمیں آباد ہوئی مرے غم کا نگر شاداب ہوا

کبھی وصل میں محسنؔ دل ٹوٹا کبھی ہجر کی رُت نے لاج رکھی
کسی جسم میں آنکھیں کھو بیٹھے کوئی چہرہ کُھلی کتاب ہوا

☆

نظّارۂ جمال میں شامل ہے آئینہ
دیکھے نہ کیوں کہ دِید کے قابل ہے آئینہ

اے شامِ قُرب اُس کو نظر چھُو تو لے مگر
مشکل یہ ہے کہ راہ میں حائل ہے آئینہ

پھر اہلِ دل کو ہے تری بخشش کا نتظار
پھر تیرے خدّ و خال کا سائل ہے آئینہ

اِک دن تو بن سنور کے مِری سانس میں اُتر
اِس ریت ریت سانس کا حاصل ہے آئینہ

اِک میں کہ تجھ کو دیکھنا چاہوں فلک تلک
اِک تُو کہ تیری دِید کی منزل ہے آئینہ

پلکوں سے کر کشیدؔ شعاعوں کے ذائقے
دریائے رنگ و نُور کا ساحل ہے آئینہ

محسنؔ میں کچھ تو آپ ہی ٹکڑے ہوا مگر
کچھ میری خواہشات کا قاتل ہے آئینہ

☆

ہوائے ہجر میں، جو کچھ تھا، اب کے خاک ہوا
کہ پیرہن تو گیا تھا، بدن بھی چاک ہوا

اب اُس سے ترکِ تعلّق کروں تو مر جاؤں

بدن سے رُوح کا اِس درجہ اشتراک ہوا

یہی کہ سب کی کمانیں ہمیں پہ ٹوٹی ہیں!
چلو حسابِ صفِ دوستاں تو پاک ہوا

پوچھ اپنی ظرف پھر سے لَوٹنے کا عمل!
کہ میں پہاڑ تھا' سمٹا تو مُشتِ خاک ہوا

وہ بے سبب یونہی رُوٹھا ہے لمحہ بھر کے لیے
یہ سانحہ نہ سہی پھر بھی کربناک ہوُا

اُسی کے قُرب نے تقسیم کر دیا آخر!
وہ جس کا ہجر مجھے وجہِ انہماک ہوا

شدید وار نہ دشمن دلیر تھا محسنؔ
میں اپنی بے خبری سے مگر ہلاک ہوا

☆

آنکھ میں بے کراں ملال کی شام
دیکھنا' عشق کے زوال کی شام

میری قسمت ہے تیرے ہجر کا دن
میری حسرت ترے وصال کی شام

دہکی دہکی ترے جمال کی صبح
مہکی مہکی مرے خیال کی شام

روپ صدیوں کی دوپہر پہ محیط
"اوڑھنی" ہے کہ ماہ وسال کی شام

پھر وہی دَر وہی صدا محسنؔ!

پھر وہی میں وہی سوال کی شام

اے مری بے سُہاگ تنہائی

اس سے پہلے کہ سوچ کا کُندن
شامِ غم کے اجاڑ صحرا میں!
جل بجھے، بجھ کے راکھ ہو جائے
اس سے پہلے کہ چاہتوں کی یقیں
واہموں کے بھنور میں کھو جائے

اس سے پہلے کہ چاند کا جھومر!
درد کی جھیل میں اُتر جائے۔!
اور خواہش کی چاندنی کا غبار
وقت کی آنکھ میں بکھر جائے

اس سے پہلے کہ اپنے دل کی رگیں
ایک اِک کر کے ٹوٹتی جائیں
اور طنابیں گلاب خوابوں کی
اپنے ہاتھوں سے چھوٹتی جائیں

اس سے پہلے کہ گھیر لے مجھ کو
ہر طرف سے جلوزِ رُسوائی
قربتوں کے نشاں مِٹا ڈالے
ہجر کے زلزلوں کی انگڑائی

اے مِری بے سہاگ تنہائی!
مجھ سے پُرسہ لے اپنے پیاروں کا
بجھتے اشکوں کے اُن ستاروں کا
جو ہر اِک اجنبی کے رستے میں!

نُور کی چادریں بچھاتے تھے
جو کسی صبح زاد کی دُھن میں
رات بھر روشنی لٹاتے تھے!

اے مِری بے سہاگ تنہائی!
آمِرے پاس، مجھ سے پُرسہ لے
اُن گلابوں کا، اُن سحابوں کا
جس کی رُت میں جو برستے تھے
جن کے پل بھر کے لمس کی خاطر
موسموں کے بدن ترستے تھے

اے مِری بے سہاگ تنہائی!
اس سے پہلے کہ سانس تھک جائے
شوق ڈھونڈے نئی گزر گاہیں
اس سے پہلے کہ بے نشاں ٹھہریں
حسرتِ قرب کی سبھی راہیں
میری گردن میں ڈال دے باہیں!

جُز مرے کون تجھ کو چاہے گا؟
میں بھی تیری طرح اکیلا ہوں!
آنکھ میں تشنگی کا صحرا ہے!
دل میں پاتال کی سی گہرائی!
اور کیا ہو رَہِ شناسائی؟
اے مری بے سہاگ تنہائی!

☆

ہمارے بعد سفیرِ صبا ہے آخر کون؟
تلاشِ منزلِ جاناں میں ہے مُسافر کون؟

رہینِ خلوتِ شب، چاندنی سے پوچھ کبھی
کہ شہر شہر بھٹکتا ہے تیری خاطر کون؟

ہمیں عزیز تھی مقتل کی آبرو -- ورنہ
بھرے جہاں میں ہے اپنے لہُو کا تاجر کون؟

ہمیں نے شیخ کا پندارِ خود سَری توڑا
وگرنہ اُس کی نظر میں نہیں تھا کافر کون؟

سخنوری ہمیں وجۂ شرف نہیں محسنؔ
مگر ہمارے سوا شہر میں ہے شاعر کون؟

☆

کب سے تم نے اپنایا، اِس طرح کا ہو جانا!
شب کو جاگتے رہنا، دِن میں تھک کے سو جانا

شہر میں تو مجھ جیسی بے شمار آنکھیں ہیں
تم بھی خیر سے جاؤ، تم نہ اُن میں کھو جانا

عدل کی کٹہرے میں جُرم بول پڑتا ہے
داغ داغ دامن سے کچھ لہو تو دھو جانا

زہر اُگلتے سانپوں کی پھنکار تلے؟
ویرانوں میں دفن خزانے کیسے ہیں؟

جن کی چاک قمیضیں تیرے ہاتھ لگیں
خاک پہنتے وہ دیوانے کیسے ہیں؟

جن کے جھرمٹ میں شمعیں دم توڑ گئیں
وہ پیارے، پاگل، پروانے کیسے ہیں؟

محسنؔ ہم تو خیر خبر سے دَر گذرے
اپنے گھر کے لوگ نجانے کیسے ہیں؟

☆

سو بار اُجڑ کے پھر بَسا ہوں
جنگل ہوں مگر ہَرا بھرا ہوں

ہر شخص میں ڈھونڈھتا ہوں خود کو
شاید میں کسی میں کھو گیا ہوں۔۔!

اَب تیرا وصال ۔۔۔ رائیگاں ہے!
میں کب کا اُداس ہو چکا ہوں

اندھا ہوں، پکڑ لے ہاتھ میرا!
اے ہجر کی شب مَیں بے عصا ہوں

خوش ہو اے بلندیوں کی خواہش
مَیں نوکِ سناں پہ سج گیا ہوں

دریا کو شکست دی ہے میں نے
مشکیزے میں پیاس بھر رہا ہوں

کرتا ہے قبول کون مجھ کو ۔۔۔؟
کٹتے ہوئے ہاتھ کی دُعا ہوں

سچ یہ ہے کہ اجنبی ہوں خود سے
کہنے کو میں سب سے آشنا ہوں

اُلجھا ہوں یہ سوچ کر ہَوا سے

میں شہر کا آخری دیا ہوں!

دن بھر کی تپش میں کون جُھلسے!
میں شب کو بدن پہ اوڑھتا ہوں

محسنؔ مجھے خود پہ ناز کیسا؟
مَیں یوں بھی مثالِ نقشِ پا ہوں

قبیلے والو!

قبیلے والو!
تمھاری آنکھوں میں جب کبھی آفتاب اُترے
تو دیکھ لینا!
تمھاری بستی کی کچی پگڈنڈیوں کو
پھر نگل چکے ہیں
تمھارے چوپال،
سنگ بستہ حویلیوں میں بدل چکے ہیں
تمھارے اُجلے مکان
آہن مزاج زنداں میں ڈھل چکے ہیں
تمھارے کھلیان،
تیل پی کر اُگل رہے ہیں دُھویں کی فصلیں!
جہاں پہ اُگتے تھے پھول، کھلتی تھیں نکہتوں کی رُتیں ہمیشہ
وہاں پہ بارود ناچتا ہے، لہُو کی برسات ہو رہی ہے
سحر کی چادر بچھا کے منحوس رات
پنچھے پسارتی رات سو رہی ہے!!
قبیلے والو!
تمھاری مہماں نوازیوں کی کہانیاں اب
فقط کتابوں میں رہ گئی ہیں!
محبتوں کے تمام جذبے
گہن لگے چاند کی طرح ماند پڑ چکے ہیں
تھکے ہوئے رہرووں کی آنکھوں میں

نیند کا نور بانٹتے پیڑ جھڑ چکے ہیں
رُتوں کے میلے اُجڑ چکے ہیں!!
کسی کی بارات میں ستارے
نہ مرنے والوں کے سوگ میں
آنکھ نم۔۔۔کسی کی!
دل دھڑکتے ہیں آہٹوں پر
نہ انتظارِ وصالِ جاناں میں
جاگتی ہیں اُداس آنکھیں
نہ اضطرابِ شکستِ پیماں
نہ موسمِ چاکِ جَیب و داماں!
کسی دریچے پہ اب ٹھہرتی نہیں ہے
موجِ صبا کی دستک!
کوئی جلاتا نہیں اندھیروں کی صف میں
اپنی انا کی مشعل
کسی کے ماتھے پہ اب ابھرتی نہیں ہے
اُجلے دنوں، نئے موسموں کی
رخشندہ تر نگارش!
قدم قدم سج گئے ہیں مقتل
قدم قدم ہے لہُو کی بارش!!
تمھارے رشتوں کی۔۔۔
آبِ سر سے لکھی ہوئی مستقل عبارت
تمھاری تنہائیوں کی دیمک نے چاٹ لی ہے!
قبیلے والو!
تمھاری بستی کے اُس طرف
شہد کی ندی سے پَرے
بہت دُور۔۔۔دودھ کی نہر کے کناروں پہ
''موت'' منڈلا کے اپنے سوداگروں کے خیمے لگا رہی ہے!
قبیلے والو!
مجھے نہ جھٹلاؤ۔۔۔
میں نے بے دست و پا ہَوا سے یہی سُنا ہے
کہ آنے والا ہر ایک موسم قضا کا موسم
کہ آنے والی ہر ایک ساعت
فنا بہ لب ہے
کہ آنے والا ہر ایک لمحہ
اَجل بہ پا ہے

مجھے نہ جھٹلاؤ۔۔۔
اَب کے تازہ عذاب اُترے تو دیکھ لینا
قبیلے والو!
تمھاری آنکھوں میں جب کبھی آفتاب اُترے
تو دیکھ لینا

☆

قدرِ جوہر ہے جو پندار سمیت
مجھ کو پرکھو مِرے معیار سمیت

روز مانگیں یہ دعا ۔۔۔ خانہ بدوش
گھر نہ اُجڑیں درودیوار سمیت

کتنی بنجر ہوئی فصلِ آواز ۔۔۔!
شہر چپ چاپ ہے بازار سمیت

کاش لوگوں کی طِرح سُوئے چَمن
ہم بھی جائیں کبھی دلدار سمیت

کون کرتا قدوقامت کا حساب؟
اک قیامت تھا وہ رفتار سمیت

بُجھ جائیں کہیں آنکھیں میری
یاد آ، مشعلِ رخسار سمیت

خاک اُڑاتی ہوئی صدیوں سے اُدھر
قافلے گم ہوئے سالار سمیت

جن کی ہیبت سے ہراساں لشکر!!
بے نشاں اب ہیں وہ تلوار سمیت

خط کشیدہ رہی جرأت جن کی!
سرکشیدہ ہیں وہی دار سمیت

ہوس درہم و دینار کی خیر
لوگ بِکنے لگے کردار سمیت

میں کہ محسنؔ ہوں شہیدِ ناموس
دفن کرنا مجھے ــــــ دستار سمیت!!

☆

موسمِ کرب انتظار بھی جھوٹ
دل نہ مانے تو وصلِ یار بھی جھوٹ

جھوٹ ہے سب خزاں کا خمیازہ
عکسِ رنگِ رُخِ بہار بھی جھوٹ

موت، تیری طلب بھی لغزش لَب
زندگی، تیرا اعتبار بھی جھوٹ

وسعتِ داستانِ شوق، غلط
کوششِ حرفِ اختصار بھی جھوٹ

خلقتِ شہر مصلحت پیشہ
ورنہ فرمانِ شہرِ یار بھی جھوٹ

نارسائی کو راستے مشکل!
کور چشمی کو کوہسار بھی جھوٹ

دور سے پیاس کو سراب، چناب
اہلِ صحرا کو آبشار بھی جھوٹ

دسترس کا طلسم ہے ورنہ
ساعتِ جبر و اختیار بھی جھوٹ

پیرہن خونِ دل میں تر کر لو
ورنہ دامانِ تار تار بھی جھوٹ

صرف اُس کا سفر ہے سچ محسنؔ ---!
میری رہ بھی مرا غبار بھی جھوٹ

☆

تَن پہ اوڑھے ہوئے صدیوں کا دُھواں شامِ فراق
دِل میں اُتری ہے عجب سوختہ جاں شامِ فراق

خواب کی راکھ سمیٹے گی، بکھر جائے گی!
صورتِ شعلۂ خورشید رُخاں، شامِ فراق

باعثِ رونقِ اربابِ جنوں --- ویرانی!
حاصلِ وحشتِ آشفتہ سراں شامِ فراق

تیرے میرے سبھی اقرار وہیں بکھرے تھے
سر جھکائے ہوئے بیٹھی ہے جہاں شامِ فراق

اپنے ماتھے پہ سجا لے تیرے رُخسار کا چاند!
اِتنی خوش بخت و فلک ناز کہاں شامِ فراق؟

ڈھلتے ڈھلتے بھی ستاروں کا لہُو مانگتی ہے
میری بجھتی ہوئی آنکھوں میں رواں شامِ فراق

اب تو ملبوس بدل، کاکُلِ بے ربط سنوار!

بجھ گئیں شہر کی سب روشنیاں، شامِ فراق

کتنی صدیوں کی تھکن اِس نے سمیٹی محسنؔ
یہ الگ بات کہ اب تک ہے جواں شامِ فراق

☆

دیکھ رہینِ احتیاط، یوں نہ ابھی سنبھل کے چل
صورتِ مَوجِ تند خُو سمت بَدل بَدل کے چل

قریۂ جاں کے اُس طرف روشنیوں کی بھیڑ ہے
آج حدودِ ذات سے، چار قدم نِکل کے چل

دشتِ انا میں ہے تجھے، تیرگیوں کا سامنا!
ذہن سے برف چھِیل دے دھوپ بدن پہ مَل کے چل

موجِ ہوا سے کر کشید، اور سفر کا حوصلہ
راہ کے خار کو پھول سمجھ، مسل کے چل

موسمِ بے قبا ٹھہر، وقتِ وداعِ شوق ہے
اوڑھ لے رات ہجر کی، درد کی لے میں ڈھل کے چل

نکتیۂ رازِ دلنشیں کون زماں کہاں زمیں؟
تو بھی تو بے کنار ہو، تہہ سے کبھی اُبل کے چل

جاگ بھی محسنِ حزیں، زندگیوں کا بھید، پا
سانس کی ہر سراط پر ساتھ سدا اجل کے چل

☆

اِس دُھوپ میں یہ فیض بھی اب مرحمت نہ کر

مجھ پہ گزرتے اَبر کے سائے کی چھت نہ کر

اِس دل کو فتح کر کے گُزر جا ۔۔۔ کہ خیر ہو
آباد اِس زمیں پہ کوئی سلطنت نہ کر

غُربت میں ٹوٹنے کا ہُنر مَت سِکھا مجھے
میں سنگ زاد ہوں مجھے شیشہ صفت نہ کر

اوقات بھُول جاؤں گا اِتنی اڑان سے
رہنے دے اب تو مجھ کو فلک مرتبت نہ کر

ناپیں گے کل مرے قد و قامت سے تجھ کو لوگ
اب اِتنی بے دلی سے تو میری بُنت نہ کر

اب دیکھ تیرے اپنے مقابل کھڑا ہوں میں
میں نے کہا نہ تھا کہ میری تربیت نہ کر

محسنؔ تو آبروئے قلم کا امیں ہے
سوداگرانِ فن کی کبھی منقبت نہ کر

شامِ افسردہ سے کہہ دو کہ قریب آ جائے

پھر سے کجلائی ہوئی شامِ شب افسردہ!
اپنے ہاتھوں میں لیے گُل شدہ شمعوں کی قطار
اپنے دامن کو سمیٹے ہوئے صدیوں کا غُبار
اپنی پلکوں پہ لیے خاکِ رہِ لیل و نہار
میرے اُجڑے ہوئے آنگن میں اُتر آئی ہے

بال بکھرائے ہوئے شامِ شب افسردہ!
تن پہ اوڑھے ہوئے بے ربط خیالوں کا دھواں
زرد آنکھوں میں سمیٹے ہوئے فریاد و فغاں

مثلِ مجروح لباں، صورتِ آشفتہ سراں
مانگنے آئی ہے مدفون مہ و سال کی یاد
جن کی تقدیر نہ شہرت تھی نہ رُسوائی ہے

آج کی بات نہیں آج سے پہلے بھی یونہی
آتے جاتے ہوئے لمحوں کے بکھرتے پُرزے
جب ہَوا بُرد ہوئے، دل پہ قیامت ٹوٹی
آنکھ میں ٹوٹ کے چبھتے رہے اِک عُمر کے خواب
شامِ افسردہ کو دینا پڑا لمحوں کا حساب
اپنا حاصل تو وہی روز کی تنہائی ہے!

آج کچھ اور ہی عالم ہے پسِ قریۂ جاں
آج کچھ اور ہی منظر ہے سرِ سطحِ زماں
آج محرابِ دل و جاں میں کوئی عکس نہیں
حدِّ امکاں پہ سرابوں کا سفر ختم ہوا
ازکراں تابہ کراں زرد خلاؤں کا گماں
آج خاکسترِ اُمیّد کی تہ یخ بستہ
شہرِ افسوس کی ہر ایک روِش ویراں ہے
ٹوٹتے خواب نہ مدفون مہ و سال کی یاد
دل میں روشن کوئی چہرہ نہ خدوخال کی یاد!

دشتِ امکاں میں بس اِک نقشِ فنا لہرائے
بجھتی جاتی ہے رگِ جاں میں لہو کی گردش
آنکھ میں پھیلتے جاتے ہیں قضا کے سائے
شامِ افسردہ سے کہہ دو کہ قریب آجائے

اپنے اشکوں کی مدارات رہے یا نہ رہے
لب پہ پھر حرفِ مناجات رہے یا نہ رہے
آج کے بعد ملاقات رہے یا نہ رہے

ختم ہونے کو ہے تکرارِ لبِ افسردہ
اِس سے پہلے کہ ڈھلے شامِ شبِ افسردہ
شامِ افسردہ سے کہہ دو کہ قریب آجائے

☆

رات کی زلفیں بَرہم بَرہم درد کی لَو ہے مدّھم مدّھم
میرے قصّے گلیوں گلیوں تیرا چرچا عالم عالم
یاقوتی ہونٹوں پر چمکیں اُس کی آنکھیں نیلم نیلم
چہرہ لال گلاب کا موسم بھیگی پلکیں شبنم شبنم
ایک جزا ہے جنت جنت ایک خطا ہے آدم آدم
ایک لہُو کے رنگ میں غلطاں مقتل مقتل، پرچم پرچم
ایک عذاب ہے بستی بستی ایک صدا ہے ماتم ماتم
ساری لاشیں ٹکڑے ٹکڑے ساری آنکھیں پُرنم پُرنم
ہجر کے لمحے زخمی زخمی اُس کی یادیں مرہم مرہم
داد طلب اعجازِ عصمت عیسیٰ عیسیٰ مریم مریم
محسنؔ ہم اخبار میں گُم ہیں
صفحہ صفحہ ۔۔۔۔۔ کالم کالم

☆

سجا کے سر پہ ستاروں کا تاج رکھتا ہے!
زمیں پہ بھی وہ فلک کا مزاج رکھتا ہے

سنورنے والے سدا آئینے کو ڈھونڈتے ہیں
بچھڑ کے بھی وہ مری احتیاج رکھتا ہے؟

ہم اُس کے حُسن کو تسخیر کر کے دیکھیں گے!
جبیں پہ کون شکن کا خراج رکھتا ہے

ترے بغیر یہاں کون زیرِ سایۂ لب
جراحتِ دل و جاں کا علاج رکھتا ہے؟

خفا سہی وہ' سخاوت سرشت جب بھی ملے!
بھرم اَنا کا' محبت کی لاج رکھتا ہے

صبا خرام' خزاں پیرہن' بہار بدن۔۔!
وہ موسموں کا عجب امتزاج رکھتا ہے

چُرا کے آنکھ سے کچھ خواب رکھ لیے محسنؔ
کِسان جیسے بچا کر اناج رکھتا ہے

☆

وہ بچھڑ کر جو مِل گیا پھر سے
گُلِ اندیشہ کِھل گیا پھر سے!

اے رَہینِ جُلوسِ لالہ رُخاں!
کچھ خبر لے کہ دِل گیا پھر سے

لے اُڑی پھر ہوَا زمین سے اشک
رِشتۂ آب و گِل گیا پھر سے

ہجر کی زد میں پھر بدن اپنا
اِک مگاں تھا کہ ہِل گیا پھر سے

شکریہ اَے ہوَئے ضبط جنوں!
پیرہن جاں کا سِل گیا پھر سے

پھر سے ہم اس پہ تُل گئے محسنؔ
اُس کے چہرے کا "تِل" گیا پھر سے

☆

یہ خوشبو کے بکھر جانے کا موسم!
یہی موسم ہے مر جانے کا موسم!!

وداعِ دست و داماں کی گھڑی ہے
کہ لَوٹ آیا ہے گھر جانے کا موسم

گِنو لمحے کھلی آنکھوں سے شب کے
یہ ہے سوتے میں ڈر جانے کا موسم

کئی اُلجھی رُتوں کے بعد آیا۔۔!
تِری زلفیں سنور جانے کا موسم

سفر تھا، کون جانے کس نگر میں؟
وہ بھول آیا نِکھر جانے کا موسم

زمیں کی پیاس کو کب راس آیا؟
چڑھے دریا اُتر جانے کا موسم

وہی ہم ہیں وہی مقتل کی دھج ہے
وہی جاں سے گزر جانے کا موسم

وہی اُس کے سفر کا تیز لمحہ!
وہی دل کے ٹھہر جانے کا موسم

یہاں زیرِ زمیں بسنے کی خواہش
وہاں کُہسار پر جانے کا موسم

وہ بستی، چاند چہرے وہ آنکھیں!
یہ موسم ہے اُدھر جانے کا موسم!

قیامت ہے دلِ سادہ پہ محسنؔ
کسی کو چھوڑ کر جانے کا موسم

☆

فن کار ہے تو ہاتھ پہ سورج سجا کے لا
بُجھتا ہوا دِیا نہ مقابل ہوا کے لا

دریا کا انتقام ڈبو دے نہ گھر تِرا؟
ساحل سے روز روز نہ کنکر اُٹھا کے لا

اب اختتام کو ہے سخیٰ' حرفِ التماس
کچھ ہے تو اب وہ سامنے دستِ دُعا کے لا

پیماں وفا کے باندھ مگر سوچ سوچ کر
اِس ابتدا میں یوں نہ سخن انتہا کے لا

آرائشِ جراحتِ یاراں کی بزم ہے
جو زخم دِل میں ہیں' سبھی تن پر سجا کے لا

تھوڑی سی اور مَوج میں آ' اے ہوائے گُل
تھوڑی سی اُس کے جِسم کی خوشبو چُرا کے لا

گر سوچنا ہیں اہلِ مشیّت کے حوصلے
میداں سے گھر میں' ایک تومیّت اُٹھا کے لا

محسنؔ اب اُس کا نام ہے سب کی زبان پر
کس نے کہا کہ اُس کو غزل میں سجا کے لا

☆

دِل میں اور چشمِ تَر میں کیا کچھ تھا
تجھ سے پہلے نظر میں کیا کچھ تھا

وہ جو لُٹ کر ہوئے ہیں شہر بدر
اُن سے پوچھو کہ گھر میں کیا کچھ تھا؟

خیر گزری کہ سج گئے مقتل!
ورنہ سَودا تو سَر میں کیا کچھ تھا؟

دُھول اُڑنے لگی تو .... یاد آیا ....
کل تک اِس رہگزر میں کیا کچھ تھا؟

دیکھ اب کے سفر میں کچھ بھی نہیں
سوچ اگلے سفر میں کیا کچھ تھا؟

دُھل گئی دُھوپ بُجھ گیا سُورج
سایۂ بام و دَر میں کیا کچھ تھا؟

پوچھ اپنی اُداس آنکھوں سے!
میرے دِل کے کھنڈر میں کیا کچھ تھا؟

کچھ تو بول اے ستارۂ آخر!
شب کے پچھلے پہر میں کیا کچھ تھا؟

جو ترے لب سے پھوٹی تھی
اُس نشیلی سحر میں کیا کچھ تھا

تیرے نزدیک بے ہنر ٹھہرے
ورنہ اپنے ہنر میں کیا کچھ تھا

تو نے بھیجی تھی جو بدستِ صَبا!

کیا کہیں اُس خبر میں کیا کچھ تھا؟

ہم نے مانگی تھی جو بوقتِ وداع!
اُس دُعا کے اثر میں کیا کچھ تھا؟

جب تجھے چھو لیا تو کیوں سوچیں؟
حُسنِ لعل و گُہر میں کیا کچھ تھا؟

عشرتِ اَبر پر نہ جا محسنؔ!
حسرتِ کوزہ گر میں کیا کچھ تھا؟

میرے کمرے میں اتر آئی خموشی پھر سے!

میرے کمرے میں اُتر آئی خموشی پھر سے
سایۂ شامِ غریباں کی طرح
شورشِ دیدۂ گریاں کی طرح
موسمِ کُنجِ بیاباں کی طرح
کتنا بے نُطق ہے یادوں کا ہجوم
جیسے ہونٹوں کی فضا یخ بستہ
جیسے لفظوں کو گہن لگ جائے
جیسے روٹھے ہوئے رستوں کے مسافر چُپ چاپ
جیسے مرقد کے سرہانے کوئی خاموش چراغ
جیسے سنسان سے مقتل کی صلیب!
جیسے کجلائی ہوئی شب کا نصیب!
میرے کمرے میں اُتر آئی خموشی
پھر سے!
پھر سے زخموں کی قطاریں جاگیں!
اوّلِ شامِ چراغاں کی طرح!
ہر نئے زخم نے پھر یاد دلایا مجھ کو
اِسی کمرے میں کبھی

محفلِ احباب کے ساتھ
گنگناتے ہوئے لمحوں کے شجر پھیلتے تھے
رقص کرتے ہوئے جذبوں کے دہکتے لمحے
قریۂ جاں میں لہو کی صُورت
شمعِ وعدہ کی طرح جلتے تھے!
سانس لیتی تھی فضا میں خوشبو
آنکھ میں "گلبنِ مرجاں" کی طرح
سانس کے ساتھ گُہر ڈھلتے تھے!
آج کیا کہیے کہ ایسا کیوں ہے؟
شام چپ چاپ
فضا یخ بستہ
دِل، مرا دل کہ سمندر کی طرح زندہ تھا
تیرے ہوتے ہوئے تنہا کیوں ہے؟
تو کہ خود چشمۂ آواز بھی ہے
میری محرم مری ہمراز بھی ہے!
تیرے ہوتے ہوئے ہر سمت اُداسی کیسی؟
شام چپ چاپ
فضا یخ بستہ
دل کے ہمراہ بدن ٹوٹ رہا ہو جیسے!
روح سے رشتۂ جاں چھوٹ رہا ہو جیسے!!

اے کہ تُو چشمۂ آواز بھی ہے
حاصلِ نغمگیِ ساز بھی ہے!
لب کُشا ہو کہ سرِ شامِ فگار
اِس سے پہلے کہ شکستہ دل میں
بدگمانی کی کوئی تیز کرن چُبھ جائے
اس سے پہلے کہ چراغِ وعدہ
یک بیک بُجھ جائے!
لب کُشا ہو کہ فضا میں پھر سے
جلتے لفظوں کے دہکتے جگنو
تیر جائیں تو سکوتِ شبِ عریاں ٹوٹے
پھر کوئی بندِ گریباں ٹوٹے!
لَب کُشا ہو کہ مری نَس نَس میں
زہر بھر دے نہ کہیں
وقت کی زخم فروشی پھر سے

لَب کشا ہو کہ مجھے ڈس لے گی
خود فراموشی پھر سے
میرے کمرے میں اُتر آئی
خموشی پھر سے!!

☆

اتنی فرصت نہیں اب اور سخن کیا لکھنا؟
بس بہ اندازِ غزل اُس کا سراپا لکھنا

اُس کی آنکھوں میں مچلتے ہوئے دریا پڑھنا
دل کو سیلاب کے موسم میں بھی پیاسا لکھنا

بزمِ خورشید رُخاں میں وہ الگ سب سے الگ
حلقۂ گل بدناں میں اُسے یکتا [illegible] لکھنا

اُس کی زُلفوں میں اندھیروں کو بکھرنے دینا
اُس کے چہرے کو مگر چاند کا ٹکڑا لکھنا

اُس کے اَبرو کو ہلالِ شب وعدہ کہنا
اُس کے رُخسار کی سُرخی کو شفق سا لکھنا

اُس کے ماتھے پہ سجانا کئی صُبحوں کے وَرق
اُس کی جھکتی ہوئی پلکوں پہ فسانہ لکھنا

اُس کی آہٹ سے چُرا لینا چٹکتی کلیاں
اُس کے قامت پہ قیامت کا قصیدہ لکھنا

گھولنا دُھوپ میں خود اُس کے بدن کی چاندی
اُس کے سائے کو قسم کھا کے سنہرا لکھنا

صبح کی پہلی کرن اُس کے تبسّم کی زکوٰۃ
شام کو بخششِ دلدار کا دریا لکھنا

اُس کے ملبوس کو رنگوں کے سمندر جیسا
اُس کے آنچل کو سمندر کا کنارا لکھنا

زندگی مرحمتِ جنبشِ لب کا اقرار
اُس کی ہر سانس کو اعجازِ مسیحا لکھنا

اُس کی باتوں کو تلاوت کی طرح دُہرانا
اُس کے ملنے کو بھی الہام کا لمحہ لکھنا

شب کو انگڑائی سے جب اُس کا بدن ٹوٹتا ہے
اوج پر اپنے مقدّر کا ستارا لکھنا

وہ اگر خواب میں بلقیس کی صورت اُترے
خواب کو خواب نہیں، مُلکِ سبا کا لکھنا

دیکھ لینا بھی اغیار کی محفل میں مگر
دِل کی باتوں پہ نہ جانا، اُسے ''اپنا'' لکھنا

ذکرِ مقتل کا جو کرنا ہو تو محسن پیارے
اپنے قاتل کو بہر طور ''مسیحا'' لکھنا

☆

اِس کو بُجھنے سے بچا لے اے غمِ یاراں کی رات!
آخری آنسو یہ کربِ رائیگاں کی کائنات!!

ایک ہی جذبے کے پہلو، کیا خوشی کیا رنجِ ذات
ایک ہی جانب رواں ہیں کیا جنازہ کیا برات

اپنی سوچیں حادثوں کے ساتھ مصروفِ سفر
جس طرح موجِ ہوا کی زد میں سادہ کاغذات

چاند نے موجوں کی تہہ میں چھُپ کے دیکھی رات بھر
ایک پرچھائیں رَواں بہتی ندی کے ساتھ

آ گہی کا زر نہ ہاتھ آیا نہ اَجرِ عاشقی!
میں نے کتنی بار توڑا ہے بدن کا سومنات

مَر گیا شاعر تو بچّوں کو مِلی میراث میں!
میز، بوسیدہ قلم، قرضے، مَرض، ٹوٹی دوات

میں تو محسنؔ بڑھ چلا تھا حد سے اُس کے شوق میں
دِل نے سمجھایا کہ لازم ہے، ذرا سی احتیاط

☆

کبھی غزل میں دَر آیا، کبھی فسانہ ہوُا
وہ جس سے اپنا تعارف بھی غائبانہ ہوُا

عجب ہے اُس سے جدائی کے بعد کا لمحہ
کہ جیسے ترکِ تعلّق کو اِک زمانہ ہوُا

دُعائے نیم شبی حدِ ختم کو پہنچی!
یہ اور بات کہ بابِ قبول وا نہ ہوُا

یہی بہت ہے گواہی مِری رفاقت کی
کہ میرا سایہ تِری دُھوپ سے جدُا نہ ہوُا

ڈھلی ہے رات چلو اپنے گھر کو ہوآئیں
کہ لَوٹ آئیں گے، دروازہ گر کھُلا نہ ہوُا

سِتم جہاں کا، تغافل تِرا، عدو کا کرم
ہوا ہے جو بھی مِرے ساتھ مُنصفانہ ہُوا

مِلا ہے اپنی ہی پلکوں کی جھالروں سے اُدھر
وہ حرف بن کے زباں سے کبھی ادا نہ ہُوا

شعورِ حُسن اُسے کب تھا اِس طرح محسنؔ
مزاج اپنی غزل کا ہی عاشقانہ ہُوا

مرا ہونا نہ ہونا۔۔۔۔۔!

مرا ہونا نہ ہونا منحصر ہے
ایک نقطے پر
وہ اِک ''نُقطہ''
جو دو حرفوں کو آپس میں ملا کر
''لفظ'' کی تشکیل کرتا ہے
وہ اِک نقطہ سمٹ جائے تو
''ہونے'' کا ہر اِک اِمکاں
''نہ ہونے'' تک کا سارا فاصلہ
پل بھر میں طے کرلے!
وہی نقطہ بکھر جائے
تو ہر اِک شے
''نہ ہونے'' کے قفس کی تیلیوں کو توڑ کر رکھ دے
''وہ اک نقطہ'' مری آنکھوں میں اکثر
روشنی کے سات رنگوں کو اُگاتا ہے!
مرے ادراک میں شبنم کی صورت
یا ستارے کی طرح لوحِ یقیں پر جگمگاتا ہے
وہی نقطہ مجھے تشکیک کے جنگل میں
جگنو بن کے منزل کی طرف رستہ دکھاتا ہے
مجھے اکثر بتاتا ہے
مرا ''ہونا'' ''نہ ہونے'' کا عمل ٹھہرا

مگر میرے ''نہ ہونے'' سے
مرے ''ہونے'' کی بھی تکمیل ہوتی ہے!
وہ اِک نقطہ کہاں ہے؟
کون ہے؟
کس کے لبوں میں چھپ کے ہر اثبات کو
انکار میں تبدیل کرتا ہے
جو دو حرفوں کو آپس میں ملا کر لفظ کی تشکیل کرتا ہے
یہ نکتہ بھی اُسی نقطے میں مضمر ہے
وہ اِک نقطہ کہ اب تک جس کے ہونے کا امیں ہوں مَیں'
وہ افشا ہو۔۔۔تو میں سمجھوں
کہ ''ہوں'' بھی یا ''نہیں ہوں' مَیں؟

پاگل لڑکی

اِک دن اِک پاگل لڑکی نے
اپنے گھر کی اونچی چھت سے
اپنے سارے خواب اُتارے
خواہش کے ٹکڑوں کو جوڑا
گیلے کپڑے
تیز ہوا کے ہاتھ سے چھینے
کالے حرفوں والے کاغذ
پرس میں رکھے
پیلے چاند کی پھیکی چھاؤں
اپنی کچی آنکھوں اندر
آپ سمیٹے
رشتوں کی سنجیریں توڑ کے
گھر سے نکلی!

شہر کی ساری روشنیوں نے
اُس کی آنکھیں
رنگ برنگی دیواروں پر
چسپاں کر دیں
جاگتی سوتی آنکھوں والی اُس لڑکی نے

مڑ کر دیکھا
گھر جانے کے سارے رستے
اُس سے اوجھل۔۔
آنکھیں بوجھل!!
اب وہ اپنے آپ کو جیسے ڈھونڈ رہی ہے
ہر جانب انجانے سائے
اُس سے آنکھیں مانگ رہے ہیں
اور وہ ہر اک موڑ پہ رُک کر
اپنے آپ سے پوچھ رہی ہے
اپنے گھر کا پہلا رستہ!!
وہ کتنی پاگل لڑکی تھی۔۔۔۔۔!
اور وہ تم ہو!!

میرے نام سے پہلے

اَب کے اُس کی آنکھوں میں
بے سبب اُداسی ۔۔۔ تھی!
اَب کے اُس کے چہرے پر
دُکھ تھا ۔۔ بے حواسی تھی!

اب کے یوں مِلا ۔۔ مجھ سے
یوں غزل سُنی ۔۔ جیسے
میں بھی ناشناسا ہوں
وہ بھی ۔۔۔ اجنبی جیسے

زرد خال و خد اُس کے
سوگوار دامن ۔۔۔ تھا
اَب کے اُس کے لہجے میں
کتنا کھردرا پَن تھا ۔۔۔!

وہ کہ عُمر بھر جس نے
شہر بھر کے لوگوں میں
مجھ کو ہم سُخن ---جانا
دل سے آشنا --- لکھا
خود سے مہرباں سمجھا
مجھ کو "دِلرُبا" لکھا

اب کے سادہ کاغذ پر
سُرخ روشنائی سے
اُس نے تلخ لہجے میں
میرے نام سے پہلے!
صرف "بے وفا" لکھا

☆

دور تک پھیلا ہے صحرائے اَجل
اے شبِ ہجراں مِرے ہمراہ چل

سانسِ کا ریشم جُھلس جانے کو ہے ---
ڈھل کہیں اے دو پہر کی دھوپ، ڈھل!

روح کے زخمی پرندے، اب نہ سوچ
کُھل گیا زنداں کا دروازہ، نِکل!

ٹل گئی ہر اِک قیامت ٹل گئی
ہم رہے اپنے اصولوں میں اٹل!!

دَم تو لے اے دردِ ہجرِ دوستاں
ہم بھی سولیں، تو بھی اب کروٹ بَدل

اور بھی کچھ شمعیں شاید جَل بجھیں
اور بھی کچھ اے دلِ ناداں، مچل

راکھ ہو جائے نہ دل کی شعلگی
اِس قدر پتّھر نہ بن، جاناں، پگھل

ہانپنے کو ہیں ہوا کی وحشتیں
اے چراغِ رہگذر، کچھ اور جل!!

یوں لگا وہ نیند سے جاگا ہوا
جیسے پچھلی رات کو تازہ غزل

آنسوؤں میں اُس کے چہرے کی دمک
پانیوں میں جس طرح کِھلتا کنول

اُس کی منزل سامنے ہے، جی نہ ہارا!
اے مرے دل اے مرے ساتھی سنبھل

کچھ بتاتا ہی نہیں غم کا سبب
بس یونہی گُم سُم ہے محسن آج کل

☆

وسعتِ چشمِ تر بھی دیکھیں گے
ہم تجھے بھول کر بھی دیکھیں گے

زخم پر ثبت کر نہ لب اپنے
زخم کو چارہ گر بھی دیکھیں گے!!

ہجر کی شب سے حوصلے اپنے
بچ گئے تو سحر بھی دیکھیں گے

رات ہونے دو، لوگ سونے دو!
چاند کو دَر بَدر بھی دیکھیں گے

اک دعا، دل سے چھُپ کے مانگی تھی
اُس دعا کا اثر بھی دیکھیں گے!!

اِک پُرانا سفر تو ختم ہوا
اِک نئی رہگذر بھی دیکھیں گے

گِن تو لینے دو بے کفن لاشیں!
بے صدا بام و در بھی دیکھیں گے

چھیڑ کر دل کی راکھ کو محسنؔ
اب کے رقصِ شرر بھی دیکھیں گے

☆

راحتِ دل، متاعِ جاں ہے تُو
اے غمِ دوست جاوداں ہے تُو

آنسوؤں پر بھی تیرا سایا ہے
دھوپ کے سر پہ سائباں ہے تُو

دِل تری دسترس میں کیوں نہ رہے
اِس زمیں پر تو آسماں ہے تُو

شامِ شہرِ اُداس کے والی
اے مِرے مہرباں کہاں ہے تُو؟

سایۂ ابرِ رائیگاں ہوں میں
موجۂ بحرِ بیکراں ہے تُو

میں تہی دست و گرد پیراہن
لعل و لماس کی دُکاں ہے تُو

لمحہ بھر مِل کے رُوٹھنے والے
زندگی بھر کی داستاں ہے تُو

کُفر و ایماں کے فاصلوں کی قسم
اے متاعِ یقیں، گُماں ہے تُو

تیرا اقرار ہے --- نفی میری
میرے اثبات کا جہاں ہے تُو

اے مِرے لفظ لفظ کا مفہوم!
نطقِ بے حرف و بے زباں ہے تُو

جو مقدر سنوار دیتے ہیں!
اُن ستاروں کی کہکشاں ہے تُو

بے نشاں بے نشاں خیام مرے
کاروں کارواں ۔ رواں ہے تُو

اے گریباں نہ ہو سُپردِ ہوا
دِل کی کشتی کا بادباں ہے تُو

جلتے رہنا چراغِ آخرِ شب
اپنے محسن کا رازداں ہے تُو

☆

اب تو یوں دیدۂ تر کھلتا ہے
جیسے زنداں کا دَر کھلتا ہے

کس نے پایا ہے دفینے کا سراغ؟
کب کوئی اہلِ ہنر کھلتا ہے

خاک اُڑانے کو چلی آئی ـــ ہوا!
اپنا سامانِ سفر کھلتا ہے

کھل گیا اُس کی محبّت کا بھرم
جیسے طوفاں میں بھنور کھلتا ہے

قفسِ جاں سے بصد ناز نِکل
کیوں سمیٹے ہوئے پَر کھلتا ہے

کچھ خبر دل کی بھی، اربابِ جُنوں!
مدتوں بعد یہ گھر کھلتا ہے

بندشیں پوچھ نہ ہم پر اُس کی
لمحہ بھر کو بھی اگر کھلتا ہے

دل کو دے گا وہ رفاقت کی تپش
راکھ سے جیسے شرر کھلتا ہے

پھول سے موجِ صبا کہتی تھی
جاگ، بازارِ سحر کھلتا ہے

تھام کشکولِ دُعا کو محسنؔ
دامنِ حرفِ اَثر کھلتا ہے

☆

منصب بقدرِ قامتِ کردار چاہیے
کٹتے ہوئے سروں کو بھی دستار چاہیے

اِک صبحِ بے کفن کو ضرورت ہے نَوحہ گر
اِک شامِ بے رِدَا کو عزادار چاہیے

سُورج نے سر پہ تان لیا شب کا سائباں
اب دھوپ کو بھی سایۂ دیوار چاہیے

ہیرے نہ ہوں تو اَشک سجا لو دکان میں
سودا گروں کو گرمیٔ بازار چاہیے!!

ایسا نہ ہو کہ برف ضمیروں کو چاٹ لے
یخ بستگی کو شعلۂ پندار چاہیے

اذنِ سفر مِلا ہے تو حدِّ نظر غلط!
پرواز، آسماں کے بھی اُس پار چاہیے

خوشبو کی جھانجھریں ہیں ہواؤں کے پاؤں میں
شاید سکوتِ دشت کو جھنکار چاہیے

ہے مدّعی کی فکر نہ مجرم سے واسطہ
منصف کو صرف اپنا طرفدار چاہیے

شورش لہو کی ہو کہ ہو محسنؔ اذانِ شوق
غوغا کوئی تو آج سرِ دار چاہیے

تھک جاؤ گی

پاگل آنکھوں والی لڑکی!
اتنے مہنگے خواب نہ دیکھو۔۔۔
تھک جاؤ گی!!
کانچ سے نازک خواب تمھارے
ٹوٹ گئے تو
پچھتاؤ گی!!
سوچ کا سارا اُجلا کندن
ضبط کی راکھ میں گھل جائے گا
کچے پکّے رشتوں کی خوشبو کا ریشم
کھل جائے گا۔۔!

تم کیا جانو؟
خواب' سفر کی دھوپ کے تیشے
خواب' ادھوری رات کا دوزخ
خواب' خیالوں کا پچھتاوا
خوابوں کی منزل رُسوائی!
خوابوں کا حاصل تنہائی!!
تم کیا جانو؟
مہنگے خواب خریدنا ہوں تو
آنکھیں بیچنا پڑتی ہیں۔۔۔یا
رِشتے بھولنا پڑتے ہیں

اندیشوں کی ریت نہ پھانکو
پیاس کی اوٹ سراب نہ دیکھو
اتنے مہنگے خواب نہ دیکھو۔۔۔!!
تھک جاؤ گی!!

اجنبی، دیکھنا یہ وہی شہر ہے
یہ مرا شہر صحرا صفت، دشت خو
جس کے رستوں کی مٹّی، مری آبرو
جس کی گلیاں، لکیریں مرے بخت کی
جس کے ذرّے مہ و مہر سے قیمتی!

یہ وہی شہر ہے --- اجنبی دیکھنا!
جس کی چاہت کی تعزیر میں عُمر بھر
میری آوارگی کے فسانے بنے --!
جس کی خاطر مرے ہم سُخن، ہمسفر
بے سبب تہمتوں کے نشانے بنے!
جس کی بخشش کی تاثیر کے ذائقے
میری تشہیر کو تازیانے بنے!
میری دیوانگی نے تراشا جنھیں
وہ سیہ پوش لمحے زمانے بنے!

اجنبی، دیکھنا یہ وہی شہر ہے
جس کی جلتی ہوئی دوپہر میں سدا
خواب بنتی رہی نوجوانی مری!
جس کے ہر موڑ پر راکھ کے ڈھیر میں
دفن ہوتی رہی ہر کہانی مری

جس کی پُرہول راتوں کی محراب میں
میری غزلوں کے خورشید جلتے رہے
جس کی یخ بستہ صبحوں کے اصرار پر
میرے آنسو شراروں میں ڈھلتے رہے

یہ وہی شہر ہے جس کے بازار میں
بارہا میرا پندار بیچا گیا --- !
موسمِ قحط کو ٹالنے کے لیے!
میرے دامن کا ہر تار بیچا گیا

اجنبی دیکھنا ---- دیکھنا اجنبی!
اپنے صحرا صفت شہر میں آج پھر
میں دریدہ بدن، میں بُریدہ قبا

دَربدر خواہشوں کی کٹی انگلیاں
ریزہ ریزہ مہ و سال کے ذائقے
ہانپتے کانپتے دل کی شوریدگی
عُمر بھر کی کمائی ہوئی شُہرتیں
لمحہ لمحہ سُلگتی ہوئی زندگی
ناچتی تہمتوں کی کھلی وحشتیں
لب پہ مجروح لفظوں کی چبھتی تھکن
تن پہ یاقت زخموں کے تمغے لیے
سر جھکائے ہوئے راکھ کے ڈھیر پر
سوچتا ہوں کہ ہاں یہ وہی شہر ہے
جس سے منسوب ہے میرا نام و نسب
میرا فن، میری تخلیق، میرا ادب
شورشِ چشم نم --- نوحۂ زیرِ لَب
سب اِسی شہرِ صحرا صفت کے لیے

میں مگر آج اس شہر کی بھیڑ میں
صورتِ موجِ صحرا اکیلا بہت!
میرے چہرے پہ کوئی گواہی نہیں
کچھ بھی حاصل مِرا جُز تباہی نہیں

یوں بھی ہے، کل جہاں میں تھا مسند نشیں
اُس جگہ خیمہ زن اب نئے لوگ ہیں
خود سے آباد کر قریۂ شب مجھے
کوئی پہچانتا ہی نہیں اب مجھے!!

دل میں چُبھتی ہوئی درد کی لہر ہے
میرے سچ کا صلہ ساغرِ زہر ہے
سانس لینا یہاں جبر ہے قہر ہے
اجنبی، دیکھنا یہ وہی شہر ہے
یہ وہی شہر ہے---!

☆

جستجو میں تری پھرتا ہوں نجانے کب سے؟
آبلہ پا ہیں مرے ساتھ زمانے ۔ کب سے!

میں کہ قسمت کی لکیریں بھی پڑھا کرتا تھا
کوئی آیا ہی نہیں ہاتھ دکھانے کب سے

نعمتیں ہیں نہ عذابوں کا تسلسل اب تو!
مجھ سے رُخ پھیر لیا میرے خدانے کب سے

جاں چھڑکتے تھے کبھی خود سے غزالاں جن پر
بھول بیٹھے ہیں شکاری وہ نِشانے کب سے

وہ تو جنگل سے ہواؤں کو چُرا لاتا تھا
اُس نے سیکھے ہیں دیے گھر میں جلانے کب سے؟

شہر میں پرورشِ رسمِ جنوں کون کرے؟
یوں بھی جنگل میں ہیں یاروں کے ٹھکانے کب سے؟

آنکھ رونے کو ترستی ہے تو دل زخموں کو
کوئی آیا نہیں احسان جتانے کب سے

جن کے صدقے میں بسا کرتے تھے اُجڑے ہوئے لوگ
لُٹ گئے ہیں سرِ صحرا وہ گھرانے کب سے

لوگ بے خوف گریباں کو کُھلا رکھتے ہیں
تیر چھوڑا ہی نہیں دستِ قضا نے کب سے

جانے کب ٹوٹ کے برسے گی ملامت کی گھٹا؟
سر جھکائے ہوئے بیٹھے ہیں دِوانے کب سے

جن کو آتا تھا کبھی حشر جگانا محسنؔ
بختِ خفتہ کو نہ آئے وہ جگانے کب سے!

☆

ہواَ چلی بھی تو خود سے ڈرا دیا ہے مجھے
چراغِ شامِ سفر نے بجھا دیا ہے مجھے

مِرے بدن میں پڑی جب بھی زلزلے کی دراڑ
مِرے کماں نے بہت آسرا دیا ہے مجھے

میں دھوپ دھوپ مسافت میں جس کے ساتھ رہا
ذرا سی چھاؤں میں اُس نے بھُلا دیا ہے مجھے

نئے دِنوں کے لیے نیند نوچنا -- کیسا؟
گئے دنوں کی رفاقت نے کیا دیا ہے مجھے؟

وہ تیری یاد کہ انگلی پکڑ کے چلتی تھی
اُسی نے راہ میں آخر گنوا دیا ہے مجھے

بُجھا تھا زہر میں ہر تارِ پیرہن اپنا
مِری قبا نے دریدہ بدن کیا دیا ہے مجھے

حصارِ دیدۂ تر میں سمٹ گئے منظر
تھکاوٹوں نے عجب حوصلہ دیا دیا ہے مجھے

بُچھڑتے جاتے ہیں سب خواب اپنی پلکوں سے
یہ کِس نے جاگتے رہنا سِکھا دیا ہے مجھے

مَیں روشنی کی علامت نہ فصلِ گُل کا سفیر

سحر کی شاخ پہ کس نے سجا دیا ہے مجھے

مِرے دیارِ پرستش میں آسماں تھا وہ شخص
اُسی نے اپنی نظر سے گرا دیا دیا ہے مجھے

اُجاڑ دن تھا وہ محسنؔ نہ ذکرِ شامِ فراق
ہنسی خوشی یونہی اُس نے رُلا دیا دیا ہے مجھے

☆

تم نہیں، بچپن کی ضِد میں، تم سی کتنی لڑکیاں
اَب پرائے دامنوں پر کاڑھتی ہیں تِتلیاں

دِل میں تنہائی کا سناّٹا عذابِ حشر ہے
رات بھر بجتی ہیں میرے گھر کی ساری کھڑکیاں

میں شکستہ آئینوں کے شہر میں پھرتا رہا
ہاتھ میں تیرا پتہ، پاؤں میں چُبھتی کِرچیاں

اُس کی جرأت پھانک لی تھی جُستجوئے رزق نے
سہہ گیا وہ آتے جاتے گاہکوں کی جھڑکیاں

ڈُوبنے والوں کی آوازیں خَلا میں کھو گئیں
لوگ چُنتے ہی رہے ساحل سے تازہ سیپیاں

ہجر کے سارے فسانے سب بہانے سچ مگر
کچھ مسائل اور بھی تھے اُس کے میرے درمیاں

روشنی مانگی تھی، سُنتے ہیں، بزرگوں نے کبھی
ڈھونڈتی ہیں بستیوں کو اب بھی اندھی بجلیاں

اَب لُٹے لاشوں جلے خیموں کا پُرسہ کس کو دیں؟

رہ گئیں صحرا میں بچّوں کی اُدھوری ہچکیاں

ہم گریبانوں سے جائیں گے تو کیا، محسنؔ مرے
دوستوں کے ہاتھ تو رہ جائیں گی کچھ دھجّیاں

☆

کاش ہم کھل کے زندگی کرتے!
عمر گزری ہے خودکشی کرتے!!

بجلیاں اس طرف نہیں آئیں
ورنہ ہم گھر میں روشنی کرتے

کون دشمن تری طرح کا تھا؟
اور ہم کس سے دوستی کرتے؟

بجھ گئے کتنے چاند سے چہرے
دل کے صحرا میں چاندنی کرتے

عشق اُجرت طلب نہ تھا ورنہ
ہم ترے در پہ نوکری کرتے

اِس تمنّا میں ہو گئے رُسوا
ہم بھی جی بھر کے عاشقی کرتے

حُسن اُس کا نہ کھل سکا محسنؔ
تھک گئے لوگ شاعری کرتے

☆

سِتم کو مصلحت، حُسنِ تغافُل کو ادا کہنا
اُسے اب اور کیا لکھنا، اُسے اب اور کیا کہنا؟

یہ رسمِ شہرِ ناپُرساں، ہمارے دَم سے قائم ہے
کہ ہر اک اجنبی کو مُسکرا کر آشنا کہنا

جلوسِ دِلفگاراں میں نہ کرنا بات تک لیکن
ہجوُمِ گل عذاراں میں اُسے سب سے جُدا کہنا

سفر میں یوں خُمارِ تشنگی آنکھوں میں بھر لینا
چمکتی ریت کو دریا، بگولے کو گھٹا کہنا

ہزاروں حادثے تجھ پر قیامت بن کے ٹوٹے ہیں
تُو اِس پر بھی سلامت ہے دِلِ خوش فہم کیا کہنا!

دلِ بے مدّعا کو بے طلب جینے کی عادت ہے
مجھے اچھّا نہیں لگتا دُعا کو التجا کہنا!

مرے محسنؔ یہ آدابِ مسافت سیکھنا ہوں گے
بھٹکتے جگنوؤں کو بھی سفر کا آسرا کہنا

سُن لیا ہم نے.....!

سُن لیا ہم نے فیصلہ --- تیرا
اور سُن کر، اُداس ہو بیٹھے
ذہن چُپ چاپ آنکھ خالی ہے
جیسے ہم کائنات کھو بیٹھے

دُھندلے دُھندلے سے منظروں میں مگر
چھیڑتی ہیں تجلّیاں --- تیری
بھولی بسری ہوئی رُتوں سے اُدھر
یاد آئیں --- تسلیّاں --- تیری!

دل یہ کہتا ہے --- ضبط لازم ہے
ہجر کے دِن کی دُھوپ ڈھلنے تک
اعترافِ شکست کیا کرنا -----!
فیصلے کی گھڑی بدلنے تک

دل یہ کہتا ہے --- حوصلہ رکھنا
سَنگ، رستے سے ہٹ بھی سکتے ہیں
اس سے پہلے کہ آنکھ بُجھ جائے!
جانے والے پلٹ بھی سکتے ہیں۔!

اب چراغاں کریں ہم اشکوں سے
مناظر بجھے بجھے --- دیکھیں؟
اک طرف تُو ہے، اک طرف دل ہے
دِل کی مانیں کہ اب تجھے دیکھیں؟

خود سے بھی کشمکش سی جاری ہے
راہ میں تیرا غم بھی --- حائل ہے
چاک در چاک ہے قبائے حواس!
بے رفو سوچ، رُوح گھائل ہے

تجھ کو پایا تو چاک سی لیں گے
غم بھی اَمرت سمجھ کے پی لیں گے!
ورنہ یوُں ہے کہ دامنِ دل میں!
چند سانسیں ہیں، گِن کے جی لیں گے!

☆

اِتنا خالی تو گھر نہیں، ہم ہیں!
ہم نہیں ہیں مگر نہیں، ہم ہیں!!

چشمِ دشمن کے خوف سے پوچھو
نوکِ نیزہ پہ سر نہیں، ہم ہیں

شامِ تنہائی غم نہ کر کہ ترا
کوئی بھی ہمسفر نہیں، ہم ہیں

چاند سے کہہ دو، بے دھڑک اُترے
گھر میں دیوار و در نہیں، ہم ہیں

وہ جو سب سے ہیں بے خبر، تم ہو
جن کو اپنی خبر نہیں، ہم ہیں

کیوں جلاتے ہو جھونپڑی اپنی؟
اِس میں لعل و گہر نہیں، ہم ہیں

ہم ہیں ہم زاد رات کے محسنؔ
جن کی قسمت سحر نہیں، ہم ہیں

☆

دشتِ ہجراں میں نہ سایا نہ صدا تیرے بعد
کتنے تنہا ہیں ترے آبلہ پا۔ تیرے بعد

کوئی پیغام نہ دِلدار نوا تیرے بعد
خاک اُڑاتی ہوئی گزری ہے صبا تیرے بعد

لب پہ اِک حرفِ طلب تھا' نہ رہا تیرے بعد
دِل میں تاثیر کی خواہش نہ دُعا تیرے بعد

عکس و آئینہ میں اب رَبط ہو کیا تیرے بعد
ہم تو پھرتے ہیں خود اپنے سے خفا تیرے بعد

دُھوپ عارض کی نہ زلفوں کی گھٹا تیرے بعد
ہجر کی رُت ہے کہ حُبس کی فضا تیرے بعد

لیے پھرتی ہے سرِ کُوئے جَفا تیرے بعد
پرچمِ تارِ گریباں کو ہوا تیرے بعد

پیرہن اپنا سلامت نہ قَبا تیرے بعد
بس وہی ہم وہی صحرا کی رِدا تیرے بعد

نکہت و نَے ہے تہِ دستِ قضا تیرے بعد
شاخِ جاں پر کوئی غنچہ نہ کِھلا تیرے بعد

دل نہ مہتاب سے اُلجھا نہ جلا تیرے بعد
ایک جگنو تھا کہ چُپ چاپ بجھا تیرے بعد

کون رنگوں کے بھنور کیسی حنا تیرے بعد؟
اپنا خوں اپنی ہتھیلی پہ سَجا تیرے بعد

درد سینے میں ہُوا نَوحہ سرا تیرے بعد
دِل کی دھڑکن ہے کہ ماتم کی صدا تیرے بعد

ایک ہم ہیں کہ ہیں بے برگ و نوا تیرے بعد
ورنہ آباد ہے سب خلقِ خدا تیرے بعد

ایک قیامت کی خراشیں ترے چہرے پہ سجیں
ایک محشر مرے اندر سے اُٹھا تیرے بعد

تجھ سے بچھڑا ہوں تو مُرجھا کے ہوَا بُرد ہوا
کون دیتا مجھے کِھلنے کی دُعا تیرے بعد؟

اے فلک ناز، مری خاک نشانی تیری
میں نے مٹّی پہ ترا نام لکھا تیرے بعد

تو کہ سمٹا تو رگِ جاں کی حدوں میں سمٹا
میں کہ بکھرا تو سمیٹا نہ گیا تیرے بعد

ملنے والے کئی مفہوم پہن کر آئے ۔۔۔!
کوئی چہرہ بھی نہ آنکھوں نے پڑھا تیرے بعد

بجھتے جاتے ہیں خدوخال، مناظر، آفاق!
پھیلتا جاتا ہے خواہش کا خلأ تیرے بعد

یہ الگ بات کہ افشا نہ ہوا تُو ورنہ
میں نے کتنا تجھے محسوس کیا تیرے بعد

میری دُکھتی ہوئی آنکھوں سے گواہی لینا
میں نے سوچا تجھے اپنے سے سوا تیرے بعد

سہ لیا دل نے ترے بعد ملامت کا عذاب
ورنہ چُبھتی ہے رگِ جاں میں ہوا تیرے بعد

جانِ محسنؔ مرا حاصل یہی مُبہم سطریں!
شعر کہنے کا ہُنر بھول گیا تیرے بعد

☆

بھولے بسرے ہوئے بام ودر کے لیے خواب کیا دیکھنا؟
بے کراں دشت میں اپنے گھر کے لیے خواب کیا دیکھنا؟

چل پڑے ہو تو اب آنکھ پر ٹوٹتے آبلے باندھ لو
راہ میں ختمِ شامِ سفر کے لیے خواب کیا دیکھنا؟

جس کے بعد اپنی راتوں کی ہریالیاں بانجھ بنجر بنیں
ایسی کم یاب تنہا سحر کے لیے خواب کیا دیکھنا؟

ضبط کا زہر تھا، ہنس کے پینا پڑا، پی چکے، جی چکے!
چند لمحوں کو اب چارہ گر کے لیے خواب کیا دیکھنا؟

رات پھر دل میں چُبھتا ہو ایک پَل کہہ گیا آنکھ سے
رائیگاں آس پر عمر بھر کے لیے خواب کیا دیکھنا؟

جن کو محسنؔ قفس میں دہکتی ہوئی زندگی راس ہے
اُن پرندوں کو اب بال و پَر کے لیے خواب کیا دیکھنا؟

☆

نفَس کو درد سے حاصل فراغ ہونا تھا
اُبلتی مَے تھی، شکستہ ایاغ ہونا تھا

جہاں جہاں سے گزرنا تھا تیری خوشبو کو
رَوِش رَوِش کو ہواں باغ باغ ہونا تھا

ملے تھے شامِ سفر میں تو پھر بوقتِ فراق
تجھے ہَوا مجھے آخر چراغ ہونا تھا

وہاں تو رسم تھی خنجر کو صاف رکھنے کی
مِری قبا کو وہاں داغ داغ ہونا تھا

وہ اشک شامِ غریباں میں بجھ گیا جس کو
خطِ مسافتِ شب کا سُراغ ہونا تھا

تمھاری سوچ بھی آخر بھٹک گئی محسنؔ
تمھیں تو شہر میں روشن دماغ ہونا تھا

☆

شام ہی شامِ پیش و پس، اور ہوَا کا سامنا
ایک چراغِ کم نفس ـــ اور ہوَا کا سامنا

وقت ملے تو پُوچھنا دل زدگانِ شوق سے
موسمِ گوشۂ قفس اور ہوَا کا سامنا

دائرۂ حواس میں ایک قَبا کی سلوٹیں
دِل پہ جنوں کی دسترس ـــ اور ہوَا کا سامنا

پچھلے برس تو بچ گئے ـــ اور ہوا تھی سامنے
کرنا پڑے گا اِس برس ـــ اور ہوَا کا سامنا

ہمسفرو دُعا کرو کاش ہمیں نصیب ہو
رات کی رانیوں کا رس اور ہوَا کا سامنا

آنکھ میں قحطِ آب سے دیکھ دِیے بُجھے ہوئے
دِل نے کہا کہ یار بس؟ اور ہوَا کا سامنا

ابھی نہ رُکنا۔۔۔۔۔!

میں معترف ہوں

کہ تم نے اپنے قلم سے
پتھر کی مورتوں کے بدن کی
شکنیں درست کی ہیں!
کہ تم نے پلکوں سے
ریزہ ریزہ بکھرتی نیندوں
کو چُن کے لفظوں میں گھولنے کا
ہنر تراشا
کہ تم نے مدفون روز و شب کے
کواڑ کھولے اور اُن کے پیچھے
بُجھے چراغوں کی سربریدہ لوؤں کو
اپنے لہو سے روشن کیا تو
ذرّوں کی آنچ پر پھر حنُوط چہرے
پگھل کی آواز بن گئے ہیں!!
میں معترف ہوں کہ
تم نے تنگی گلی کے بے خواب پہریداروں کی
آستیں میں چھپی ہوئی' زہر سے بھری سازشوں کو
باہر نکال کر
بے خبر ہواؤں کو تازہ خبروں کا نور بخشا ــــ!
میں معترف ہوں'
تمھاری آنکھوں میں بولتے سچ کا معترف ہوں
میں معترف ہوں
تمھارے پاؤں میں جاگتے آبلوں کی حدِّت کا معترف ہوں
مگر مری جاں!
ابھی قلم کو نہ تھکنے دینا
کہ زندگی کے بہت سے زخموں کو
(''حرفِ مرہم'' کی جستجُو ہے)
ابھی نہ رُکنا
کہ ہر مسافت تمھارے اپنے ہنر کا زیور ہے
آبرُو ہے!
ابھی بگولوں میں گِھر کے بے دست و پا نہ ہونا
کہ سچ کے اِس بے کنار صحرا میں
تم اکیلے نہیں ہو
میں بھی تمھارے ہمراہ چل رہا ہوں!

(ضیا ساجد کے لیے)

☆

حال مت پوچھ عشق کرے کا!
عمر جینے کی، شوق مرنے کا!!

وہ محبت کی احتیاط کے دن!
ہائے موسم وہ خود سے ڈرنے کا

اب اُسے آئینے سے نفرت ہے!
کل جسے شوق تھا سنورنے کا

خودکشی کو بھی رائیگاں نہ سمجھ
کام یہ بھی ہے کر گزرنے کا

عمر بھر کے عذاب سے مشکل!
ایک لمحہ، سوال کرنے کا!!

خون رونا بھی اک ہُنر ٹھہرا،
بانجھ موسم میں رنگ بھرنے کا

ٹوٹتے دل کو شوق سے محسنؔ
صورتِ برگِ گل بکھرنے کا!!

☆

رات بھی ہے سفر بھی، جگنو بھی
دو قدم چل پڑے اگر تُو بھی!!

کچھ تو تاریک تھی فراق کی رات
اور کچھ کُھل گئے وہ گیسو بھی!

قُفلِ موجِ رواں مگر نہ کُھلا
پیاس بیٹھی رہی لبِ جُو بھی

ایک ہی پَل میں مُجھ سے بچھڑے ہیں
موسمِ گل بھی تیری خوشبو بھی!!

اُس پہ کیسی غزل کہیں؟ کہ وہ شخص
سنگدل بھی ہے آئینہ رُو بھی

اوّل اوّل وہ رُوٹھ کر جو مِلا
آنکھ میں بولتے تھے آنسو بھی

شب کا دریا نہ طَے ہوا محسنؔ
شل ہوئے اپنے دست و بازو بھی

☆

دِل نے تنہا جھیلی رات
ہجر کی رات، اکیلی رات

دِن والے کب بُوجھ سکے؟
مشکل شام، پہیلی رات

ایک سفر کی تشریحیں!
چاند، چکور، چنبیلی، رات!!

دن اپنے ہر درد کا دوست
اُس کی ایک سہیلی رات

اِک سُنسان نگر ہر سانس
اِک ویران حویلی رات

اُس کا روپ تھا ’’ہاڑ‘‘ کی دُھوپ
میری سرد، ہتھیلی رات

اُس کی آنکھ سے چھلکی شام
اُس کی زلف سے کھیلی رات

محسنؔ کے انجام کے نام
ہجر کی نئی نویلی رات

عہد نامہ

غلط کہا ہے کسی نے تم سے
کہ جنگ ہوگی!
زمیں کے سینے پہ بے تحاشہ لہو بہے گا
لہُو بہے گا۔۔۔بصوُرتِ آبجو بہے گا
لہُو جو میزانِ آرزو ہے
لہُو جو ہابیل و ابنِ مریم کی آبرو ہے
لہو جو ابنِ علیؑ کے سایۂ چشم و اَبرو میں سُرخرو ہے
مجاورانِ شبِ ہلاکت کی سازشوں کے مقابلے میں
جو روشنی ہے، تپش، تمازت، طلب، نمو ہے
لہو امانت ہے آگہی کی
لہو ضمانت ہے زندگی کی
لہو بہے گا تو مسکراتی ہوئی زمیں پر
نہ پھول مہکیں گے چاہتوں کے
نہ رقصِ خوشبو نہ موسموں کی تمیز کوئی
نہ زندگی کا نشاں رہے گا
(فقط اَجل کا دُھواں رہے گا)
غلط کہا ہے کسی نے تم سے
کہ جنگ ہوگی!

سمندروں سے اُٹھیں گے شعلے
زمیں کے سینے پہ موت ناچے گی
کھیت کھلیاں راکھ ہو جائیں گے جُھلس کر
فضا میں بارود پھانک لے گا
۔۔۔۔۔بشر کی سانسیں!
یہ ہنستے بستے گھروں کے آنگن
۔۔۔۔۔بنیں گے مدفن!!
ہزارہا بے گناہ ماؤں کی چھاتیوں سے
لپٹ کے سوئے، گلی محلّوں میں کھیلتے
بے نیاز بچّوں کے۔۔۔۔۔
جن کی آنکھوں میں کوئی سازش نہ جُرم کوئی

تمھیں خبر ہے کہ جنگ ہو گی تو اس کے شعلے
زمیں کی ہریالیاں۔۔۔ نگلنے کے بعد میں بھی
۔۔۔۔۔۔نہ سرد ہوں گے
تمھیں خبر ہے کہ جنگ ہو گی
تو آنے والے کئی برس
بانجھ موسموں کی طرح کٹیں گے،
تمام آباد شہر۔۔۔سُنسان وادیوں کی طرح جلیں گے
قضا کے آسیب اپنے جبڑوں میں پیس دیں گے
تمام لاشیں، تمام ڈھانچے، تمام پنجر
نہ فاختائیں رہیں گی باقی
نہ شاہراہوں پہ روشنی کا جلوس ہو گا
لہو کے رشتے، نہ عکسِ تہذیبِ آدمیّت
نہ ارتباطِ خلوص ہو گا۔۔۔
تمھیں خبر ہے کہ جنگ ہو گی تو اس کے شعلے
تمام جذبوں کو چاٹ لیں گے
نہ زندگی کا نشاں رہے گا
فقط اجل کا دھواں رہے گا

تمھیں خبر ہے تو بے خبر بن کے سوچتے کیا ہو،
دیکھتے کیا ہو؟
آؤ اپنے لہو سے لکھیں وہ عہد نامہ
جو عزمِ تخریب رکھنے والوں کے عہد ناموں سے معتبر ہو
وہ عہد نامہ کہ جس کے لفظوں میں

مسکراتے حسین بچوں کی دلکشی ہو
نحیف ماؤں کی سادگی ہو
ضعیف محنت کشوں کے ہاتھوں سے
لہلہاتے جوان کھیتوں کی زندگی ہو
اُٹھو کہ لکھیں وہ عہد نامہؑ
جو امن کی فاختہ کے نغموں سے گونجتا ہو
لکھو کہ
خوشبوئے امن بارُود کی ہلاکت سے معتبر ہے
لکھو کہ ہنستی ہوئی سَحر، شب کی تیرگی سے عظیم تر ہے
لکھو کہ دھرتی اجاڑنے والے مجرموں کا حساب ہوگا
لکھو کہ بارود کا دُھواں خود بشر پہ اپنا عذاب ہوگا۔۔۔
''تم اپنی خواہش کی بھٹّیوں میں جلاؤ خود کو
مگر ہمیں اُمن کی خنک چھاؤں میں
دُعاؤں میں سانس لینے دو۔۔زندگی بھر
کہ جنگ ہوگی تو دیکھ لینا
کہ زندگی کی سحر نہ ہوگی
کسی کو اپنی خبر نہ ہوگی!

☆

نئی طرح سے نبھانے کی دل نے ٹھانی ہے
وگرنہ اُس سے محبت بہت پرانی ہے

خدا وہ دن نہ دکھائے کہ میں کسی سے سُنوں
کہ تو نے بھی غمِ دنیا سے ہار مانی ہے

زمیں پہ رہ کے ستارے شکار کرتے ہیں
مزاج اہلِ محبت کا آسمانی ہے.....!!

ہمیں عزیز ہو کیونکر نہ شامِ غم کہ یہی
بچھڑنے والے تیری آخری نشانی ہے

اُتر پڑے ہو تو دریا سے پوچھنا کیسا؟
کہ ساحلوں سے اُدھر کتنا تیز پانی ہے

بہت دنوں میں تیری یاد اوڑھ کر اُتری
یہ شام کتنی سنہری ہے کیا سُہانی ہے!

میں کتنی دیر اُسے سوچتا رہوں محسنؔ
کہ جیسے اُس کا بدن بھی کوئی کہانی ہے

☆

کبھی جو چھیڑ گئی یادِ رفتگاں محسنؔ
بِکھر گئی ہیں نگاہیں کہاں کہاں محسنؔ

ہوا نے راکھ اُڑائی تو دِل کو یاد آیا
کہ جل بجھیں مِرے خوابوں کی بستیاں محسنؔ

کچھ ایسے گھر بھی ملے جن میں گھونگھٹوں کے عوض
ہوئی ہیں دفن دوپٹّوں میں لڑکیاں محسنؔ

کھنڈر ہے عہدِ گذشتہ، نہ چھو نہ چھیڑ اِسے
کھلیں تو بند نہ ہوں اِس کی کھڑکیاں محسنؔ

بُجھا ہے کون ستارہ کہ اپنی آنکھ کے ساتھ
ہوئے ہیں سارے مناظر دھواں دھواں محسنؔ

نہیں کہ اُس نے گنوائے ہیں ماہ و سال اپنے
تمام عُمر گئی یوں بھی رائیگاں محسنؔ

مِلا تو اور بھی تقسیم کر گیا مجھ کو
سمیٹنا تھیں جسے میری کِرچیاں محسنؔ

کہیں سے اُس نے بھی توڑا ہے خود سے ربطِ وفا
کہیں سے بھُول گیا میں بھُی داستاں محسنؔ

☆

دِل تری رہگزر میں کھو بیٹھے
اِک ستارہ سفر میں کھو بیٹھے

شوُقِ پرواز و جُستجوئے سفر
خواہشِ بال و پَر میں کھو بیٹھے

حُسنِ حرفِ دُعا، فقیر ترے
مِنّتِ چارہ گر میں کھو بیٹھے

ہم بھی کیا چاند سے حَسیں چہرے
گردِ شام و سَحر میں کھو بیٹھے

بادباں جب ہوَا کے ہاتھ لگا
کشتیاں ہم بھنور میں کھو بیٹھے

گھر بنانے کی آرزو ہم لوگ
حسرتِ بام و دَر میں کھو بیٹھے

بولتے شہر ہنستے یاروں کے!
دل کے اندھے کھنڈر میں کھو بیٹھے

یاد اِک دِل میں گُم ہوئی محسنؔ
عکس اِک چشمِ تر میں کھو بیٹھے

کیسا عالم تھا وہ جذبوں کے رفوُ کا عالم

کیسا عالم تھا وہ جذبوں کے رفوُ کا عالم
ریزہ ریزہ مِری سوچیں، وہ غزل جیسی تھی
کیسا موسم تھا وہ سانسوں کی نمو کا موسم
جھیل جیسی مری چاہت وہ کنول جیسی تھی

رات آنگن میں اُترتی تھی مگر یوں جیسے
اُس کی آنکھوں میں دہکتا ہوا کاجل پھیلے
صبح خوابوں میں نکھرتی تھی مہک کر جیسے
اُس کے سینے سے پھسلتا ہوا آنچل پھیلے

دل دھڑکتا تھا کہ جیسے کسی پگڈنڈی پر
اُس کی پازیب سے ٹوٹا ہوا گھنگھرو بولے
چونک اُٹھتی تھی سماعت کہ سفر میں جیسے
اُس کے سائے کی زباں میں کوئی جگنو بولے

اُس کی زُلفیں مری تسکیں کے بھنور بُنتی تھیں
جیسے کھُلتے ہوئے ریشم سے ہوَا چھوُ جائے
اُس کی پلکیں مرے اشکوں کے گُہر چنتی تھیں
بابِ تاثیر سے جس طرح دُعا چھو جائے

اُس کی آواز جگاتی تھی مقدّر میرا
جیسے معبد میں سویرے کا گجر بجتا ہے
جیسے برسات کی رِم جھم سے دھنک ٹوٹتی ہے
یا رحیلِ سرِ آغاز سفر بجتا ہے!
اُس کے چہرے کی تمازت سے پگھلتے تھے حروف
جیسے کُہسار پہ کِرنوں کے قبیلے اُتریں!
جیسے کھُل جائے خیالوں میں حنا کا موسم
جیسے خوشبو کی طرح رنگ نشیلے اُتریں

اُس کے قامت پہ جو سوچا تو سرِ شامِ وصال
دوشِ افکار پہ جذبوں کا سفر یاد آیا

وہ کہ مہتاب کی صورت تھی نگاہوں سے بلند
میں سمندر تھا مجھے مدّوجزر یاد آیا

نازِ نکہت کی اکائی تھی مگر محفل میں
اپنے ملبوس کے رنگوں میں وہ بٹ جاتی تھی
یوں تو قِسمت کا ستارہ تھی مگر آخرِ شب
میرے ہاتھوں کی لکیروں میں سمٹ جاتی تھی

اُس سے بچھڑا ہوں تو آنکھوں کا مقدّر ٹھہرا
دِل کے پاتال میں یخ بستہ لہو کا عالم
اپنی تنہائی کی پرچھائیں میں لپٹا ہوا جسم
جیسے ٹوٹے ہوئے شیشوں میں سبُو کا عالم
اپنے سائے کی رفاقت پہ بھی کانپ اُٹھتا ہوں
شہر کے شہر پہ چھایا ہے وہ ہُو کا عالم
کیسا عالم تھا وہ جذبوں کے رفو کا عالم؟

☆

درد سے بے نیاز ہونے دے
اے شبِ ہجر' کچھ تو سونے دے!

رخصت اے حبسِ شامِ ضبطِ جنُوں
رونے والوں کو کھل کے رونے دے

آج اِک سرخرُو سے مِلنا ہے!
آج آنکھیں لہو سے دھونے دے

کاش کوئی ہمیں بھی اشک اپنے
سانس کے تار میں پرونے دے

فصلِ یخ بستگی میں جینا ہے
پانیوں میں شرار بونے دے

کچھ تو سوچ اپنے حال پر محسنؔ
خود کو یوں رائیگاں نہ ہونے دے

☆

وہ لڑکی بھی ایک عجیب پہیلی تھی
پیاسے ہونٹ تھے آنکھ سمندر جیسی تھی

سورج اُس کو دیکھ کے پیلا پڑتا تھا
وہ سرما کی دھوپ میں دُھل کر نکلی تھی

اُس کو اپنے سائے سے ڈر لگتا تھا
سوچ کے صحرا میں وہ تنہا ہرنی تھی

آتے جاتے موسم اُس کو ڈستے تھے
ہنستے ہنستے پلکوں سے رو پڑتی تھی

آدھی رات گنوا دیتی تھی چُپ رہ کر
آدھی رات کے چاند سے باتیں کرتی تھی

دُور سے اُجڑے مندر جیسا گھر اُس کا
وہ اپنے گھر میں اکلوتی دیوی تھی!

موم سے نازک جسم سحر کو دُکھتا تھا
دیئے جلا کر شب بھر آپ پگھلتی تھی!

تیز ہوا کو روک کے اپنے آنچل پر
سوکھے پھول اکٹھےّ کرتی پھرتی تھی

سب پر ظاہر کر دیتی تھی بھید اپنا
سب سے اِک تصویر چھپائے رکھتی تھی

کل شب چکنا چُور تھا دل اُس کا
یا پھر پہلی بار وہ کھل کر روئی تھی

محسنؔ کیا جانے کیوں دھوپ سے بے پروا
وہ اپنے گھر کی دہلیز پہ بیٹھی تھی؟

☆

اور کیا ہیں اپنی بزم آرائیاں
مل کے بیٹھے، بانٹ لیں تنہائیاں

حاصلِ خوشبو، خزاں کی بانجھ رُت
شہرتوں کی انتہا --- رُسوائیاں

قُرب کا موسم بھی کیا موسم تھا جب
ناپتے تھے روح کی گہرائیاں!

ہجر کے لمحے بھی کیا لمحے ہیں اب
بجھتی جاتی ہیں تیری پرچھائیاں!

کون سی دلہن کا اجڑا ہے سہاگ؟
رو پڑی ہیں بے سبب شہنائیاں

یاد آئیں بچپنے کی سب ضدیں
جس طرح روٹھی ہوئی ہمسائیاں

اُس کی میری خواہشوں کا اتفاق
جیسے آپس میں ملیں ماں جائیاں

اُس کے خال و خد کی تشبیہیں نہ پوچھ
رنگ، رِم جھم، روشنی، رعنائیاں

پوچھ مت محسنؔ اندھیرے ہجر کے
چاند سی کیا صورتیں گہنائیاں!!

کون یاد آتا ہے؟

جب تری کلائی میں
چوڑیاں کھنکتی ہیں
جب شریر پلکوں کی
پائلیں چھنکتی ہیں

جب فضا کا سنّاٹا
خود سے گنگناتا ہے
کون یاد آتا ہے؟

جب تری نگاہوں میں
دونوں وقت ملتے ہیں
جب طلب کی راہوں میں
کُھل کے پھول کھلتے ہیں

جب خیال کا پنچھی
خوف سرسراتا ہے
کون یاد آتا ہے؟

اجنبی سی آہٹ پر
جب بھی دل دھڑک جائے
جب بھی گفتگو خود سے
حلق میں اٹک جائے

دل میں چور سا کوئی
جب بھی مسکراتا ہے
کون یاد آتا ہے؟

جب بھی گھپ اندھیرے میں

بجلیاں چمکتی ہیں
جب سجے کواڑوں پر
آندھیاں لپکتی ہیں

جب رگوں میں انجانا
خوف سرسراتا ہے
کون یاد آتا ہے؟

خواہشوں کی بستی میں
واہموں کے میلے ہیں
بے کراں اُداسی میں
ہم سبھی اکیلے ہیں

خود سے دل دھڑکتا ہے
خود سے ڈوب جاتا ہے
کون یاد آتا ہے؟
کون یاد آتا ہے؟

☆

ترکِ محبت کر بیٹھے ہم، ضبط محبت اور بھی ہے
ایک قیامت بیت چکی ہے، ایک قیامت اور بھی ہے

ہم نے اُسی کے درد سے اپنے سانس کا رشتہ جوڑ لیا
ورنہ شہر میں زندہ رہنے کی اِک صورت اور بھی ہے

ڈوبتا سُورج دیکھ کے خوش ہو رہنا کس کو راس آیا
دن کا دکھ سہہ جانے والو، رات کی وحشت اور بھی ہے

صرف رتوں کے ساتھ بدلتے رہنے پر موقوف نہیں
اُس میں بچوں جیسی ضِد کرنے کی عادت اور بھی ہے

صدیوں بعد اُسے پھر دیکھا، دل نے پھر محسوس کیا
اور بھی گہری چوٹ لگی ہے، درد میں شدّت اور بھی ہے

میری بھیگتی پلکوں پر جب اُس نے دونوں ہاتھ رکھے
پھر یہ بھید کُھلا اِن اشکوں کی کچھ قیمت اور بھی ہے

اُس کو گنوا کر محسنؔ اُس کے درد کا قرض چکانا ہے
ایک اذّیت ماند پڑی ہے ایک اذّیت اور بھی ہے!

☆

اَب کے سفر میں تشنہ لبی نے، کیا بتلائیں، کیا کیا دیکھا؟
صحراؤں کی پیاس بجھاتے دریاؤں کو پیاسا دیکھا

شاید وہ بھی سرد رُتوں کے چاند سی قسمت لایا ہوگا
شہر کی بِھیڑ میں اکثر جس کو ہم نے تنہا دیکھا

چارہ گروں کی قَید سے چھوٹے، تعبیریں سب راکھ ہوئی ہیں
اب کے دِل میں درد وہ اُترا، اب کے خواب ہی ایسا دیکھا

رات بہت بھٹکے ہم لے کر، آنکھوں کے خالی مشکیزے
رات فرات پہ پھر دشمن کے لشکریوں کا پہرا دیکھا

درد کا تاجر بانٹ رہا تھا گلیوں میں مجروح تبسّم
دِل کی چوٹ کوئی کیا جانے، زخم تو آنکھ میں گہرا دیکھا

جس کے لیے بدنام ہوئے ہم، آپ تو اُس سے مِل کر آئے
آپ نے اُس کو کیسا پایا ۔۔۔ آپ نے اُس کو کیسا دیکھا؟

کیسا شخص تھا زرد رُتوں کی بھیڑ میں جب بھی سامنے آیا
اُس کو دھوپ سا کُھلتا پایا، اُس کو پھول سی کِھلتا دیکھا

اَبر کی چادر تان کے جھیل میں ساتوں رنگ رچانے اُترا
موجۂ آب کی تہہ میں جانے چاند نے کس کا چہرہ دیکھا

تیرے بعد ہمارے حال کی ہر رُت آپ گواہی دے گی
ہر موسم نے اپنی آنکھ میں ایک ہی درد کا سایا دیکھا

محسنؔ بند کواڑ کے پیچھے ڈھونڈ رہی ہے، سہمی شمعیں
جیسے عُمر کے بعد ہوا نے میرے گھر کا رستہ دیکھا

☆

آنکھ بے منظر، طلب بے آرزو ایسی نہ تھی
تجھ سے پہلے فصلِ خواہش بے نمو ایسی نہ تھی

حبس بھی آتا تھا، مرجھاتی تھیں کلیاں بھی مگر
شہر کی آب و ہوا بے رنگ و بُو ایسی نہ تھی

اب تو ہر رستے سے پوچھوں تیری آہٹ کا سراغ
شوق تھا ملنے کا لیکن جستجو ایسی نہ تھی

یا میَں تیرے خال و خد میں اس قدر کھویا نہ تھا
یا تری تصویر پہلے ہُو بہو ایسی نہ تھی

اَب کے دَر آئی قفس میں فصلِ گُل ورنہ کبھی
خستگی دامن کی، محتاجِ رَفو ایسی نہ تھی

گُلبنِ یاقوت میں رقصِ شرر کیا دیکھتے؟
اُس کے لَب، جیسے وہ لب تھے گفتگو ایسی نہ تھی!

اب کے محسنؔ کیا کہیں کیا ہو مآلِ سَیرِ گُل؟
خواہشِ آوارگی دِل میں "کبھو" ایسی نہ تھی

تو کیا ہوگا۔۔۔۔؟

تو کیا ہوگا؟
یہی ہوگا کہ تم مجھ سے بچھڑ جاؤ گی
جیسے رنگ سے خوشبو
بدن سے ڈور سانسوں کی!
گرفتِ شام سے۔۔۔ناراض سورج کی کرن
اِک دم بچھڑ جائے!
کہ جیسے رات کے پچھلے پہر
خوابیدہ گلیوں،
نیم خوابیدہ گھروں میں زلزلہ آئے
تو اِک بستی اُجڑ جائے!
کہ جیسے دھوپ کے صحرا میں
تشنہ لب، بھٹکتے بھولتے بے گھر پرندوں
سخت جاں پیڑوں، بگولوں کے بھنور میں
اپنی چھاؤں بانٹتا بادل۔۔۔نُچڑ جائے!
تو کیا ہوگا؟
یہی ہوگا کہ۔۔۔میں تم سے جُدا ہو کر
کہیں تقسیم ہو جاؤں گا
لمحوں میں بکھر جاؤں گا
تنہائی کے اندھے غار کی تہہ میں اُتر جاؤں گا
تم سے روٹھ کر۔۔۔خود سے خفا ہو کر۔۔!!
تو کیا ہوگا؟
یہی ہوگا۔۔۔

نہ کوئی زلزلہ آئے گا
کوئی آنکھ نم ہوگی نہ سنّاٹا
بچھے گا شہر کی گلیوں میں
زلفیں کھول کر روئے گی تنہائی
نہ شہرِ دل فگاراں میں
کوئی محشر بپا ہوگا۔۔۔!

تو کیا ہوگا۔۔۔؟
تمھارے ساتھ
اپنے رنگ ہوں گے!

روشنی ہوگی۔۔۔!!

ستارے بانٹتے خوابوں کا
اپنا سِلسلہ ہوگا۔۔۔!

تو کیا ہوگا۔۔۔؟
مگر سوچو، کسی تنہا سفر میں
جب مری آواز کے بے ربط رشتوں سے
تمھارا سامنا ہوگا۔۔۔!
تو کیا ہوگا؟

☆

دل کہاں، کربِ دِل آزاری کہاں؟
زلزلوں کی زد میں ہے کچّا مکاں!

لمحہ بھر کے ہجر نے پھیلا دیا۔۔۔!
اِک زمانہ تیرے میرے درمیاں

ناچتی ہے دُھوپ سی آنکھوں میں، جب
بارشوں میں بھیگتی ہیں لڑکیاں!

کل اُسے دیکھا نئے ملبوس ہیں۔۔۔!
جیسے رنگوں کے بھنور میں کہکشاں

بادباں جب سے ہوَا کی زد میں ہیں
ساحلوں سے خوف کھائیں کشتیاں

جنگلوں کے پیڑ ہیں سہمے ہوئے
جگنوؤں کو ڈھونڈتی ہیں بجلیاں

نیند کیا ٹوٹی کہ دل مُرجھا گیا!
اُڑ گئیں خوابوں کی ساری تتلیاں

سوچنا محسنؔ سفر کے شور میں
گھر کا سنّاٹا تھا کتنا مہرباں!

☆

خواب آنکھوں میں چبھو کر دیکھوں
کاش میں بھی کبھی سو کر دیکھوں

شاید اُبھرے تری تصویر کہیں!
میں تری یاد میں رو کر دیکھوں

اِسی خواہش میں مٹا جاتا ہوں
تیرے پاؤں تری ٹھوکر دیکھوں

اشک ہیں وہم کی شبنم کہ لہُو؟
اپنی پلکیں تو بھگو کر دیکھوں

کیسا لگتا ہے بچھڑ کر ملنا ---؟
میں اچانک تجھے کھو کر دیکھوں؟

اَب کہاں اپنے گریباں کی بہار؟
تار میں زخم پرو کر دیکھوں

میرے ہونے سے نہ ہونا بہتر
تو جو چاہے، ترا ہو کر دیکھوں؟

روح کی گرد سے پہلے محسنؔ!
داغِ دامن کو تو دھو کر دیکھوں

میں تیرے شہر سے گزرا تو۔۔۔۔۔!

میں تیرے شہر سے گزرا تو کچھ عجب سا لگا!
ہر ایک موڑ پہ ناکام حسرتوں کا ہجوم
ہر ایک راہ میں مقروض خواہشوں کی قطار
ہر اِک قدم پہ شکستہ ندامتوں کے مزار
ہر ایک آنکھ میں مرگِ تعلقات کا سوگ
ہر اِک روش پہ رواں جستجوئے رزق میں لوگ
تمام لوگ وہی لوگ تھے کہ جن سے کبھی
نظر چُرا کے گزرتا تھا میں ہوَا کی طرح
تمام سائے مری آنکھ میں بکھرتے رہے
کسی قریب کی بستی کے آشنا کی طرح
میں تیرے شہر سے گزرا تو کچھ عجب سا لگا
کہ جیسے شہر وہی ہے، وہی نہیں ہے مگر
کوئی گلی، کوئی منظر، کسی روش کا مزاج
جبینِ خاک میں پیوست ہیں فراق کے داغ
فضائے زرد کے سائے میں احتیاط کے ساتھ
اُجاڑ بام پہ جلتا ہوا ۔۔۔ اُداس چراغ
ہوَا سے پوچھ رہا تھا ۔۔۔ اِک اجنبی کی طرح
مرے سفر کا سبب، تیرے ہمسفر کا سُراغ!

ہر اِک سوال مجھے کتنا بے سبب سا لگا
میں تیرے شہر سے گزرا تو کچھ عجب سا لگا

☆

بکھرتا جسم مِری جاں کتاب کیا ہوگا؟
تمھارے نام سے اب انتساب کیا ہوگا؟

تم اپنی نیند بھرے شہر میں تلاش کرو!
جو آنکھ راکھ ہوئی اُس میں خواب کیا ہوگا؟

وہ میری تُہمتیں اپنے بدن پہ کیوں اوڑھے
مرے گناہ کا اُس کو ثواب کیا ہوگا؟

ہوَا میں اُس کی مسافت، زمیں پہ میرا سفر
وہ شہسوار مِرا ہمرکاب کیا ہوگا؟

اُسے گنوا کے میں اب کِس کے خدوخال پڑھوں
اب اُس سے بڑھ کے مرا انتخاب کیا ہوگا؟

ملے گا ڈوبنے والوں کو اجر، جو بھی ملے!
سمندروں کا مگر احتساب کیا ہوگا؟

ہمارے بعد ہمیں یاد کیوں کرے گا کوئی؟
ہوا کا نقش سرِ سطحِ آب کیا ہوگا؟

بکھرتے ٹوٹتے محسنؔ کو اور کیا کہنا
خراب اور وہ خانہ خراب کیا ہوگا؟

☆

ختم ہوئے پیغام سلام
اُس کے ہجر کے نام سلام!

لمحۂ بے انجام --- دُعا!
دِیدۂ بے آرام --- سلام

ماند پڑا ہر یاد کا چاند
اے گردِ ایّام --- سلام

تیری مرضی دیکھ نہ دیکھ
رہگیروں کا کامؒ سلام

کہنا غزلوں کو مکتوب
لکھنا اُس کے نام -- سلام

جاگ مِری صُبحِ اعزاز
کرنے آئی شام سلام

لُٹتے شہر عذاب بخیر!
بجھتے کوچہ و بام سلام!!

خواہشِ تسکیںؒ عُمر دراز
حسرتِ درد انجامؒ سلام

محسنؔ اُس کے طور اَخیر
نازؒ اندازؒ خرامؒ سلام

ابھی کیا کہیں----؟

ابھی کیا کہیں -- ابھی کیا سُنیں؟
کہ سَرِ فصیلِ سُکوتِ جاں
کفِ روز و شب پہ شرر نما
وہ جو حرف حرف چراغ تھا
اُسے کس ہوا نے بجھا دیا؟

کبھی لب ہلیں گے تو پوچھنا!

سرِ شہرِ عہدِ وصالِ دل
وہ جو نکہتوں کا ہجوم تھا

اُسے دستِ موجِ فراق نے
تہہِ خاک کب سے ملا دیا؟

کبھی گُل کِھلیں گے تو پوچھنا!

ابھی کیا کہیں ۔۔ ابھی کیا سُنیں؟
یونہی خواہشوں کے فشار میں
کبھی بے سبب ۔۔ کبھی بے خلل
کہاں، کون کس سے بچھڑ گیا؟
کسے، کس نے کیسے گنوا دیا؟

کبھی پھر ملیں گے تو پوچھنا۔!

☆

چمن میں جب بھی صبا کو گلاب پوچھتے ہیں
تمہاری آنکھ کا احوال، خواب پوچھتے ہیں

کہاں کہاں ہوئے روشن ہمارے بعد چراغ؟
ستارے دیدۂ تر سے حساب پوچھتے ہیں

وہ تشنہ لَب بھی عجب ہیں جو مَوجِ صحرا سے
سُراغِ حَبس، مزاجِ سراب پوچھتے ہیں

کہاں بسی ہیں وہ یادیں، اُجاڑنا ہے جنھیں؟
دِلوں کی بانجھ زمیں سے عذاب پوچھتے ہیں

برس پڑیں تری آنکھیں تو پھر یہ بھید کھُلا
سوال خود سے بھی اپنا جواب پوچھتے ہیں

ہوَا کی ہمسفری سے اب اور کیا حاصل؟
بس اپنے شہر کو خانہ خراب پوچھتے ہیں

جو بے نیاز ہیں خود اپنے حُسن سے محسنؔ
کہاں وہ مجھ سے مِرا اِنتخاب پوچھتے ہیں؟

☆

کہہ گئی چشمِ تر کی حیرانی
زندگی ہے فرات کا پانی
مجھ سے نفرت نہ کر کہ ٹھہری ہے
تیرا ملبوس۔ میری عُریانی
وسعتِ عقل پر نہ حیراں ہو!
دامنِ عقل میں ہے نادانی
ہنستی بستی خدائی کے خالق!
دیکھ اُجڑے گھروں کی ویرانی!
چاندنی کے اُجاڑ صحرا میں
رقص کرتی ہے رات کی رانی
موجزن دل میں ہے خیال ترا
جیسے دریا کہ تہہ میں طُغیانی
بادشاہت سے قیمتی محسنؔ
بارگاہِ علیؑ کی دربانی!

☆

روشنی جب مِرے مکان میں ہو!
کیوں اندھیرا کسی کے دھیان میں ہو؟

اُس کی رفتار کا مزاج نہ پوچھ
جیسے تازہ غزل اُڑان میں ہو!

حبس میں کشتیاں لرزتی ہیں!
کوئی سازش نہ بادبان میں ہو؟

موت کی آہٹوں سے کون ڈرے
زندگی جب تری اَمان میں ہو!

کیوں نہ پہنے سیہ لباس زمیں
چاند جب دفن آسمان میں ہو

یوں تری یاد دِل میں ہے جیسے
تیر ٹوٹی ہوئی کمان میں ہو!

تم سوچ پہ کسلیے نہ محسؔن؟
تم یقیں ہو مگر گُماں میں ہو!

سُنا ہے زمیں پر ۔۔۔۔۔!

سُنا ہے
زمیں پر وہی لوگ ملتے ہیں۔۔۔جن کو
کبھی آسمانوں کے اُس پار
رُوحوں کے میلے میں
اِک دوسرے کی محبت ملی ہو۔۔۔!
مگر تم۔۔۔
کہ میرے لیے نفرتوں کے اندھیرے میں
ہنستی ہوئی روشنی ہو
لہو میں رچی!
رگوں میں بسی ہو!!
ہمیشہ سُکوتِ شبِ غم میں آوازِ جاں بن کے
چاروں طرف گونجتی ہو!
اگر آسمانوں کے اُس پار
رُوحوں کے میلے میں بھی مِل چُکی ہو!
تو پھر اس زمیں پر
مری چاہتوں کے کھلے موسموں سے گریزاں
مری دُھوپ چھاؤں سے
کیوں اجنبی ہو؟

کتابوں میں لکھّی ہوئی۔۔۔
اور کانوں سُنی۔۔۔
ساری باتیں غلط ہیں۔۔۔؟
کہ تُم ''دوسری'' ہو۔۔۔؟؟

☆

سُورج کا خوف دِل سے بھُلا دینا چاہیے
اَب اپنا سَر سناں پہ سَجا دینا چاہیے

یارو اِسی کے دَم سے ہیں مقتل کی رونقیں
قاتل کو زندگی کی دُعا دینا چاہیے

صحرا سجا رہا ہے بگولوں کا اِک جلوس
سائے کو راستے میں بچھا دینا چاہیے

شب خُوں نہ مار دے کہیں لشکر ہَواؤں کا
شاخوں سے پنچھیوں کو اُڑا دینا چاہیے

یہ کیا کہ دوسروں کو سُنائیں حدیثِ غم
اِک روز خود کو ہنس کے رُلا دینا چاہیے

کرنوں کی بھیک مانگتی پھرتی ہے خلقِ شہر
اب وقت ہے کہ گھر کو جلا دینا چاہیے

محسنؔ طلوعِ اشک دلیلِ سحر بھی ہے
شب کٹ گئی، چراغ بجھا دینا چاہیے

سفر جاری رکھو اپنا
(خالد شریف کے لیے ایک ادھوری نظم)

یہ شیشے کے غلافوں میں دھڑکتی، سوچتی آنکھیں
نجانے کتنے پُر اَسرار دریاؤں کی گہرائی میں

بکھرے موتیوں کی آب سے نَم ہیں

پہاڑوں سے اُترتی کُہر میں لپٹا ہوا

یہ سانولا چہرہ!

نجانے کتنی کُجلائی ہوئی صبحوں کے سینے میں

مچلتی خواہشوں کا آئینہ بن کر

دمکتا ہے!

یہ چہرہ، کرب کے موسم کی بجھتی دوپہر میں بھی

چمکتا ہے!!

یہ لَب یہ تشنگی کی موج میں بھیگے ہوئے

''مرجاں''

شُعاعِ حرف جن سے پھوٹتی ہے سُرخرو ہو کر!

یہ لَب جب شعلۂ آواز کی حدّت میں تپ کر مُسکراتے ہیں

تو نادیدہ سرابوں کی جبیں پر

بے طلب کتنے ستارے جھلملاتے ہیں

یہ لَب جب مسکراتے ہیں

تو پَل بھر کو سکوتِ گُنبدِ احساس

خود سے گونج اُٹھتا ہے!!

یہ پیکر!

یہ حوادث کے مقابل بھی کشیدہ قامت و خوش پیرہن پیکر

کہ جیسے بارشوں کے رنگ برساتی ہوئی رُت میں

خرامِ اَبر پر قوسِ قزح نے

اپنی انگڑائی چھڑک دی ہو!

کوئی آواز!

جب تنہا مسافت میں مِرے ہمراہ چلتی ہے

کوئی پرچھائیں

جب میری بجھی آنکھوں میں چُبھتے اَشک چُنتی ہے

تو لمحہ بھر کو رُک کر سوچتا ہوں مَیں

کہ اس تنہا مسافت میں

کسی صحرا میں سائے بانٹتے اشجار کی خوشبو ہے

یا تم ہو۔۔۔؟

یہ تم ہو یا تمنّا کے سفر میں

حوصلوں کا استعارہ ہے؟

یہ تم ہو یا طلب کی رہگذر میں

گُم ستارہ ہے؟

ہوا تُم سے اُلجھتی ہے
کہ تم اپنی ہتھیلی پر مشقّت کا ''دِیا'' بجھنے نہیں دیتے!
حریفانِ قلم۔۔۔نالاں
کہ تم اُن کی کسی سازش پہ کیوں برہم نہیں ہوتے؟
ادب کے تاجرانِ حرص پیشہ سر بہ زانو ہیں
کہ تم اہلِ ہُنر کے ریزہ ریزہ خواب
اپنی جاگتی پلکوں سے چُن کر
سانس کے ریشم میں
کیوں اِتنی مشقّت سے پروتے ہو

مگر جاناں، تمھیں کیا؟
تم سفر جاری رکھو اپنا،
سفر میں سنگباری سے لہو ہونا
جگر کے زخم سے رِستے لہو سے آبلے دھونا۔۔۔
اَزل سے، ہم غریبانِ سفر کی اِک روایت ہے!
تمھیں کیا تُم سفر جاری رکھو اپنا۔۔۔!
تمھاری آبلہ پائی کا عنواں ''نارسائی'' ہے
تمھیں آتا ہے
دُشمن کے لیے وقفِ دُعا رہنا
اندھیروں سے اُلجھنا۔۔۔سنگباری کی رُتوں میں ''بے قبا'' رہنا
تمہیں آتا ہے۔۔۔یوں بھی زخم کھا کر مُسکرا دینا
تمھیں آتا ہے
گرِدِ روز و شب سے ''ماورا'' رہنا

عذاب دید

یہ کس نے ہم سے لہو کا خراج پھر مانگا؟
اَبھی تو سوئے تھے مقتل کو سُرخرو کر کے!

ترتیب

غزلیں ، نظمیں

انتساب

وہ بھی کیا دِن تھے کہ پَل میں کر دیا کرتے تھے ہم
عُمر بھر کی چاہتیں، ہر ایک ہرجائی کے نام

وہ بھی کیا موسم تھے جن کی نِکہتوں کے ذائقے
لِکھ دیا کرتے تھے خال و خد کی رعنائی کے نام

وہ بھی کیا صُبحیں تھیں جن کی مُسکراہٹ کا فسوں
وقف تھا اہلِ وفا کی بزم آرائی کے نام

وہ بھی کیا شامیں تھیں جن کی شُہرتیں منسوب تھیں
بے سبب کُھلتے ہوئے بالوں کی رُسوائی کے نام

اَب کے وہ رُت ہے کہ ہر تازہ قیامت کا عذاب
اپنے دِل میں جاگتے زخموں کی گہرائی کے نام

اَب کے اپنے آنسوؤں کے سب شکستہ آئینے
کُچھ زمانے کے لئے، کُچھ اپنی تنہائی کے نام

امر بیل کی چھاؤں میں

مُجھے معلُوم ھے کہ

میں اِس بے چہرہ عہد کی ریزہ ریزہ خواہشوں اور کٹی پھٹی خراشوں میں بکھرا ہوا ایک ایسا فنکار ہوں جس کے ہونٹوں پر حرف حرف پیاس جم گئی ہے۔ میرے خدوخال آئینے سے شرمندہ ہیں کہ دھندلے پڑ چکے ہیں:

مُجھے احساس ھے کہ

میں گزشتہ زمانوں کی راکھ سے آئیندہ محبّتوں کا سُراغ لگا رہا ہوں، حلانکہ راکھ کے ڈھیر تلے دبی چنگاریاں اپنے آپ کو بے اماں سمجھ کر دم توڑنے میں ہمیشہ جلدی کرتی ہیں۔

مجھے یقین ھے کہ

میں جِسے متاعِ حیات سمجھ کر پرستش کے قرینے سوچتا رہا وہ محبت نہیں کُچھ اور تھی، مگر یہ جانتے ہوُئے بھی کہ یہ سب کُچھ سرابِ نظر ہے مَیں نے ہمیشہ آنکھیں بند کر کے احساسِ خُود فریبی کی پرورش کی ہے.....کہ

خواب کو خواب سمجھ کر دیکھنا بھی اضطرابِ نارسائی کی تسکین کا باعث ہوتا ہے:

کتنی عجیب بات ھے کہ

میں نے دوسروں کو سمجھنے کی کوشش میں اپنا آپ گنوا ڈالا۔ اور اب رائیگاں چاندنی یا اپنی طرح شہر بدر ہوا کے خاک بسر جھونکے کبھی کبھی میرے حواس کو میری خبر دیتے ہیں:

میرا کوئی شھر نھیں کہ

سارے شہر میرے اپنے شہر ہیں..... ہر دل کی دُکھن میری شہ رگ کا اثاثہ اور ہر سینے کا زخم میرے وجود کا سرمایہ ہے۔ مقتل کو سجانے والا ہر سرکشیدہ میرے قبیلے کا فرد اور ہر سر بُریدہ مظلوم میرے لشکر کے سردار کی حیثیت رکھتا ہے، میری سوچ میرے جیسے ہر انسان کی وراثت ہے.....میری شاعری کسی ایک خطّے کی آب و ہوا کے حصار میں اسیر نہیں، نہ ہی کسی ایک فرد کے فکر و عمل کی عکّاس ہے بلکہ جہاں جہاں امن کی خوشبو، فاختاؤں سے اٹی فضا، انمول محبت کے سائے اور چاہتوں کے آبشار نغمے برسا رہے ہیں وہاں وہاں میری غزلوں کی دھنک، میری نظموں کی رعنائیاں اور میرے مرثیوں کی کسک اپنی بازگشت سمیت پھیلنے اور بکھرنے کے عمل میں مصروف ہے:

اور شاید اسی لئے

کبھی کبھی تو ناشناسائی کے گھنے جنگلوں میں ضدّی بارشیں تک میری

سوچوں کو نہلا دیتی ہیں۔ اس کی ایک نفسیاتی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ

وہ سَر سے پاؤں تلک

دھنک، دھوپ، چاندنی ہے!

دُھلے دُھلے موسموں کی بے ساختہ

غزل بخت شاعری ہے!!

(مرے ہنر کے سبھی اثاثوں سے قیمتی ہے)

وہ مجھ میں گھُل مل گئی ہے لیکن

ابھی تلک مجھ سے اجنبی ہے،

کسی اُدھوری گھڑی میں

جب جب وہ بے ارادہ محبتوں کے

چھُپے چھُپے بھید کھولتی ہے!

تو دل یہ کہتا ہے

جس کی خاطر وہ اپنی "سانسیں"

وفا کی سُولی پہ تولتی ہے

وہ آسماں زاد، کہکشاں بخت۔۔۔(کچھ بھی کہہ لو۔۔!)

جو اُس کی چاہت کا "آسرا" ہے

وہ "میں" نہیں ہوں

کوئی تو ہے جو مرے سوا ہے!

وہ شہر بھر کے تمام "چہروں" سے ہٹ کے

اِک "اور مہرباں" ہے

جو اُس کی خواہش کا "آسماں" ہے

(کسے خبر کون ہے، کہاں ہے؟)

مگر مجھے کیا؟

کہ میں زمیں ہوں!

وہ جس کی چاہت میں اپنی سانسیں لٹا رہی ہے

وہ "میں" نہیں ہوں!

وہ آنکھوں آنکھوں میں بولتی ہے!!

منگل ۲۴ اکتوبر

دوپہر ۴۰۔۲ بجے

لاہور

☆

ہر گھڑی رائیگاں گُزرتی ہے
زندگی اَب کہاں گُزرتی ہے؟

درد کی شام --- دشتِ ہجراں سے
صُورتِ کارواں گُزرتی ہے!!

شَب گراتی ہے بجلیاں دِل پر
صبح آتش بَجاں گُزرتی ہے!

زخم پہلے مہکنے لگتے تھے ---!
اب ہَوا بے نشاں گُزرتی ہے

تُو خفا ہے تو دِل سے یاد تری
کس لیے مہرباں گُزرتی ہے؟

اپنی گلیوں سے اَمن کی خواہش
تن پہ اوڑھے دُھواں گُزرتی ہے

مسکرایا نہ کر کہ محسنؔ پر
یہ "سخاوت" گراں گُزرتی ہے!

☆

سُکھ کا موسم خیال و خواب ہُوا ۔۔۔!
سانس لینا بھی اَب عذاب ہُوا ۔۔۔!

آنکھوں آنکھوں پڑھا کرو جذبے
چہرہ چہرہ کھُلی کتاب ہُوا ۔۔۔!

روشنی اُس کے عکس کی دیکھو
آئینہ شب کو آفتاب ہُوا

اِک فلک ناز کی محبت میں
مَیں ہوَاؤں کا ہمَرکاب ہُوا

عدل پَروَر! کبھی حِساب تو کر!
ظُلم کِس کِس پہ بے حساب ہُوا؟

کون موَجوں میں گھولتا ہے لہو
سُرخرُو کِس لیے چناب ہُوا

کِس کے سَر پر سِناں کو رشک آیا۔
کون مقتل میں کامیاب ہُوا؟

اَب کے ہجراں کی دُھوپ میں محسؔن
رنگ اُس کا بھی کچھ خراب ہُوا!!!

جاگتے سوتے!

نیم شب کا اُجاڑ سنّاٹا۔!
خواب آلوُد بے صَدا رستے
تیرگی سے اَٹی ہوئی گلیاں'
کھردرے' سخت' بے چراغ کواڑ
سہمی سہمی ہوَا کی دَستک سے
سانس لیتے ہیں' بے حواسی میں
پیڑ پر چند زرد رُو پتّے۔!
ٹوٹتے ہیں ۔۔۔ زمیں پہ گرتے ہیں
(جیسے بے شکل چاپ پر اکثر
کوئی بیمار دِل دھڑکتا ہے)
ایسی تنہائیوں میں بھی اب تک
میں ترے نام جاگتے سوتے!
خیریت کے خطوط لکھتا ہوں!!

اتوار ۲۹ اکتوبر ۱۹۹۵ء
رات بارہ بجے' ہوٹل پی۔سی لاہور

بھکارن

اِک بھکارن!
شہر کے مصروف چوراہے کی اندھی بھیڑ میں
اپنے فاقوں سے اَٹی خواہش کی ضِد پر
بیچنے آئی ہے
اپنی نوجوانی کا غُرور!
توڑنے آئی ہے بے صُورت اَنا کے آئینے
بے حنا ہاتھوں میں پھیلائے ہوئے
بس ''چند لمحے'' زندہ رہنے کا سوال!
''چند لمحے'' جن کا ماضی ہے نہ حال۔۔!!
آنکھ میں بجھتی ہُوئی اک مَوجِ نُور
تن پہ لپٹے چیتھڑوں کی سِلوٹوں میں
سانس لیتے واہمے!
دَم توڑتا احساس' لَو دیتا شعور!!

زندگی کے دو کنارے۔۔۔چار سُو!
اک طرف ہنگامۂ اہلِ ہوَس۔۔اِک سمت ''ھُوٗ''
کس قدر مہنگی ہیں ''باسی روٹیاں''
کتنی سستی ہے ''متاعِ آبرُو''
اے خُدائے ''کاخ و کو''

۳۰ اکتوبر ۱۹۹۵ء
ایک بجے شب
ہوٹل پی۔سی لاہور

سفر سے لَوٹ آیا ہوں

سفر سے لَوٹ آیا ہوں
مگر اَب کے
اگرچہ شہر میرا ہے
وُہی رستے وہی گلیاں، وہی مانوس چہرے ہیں
سبھی چہرے سبھی آنکھیں شناسا ہیں
سبھی ہونٹوں پہ اَب تک ایک جیسی مُسکراہٹ ہے
وہی شامیں اُنہی شاموں میں صبحوں کی
وہی مانوس آہٹ ہے
وہی کچّے مکاں جن کی مکیں میری محبت کا اثاثہ ہیں
وہی افلاس کی کچلی ہوئی سڑکیں
کہ جن میں بارشوں کے چند چھینٹے گر برس جائیں
تو ہفتوں دُھوپ کی حِدّت وہاں ٹھہرے ہوئے پانی میں
صبح و شام کرتی ہے!
(وہیں آرام کرتی ہے)

اگرچہ شہر میرا ہے
مگر میں اجنبی آنکھیں لیے
ہر سمت آوارہ فضا میں ڈھونڈتا ہوں
بے سبب اِک آشنا چہرہ
شناسا لب، مرے ہمراہ شب بھر بولتی آنکھیں

وہ آنکھیں جن کی ساری گفتگو

اب کے سفر میں چھوڑ آیا ہوں'

وہ ساری گفتگو جس کے سبھی حرفوں کے شیشے

رہگزر میں توڑ آیا ہوں

وہ آنکھیں چھوڑ آیا ہوں

مگر اُن میں بھری نیندیں مری نَس نَس میں ہنستی ہیں

مجھے اپنی طرف واپس بُلاتی ہیں'

کہ "لوٹ آؤ۔۔

تمھارے بعد اس "بستی" کی رَونق

بے چراغاں ہے"

اگرچہ شہر میرا ہے۔۔

مگر اَب کے تو۔۔

جیسے میرے چہرے پر تمھاری بولتی آنکھوں کی حیرانی

مجھے رُکنے نہیں دے گی'

مجھے خود اپنی مُدّت کے شناسا' دلنشیں چہرے

اچانک چھوڑنا ہوں گے'

تمھارے ساتھ پیاں جوڑنے کی سرسری ساعت سے ملنے تک

خود اپنے آپ سے جاناں

روابط توڑنے ہوں گے!

اگرچہ شہر میرا ہے!!

☆

آدمی جلتا دیا ہے اور بس!
سانس آوارہ ہَوا ہے اور بس!!

موت بے آفاق صدیوں کا سَفر
زندگی زنجیرپا ہے اور بس!!

نارَسائی ' اس قدر برہم نہ ہو
لَب پہ اِک حرفِ دُعا ہے اور بس!

اَور ۔ میں رُوٹھا ہوں اپنے آپ سے
اور ۔ تُو مجھ سے خَفا ہے اور بس!!

یا نگاہوں میں ہے رنگوں کا ہجوم
یا ترا بَندِ قُبا ہے' اور بَس!

اُس طرف طغیانیوں پر ہے چناب
اَس طرف کچّا گھڑا ہے اور بس!!

دِل مثالِ دشت بے نقش و نگار
اُس مُن تیرا نقشِ پا ہے اور بس!!

شامِ غم میں تیرے ہاتھوں کا خیال!
شعلۂ رنگِ حنا ہے اور بس!!

اُس کے میرے فاصلے محسنؔ نہ پُوچھ
رنگ سے خوشبو جُدا ہے اور بس!!

☆

ہے کِس کا عکس دِل کے قریں، چار سُو ہے کون؟
گردِ گُماں چھٹے تو کھُلے رُوبرُو ہے ۔۔ کون؟

کس کے بدن کی دُھوپ نے لہریں اُچال دیں؟
اے عکسِ ماہتاب تہِ آب جُو ہے کون؟

کیا جانے سَنگ بار ہوُا کُوئے یار کی
پیوند کِس قبا میں لگے، بے رفُو ہے کون؟

نوکِ سِناں پہ کیوں نہ سجے اپنی سرکشی
جُز شہر یار شہر میں اپنا عدُو ہے کون؟

اے مصلحت کی تیز ہوَا، جُز غریب شہر
اِس شہرِ ننگ و نام میں بے آبرو ہے کون؟

پلکوں پہ کون چُنتا ہے رُسوائیوں کی دُھول
رُسوا ہمارے ساتھ یہاں کوُ بکُو ہے کون؟

محسنؔ اَب اپنا آپ بھلایا ہے اس طرح
مجھ سے خُود اپنے عکس نے پُوچھا کہ ''تُو ہے کون؟''

دل دُکھتا ہے

جب زخم دہکنے والے ہوں
اور خوشبو کے پیغام ملیں
اور اپنے دریدہ دامن کے
جب چاک سلیں
دل دُکھتا ہے

جب آنکھیں خود سے خواب بُنیں
خوابوں میں بسرے چہروں کی
جب بھیڑ لگے
اس بھیڑ میں جب تُم کھو جاؤ
دل دُکھتا ہے

جب حبس بڑھے تنہائی کا
جب خواب جلیں، جب آنکھ بُجھے
تم یاد آؤ
دل دُکھتا ہے

☆

رہینِ خوف نہ وقفِ ہراس رہتا ہے
مگر یہ دل ہے کہ اکثر اُداس رہتا ہے

یہ سانولی سی فضائیں یہ بے چراغ نگر!
یہیں کہیں وہ ستارہ شناس رہتا ہے

اُسی کو اوڑھ کے سوتی ہے رات خود پہ مگر؛
وہ چاندنی کی طرح بے لباس رہتا ہے

میں کیا پڑھوں کوئی چہرہ کہ میری آنکھوں میں؛
ترے بدن کو کوئی اقتباس رہتا ہے

کہاں بھلائیے اُس کو کہ وہ بچھڑ کے سَدا
خیال بن کے مُحیط حواس رہتا ہے

بھٹک بھٹک کے اُسے ڈھونڈتے پھرو محسنؔ؛
وہ درمیان یقین و قیاس رہتا ہے!!

☆

اَبرْ برسا نہ ہَوا تیز چلی ہے اب کے
کتنی ویراں تری یادوں کی گلی ہے اب کے

صبح کی دُھوپ اُتر آئی مِرے بالوں میں
شب ڈھلی ہے کہ مری عُمر ڈھلی ہے اب کے

کیا کہوں کتنے بہانوں سے بھلایا ہے اُسے
یہ قیامت بڑی مشک سے ٹلی ہے اب کے

یہ کیا کہ تُہمتیں آتش فشاں کے سَر ائیں ؟
زمیں کو یوں بھی خزانہ کبھی اُگلنا تھا

میں لغزشوں سے اَٹے راستوں پہ چل نکلا
تجھے گنا کے مجھے پھر کہاں سنبھلنا تھا

اُسی کو صبحِ مسافت نے چور کر ڈالا
وہ آفتاب جسے دوپہر میں ڈھلنا تھا

عجب نصیب تھا محسنؔ کہ بعدِ مرگ مجھے
چراغ بن کے خود اپنی لحد پہ جلنا تھا

☆

دِن تو یُوں بھی لگے عذاب عذاب
خوفِ شبخوں سے شب کو خواب عذاب

اور کیا ہے متاعِ تشنہ لبی؟
دُھوپ، صحرا، تھکن، سراب، عذاب

کس کو چاہیں، کِسے بھلا ڈالیں؟
دوستی میں ہے انتخاب عذاب

حسرتِ دید کی جزا، ہجرت!
خواہشِ وصل کا ثواب، عذاب

کہیں تو سانس لے تھک کر ہجومِ آبلہ پائی،
کبھی تو حلوۂ گردِ سفر، منزل ٹھہر جائے

کوئی حرفِ ملامت ہو کہ زنجیرِ دُعا چھنکے؟
کسی آواز پر تو بے صدا سائل ٹھہر جائے

کہاں کے قیس تھے ہم بھی مگر اتنا غنیمت ہے
کہ دشتِ خواب میں اکثر ترا محمل ٹھہر جائے

بچھڑ کر بھی وہ چہرہ آنکھ سے ہٹتا نہیں محسنؔ
کہ جیسے جھیل میں عکسِ مہِ کامل ٹھہر جائے

☆

کہاں یہ بس میں کہ ہم خود کو حوصلہ دیتے
یہی بہت تھا کہ ہر غم پہ مسکرا دیتے

ہوا کی ڈور اُلجھتی جو اُنگلیوں سے کبھی
ہم آسماں پہ ترا نام تک سجا دیتے!

ہمارے عکس میں ہوتی جو زخمِ دِل کی جھلک
ہم آئینے کو بھی اپنی طرح رُلا دیتے!

ہم سادہ دِلوں نے دُشمنی سے
مفہوم تو دوستی لیا تھا

بُجھتی ہوئی رات سے بھی ہم نے
سرمائیہ روشنی لیا تھا

اَب اُس کو گنوا کے ڈھونڈتے ہیں
ہمراہ جِسے کبھی لیا تھا!

اُتری ہے وہی نگاہ دِل میں؛
ہم نے جسے سرسری لیا تھا

بازارِ وفا سے ہم نے محسنؔ
اِک زخم تو قیمتی لیا تھا

☆

ہم تو بیٹھے تھے رہگذار میں گُم
قافلے ہو گئے غُبار میں گُم

ایک پیماں شِکن سے کیا شکوہ؟
ہم رہے اپنے اعتبار میں گُم

جب تلک آئینہ مقابل تھا
اُس کی آنکھیں رہیں خُمار میں گُم

ہم سے مت پُوچھ کب رُتیں بدلیں
ہم رہے اُس کے انتظار میں گُم

پھر ترے پیرہن کی یاد آئی۔!
پھر ہُوئے ہم بھری بہار میں گُم!!

کیا خبر کب ہُوئی ہے یاد اُس کی
دل کے اُجڑے ہُوئے دیار میں گُم

کتنے یاروں کے کاروں محسنؔ!
ہو گئے گردِ روزگار میں گُم!!

☆

ہمارے بعد چلی رسم دوستی کہ نہیں؟
ہوا کی زد پہ کوئی شمع پھر جلی کہ نہیں

بچھڑ کے جب بھی ملے مجھ سے پوچھتا ہے وہ شخص
کہ ان دنوں کوئی تازہ غزل ہوئی کہ نہیں؟

سُنا ہے عام تھی کل شب کو چاند کی بخشش
بُجھے گھروں میں ابھی اُتری ہے چاندنی کہ نہیں؟

نکل کے جس سے ہوا اپنا درد آوارہ ۔۔!
کسی کے دل میں وہ محفل بھی پھر سجی کہ نہیں؟

وہ رہگذر جو اندھیروں میں سانس لیتی تھی!
تمہارے نقشِ قدم سے چمک اُٹھی کہ نہیں؟

دیارِ ہجر سے آئے ہو، کچھ کہو محسن!
کہ شامِ غم بھی کسی موڑ پر ملی کہ نہیں؟

ہوَا اُس سے کہنا

ہوَا!
صُبحدم اُس کی آہستہ آہستہ کھُلتی ہوُئی آنکھ سے
خواب کی سیپیاں چُننے جائے تو کہنا
کہ ہم جاگتے ہیں!

ہوَا اُس سے کہنا
کہ جو ہجر کی آگ پیتی رُتوں کی طنابیں
رگوں سے اُلجھتی ہوئی سانس کے ساتھ کس دیں
اُنہیں رات کے سُرمئی ہاتھ خیرات میں نیند کب دے سکے ہیں؟
ہوَا' اُس کے بازو پہ لکھّا ہوا کوئی تعویذ باندھے تو کہنا
کہ آوارگی اوڑھ کر سانس لیتے مسافر
تجھے کھوجتے کھوجتے تھک گئے ہیں'

ہوَا اُس سے کہنا
کہ ہم نے تجھے کھوجنے کی سبھی خواہشوں کو
اُداسی کی دیوار میں چُن دیا ہے

ہوَا اُس سے کہنا
کہ وحشی درندوں کی بستی کو جاتے ہوئے راستوں پر
ترے نقشِ پا۔۔۔دیکھ کر

ہم نے دِل میں ترے نام کے ہر طرف

اِک سیہ ماتمی حاشیہ بُن دیا ہے

ہوَا اُس سے کہنا

ہوَا کچھ نہ کہنا۔۔۔!

ہوَا کچھ نہ کہنا۔۔۔!!!

یہ عجیب فصلِ فراق ہے

یہ عجیب فصلِ فراق ہے!

کہ نہ لب یہ حرفِ طلب کوئی

نہ اداسیوں کا سبب کوئی

نہ ہجوم درد کے شوق میں۔!

کوئی زخم اَب کے ہَرا ہوا

نہ گماں بدست عدُو ہوُئے

نہ ملامتِ صفِ دوستاں

پہ یہ دل کسی سے خفا ہوُا

کوئی تار اپنے لباس کا

نہ ہوا نے ہم سے طلب کیا

سرِ رہگذار وفا بڑھی

نہ دیا جلانے کی آرزو

پئے چارۂ غمِ دوجہاں
نہ کوئی مسیح نہ چارہ گر
نہ کسی خیال کی جستجو
نہ خلش کسی کے وصال کی
نہ تھکن رہِ مہ و سال کی
نہ دماغِ رنجِ رُخِ بُتاں!
نہ تلاشِ لشکرِ ناصحاں!!

وہی ایک حال ہے ضبط کا
وہی ایک چال ہے دہر کی
وہی ایک رنگ ہے شوق کا
وہی ایک رسم ہے شہر کی
نہ نظر میں خوف ہے رات کا
نہ فضا میں دن کا ہراس ہے
پئے عرضِ حالِ سُخن وراں
وہی ہم سُخن ہے رفیقِ جاں
وہی ہم سُخن جسے دل کہیں
وہ تو یوُں بھی کب کا اُداس ہے

☆

شب کو جب کبھی میں نے اپنی جستجو کی ہے
بے صدا درختوں نے تیری گفتگو کی ہے

دل کی ضِد جو ٹھہری ہے اب تو اُس کو پانا ہے
فِکر زندگی چھوڑو٬ بات آبرو کی ہے!

پوچھ تیغِ قاتِل سے٬ مقتلوں کے میلے میں
ہم نے کس کو ڈھونڈا ہے٬ کس کی آرزو کی ہے؟

رات٬ دُور بیٹھی ہے اِک ضعیف ماں بن کر
ہر جوان لاشے پر اِک رِدا لہُو کی ہے!

جس کو زرد کر ڈالا دُھوپ کی سخاوت نے
شاید اُس کلی نے بھی خواہش نمُو کی ہے!

اے نمازیو ٹھہرو٬ دِل کو زخم سہنے دو
کچھ لہُو تو بہنے دو٬ یہ گھڑی وضُو کی ہے!

جس کو عُمر بھر پُوجا اب اُسے گنوا بیٹھے
ہم نے یہ بغاوت بھی اُس کے رُوبرُو کی ہے!

اپنا جُرم ثابت ہے٬ تم سزا سُنا دینا
سر کہیں سجا دینا٬ ہر سِناں عدُو کی ہے!

دیکھنا کہیں محسنؔ کچھ نشاں نہ پڑ جائے
عکس اُس کے چہرے کا، موج آبجُو کی ہے!

☆

تجھے اُداس بھی کرنا تھا خود بھی رونا تھا
یہ حادثہ بھی مری جاں کبھی تو ہونا تھا

نموٗ کا رنج نہ اَبرِ گریزپا سے مَلال!
کہ مجھ کو بانجھ زمینوں میں بیج بونا تھا

کیا کہ گردِ رَہِ رَفتگاں کو اوڑھ لیا
کفن کا داغ بدن کے لہوٗ سہ دھونا تھا

جو داستاں اُسے کہنا تھی پھر نہ گُفتہ رہیٔ
کہ میں بھی تھک سا گیا تھا، اُسے بھی سونا تھا

میں تختِ ابر پہ سویا تھا رات بھر محسنؔ
کھلی جو آنکھ تو صحرا مِرا بچھونا تھا

☆

ہم سے مت پوچھو راستے گھر کے
ہم مسافر ہیں زندگی بھر کے

کون سُورج کی آنکھ سے دن بھر
زخم گنتا ہے شب کی چادر کے

صُلح کر لی یہ سوچ کی میں نے
میرے دشمن نہ تھے برابر کے

خود سے خیمے جلادیئے میں نے
حوصلے دیکھنا تھے لشکر کے

یہ ستارے یہ ٹوٹتے موتی!
عکس ہیں میرے دیدۂ تر کے

گر جنوں مصلحت نہ اپنائے
سر سے رشتے بہت ہیں پتھر کے

ہم بھی چُنتے تھے سپیاں اکثر
ہم بھی مقروض ہیں سمندر کے

آنکھ کے گرد ماتمی حلقے
سائے جیسے جلے ہوئے گھر کے

دوستوں کی زباں تو کھُلنے دو
بھول جاؤ گے زخم خنجر کے

چاند بھی زرد پڑ گیا آخر
اُجڑے آنگن میں روشنی کر کے

آنکھ نم بھی کرو تو بس اتنی
رنگ پھیکے پڑیں نہ منظر کے

کجکلا ہوں سے لڑ گئے محسنؔ
ہم بھکاری حُسینؑ کے دَر کے

☆

لُٹتے کہاں کہ صاحبِ جاگیر ہم نہ تھے
نُورِ جہاں نہ تھی وہ، جہانگیر ہم نہ تھے

اپنی دُعا سے ماند نہ پڑتا کسی کا حُسن!
اِتنے بڑے تو صاحبِ تاثیر ہم نہ تھے

ملتا رہا وہ خواب میں کتنے خلوُص سے
آنکھیں کھلیں تو خواب کی تعبیر ہم نہ تھے

ہم کو نہ دے پیامِ رہائی ہوائے صبح۔!
وجہ خروشِ خانۂ زنجیر ہم نہ تھے

یا شامِ قتل ہم نے بجھایا نہ تھا چراغ!
یا وارثانِ جذبۂ شبیرؑ ہم نہ تھے

ہر دورِ بے صدا میں ہر اِک ظلم کے خلاف
ہم کو ہی بولنا تھا کہ تصویر ہم نہ تھے

سب اہلِ شہر پھر درِ دشمن پہ جھک گئے
محسنؔ کھُلا کہ شہر کی تقدیر ہم نہ تھے

☆

صُحبتِ یاد رفتگاں کب تک
دیکھئے گردِ کارواں کب تک؟

زخم آخر کو بھر ہی جائے گا
مرہمِ حرفِ مہرباں کب تک؟

تن پہ کب تک ہے خاک کا ملبوس
سر پہ محرابِ آسماں کب تک

آ ؤ خرمن کو خوُد جلا ڈالیں
منّت برقِ بے اماں کب تک

کوئی موسم تو کھُل کے اُترے بھی
دل کی بستی دُھواں دُھواں کب تک

وہ یقیں ہے تو مجھ پہ افشا ہو ۔۔!
میں رہوں خود سے بدگُماں کب تک

ہم جراحت سرشت کیا پوُچھیں؟
دست اعداً میں ہے کماں کب تک

درد جسموں کو چاٹ لیتے ہیں
زلزلوں سے بچیں مکاں کب تک

اب کسی کے تو ہو رہو محسؔن
دولتِ دل ہو رائیگاں کب تک

وہ شاخِ مہتاب کٹ چکی ہے

بہت دِنوں سے
وہ شاخِ مہتاب کٹ چکی ہے
کہ جس پہ تُم نے گرفتِ وعدہ کی ریشمی شال کے
ستارے سجا دیئے تھے

بہت دنوں سے
وہ گردِ احساس چھٹ چکی ہے
کہ جس کے ذرّوں پہ تُم نے
پلکوں کی جھالروں کے تمام نیلم لُٹا دیئے تھے!
اور اب تو یوُں ہے کہ جیسے
لب بستہ ہجرتوں کا ہر ایک لمحہ
طویل صدیوں کو اوڑھ کر سانس لے رہا ہے

اور اب تو یوں ہے کہ جیسے تُم نے
پہاڑ راتوں کو
میری اندھی اجاڑ آنکھوں میں
ریزہ ریزہ بسا دیا ہے

کہ جیسے میں نے
فِگار دِل کا ہُنر اثاثہ
کہیں چھپا کر بھُلا دیا ہے!
اور اَب تو یوں ہے کہ

اپنی آنکھوں پہ ہاتھ رکھ کر
مرے بدن پر سجے ہوئے آبلوں سے بہتا لہو نہ دیکھو
(مجھے کبھی سرخرو نہ دیکھو)

نہ میری یادوں کے جلتے بجھتے نشاں کُریدو!
نہ میرے مقتل کی خاک دیکھو

اور اب تو یوں ہے کہ
اپنی آنکھوں کے خواب
اپنے دریدہ دامن کے چاک دیکھو!
کہ گردِ احساس چھَٹ چُکی ہے
کہ شاخِ مہتاب کٹ چُکی ہے!!

اب سو جاؤ

کیوں رات کی ریت پہ بکھرے ہوئے
تاروں کے کنکر چُنتی ہو؟
کیوں سنّاٹے کی سلوٹ میں
لپٹی آوازیں سنتی ہو؟
کیوں اپنی پیاسی پلکوں کی جھالر میں
خواب پروتی ہو؟
کیوں روتی ہو؟

اب کون تمہاری آنکھوں میں

صدیوں کی نیند اُنڈیلے گا؟

اَب کون تمہاری چاہت کی

ہریالی میں کھُل کھیلے گا؟

اَب کون تمہاری تنہائی کا

اَن دیکھا دُکھ جھیلے گا؟

اَب ایسا ہے۔۔۔!

یہ رات مسلّط ہے جب تک

یہ شمعیں جب تک جلتی ہیں

یہ زخم جہاں تک چبھتے ہیں

یہ سانسیں جب تک چلتی ہی

تم اپنی سوچ کے جنگل میں رَہ بھٹکو اور پھر کھو جاؤ۔۔!!

اب سو جاؤ۔۔۔!!

☆

بھڑکائیں میری پیاس کو اکثر تیری آنکھیں

صحرا مِرا چہرہ ہے سمندر تیری آنکھیں

پھر کون بھلا دادِ تبسّم اُنہیں دے گا

روئیں گی بہت مجھ سے بچھڑ کر تیری آنکھیں

خالی جو ہوئی شامِ غریباں کی ہتھیلی
کیا کیا نہ لُٹاتی رہیں گوہر تیری آنکھیں

بوجھل نظر آتی ہیں بظاہر مجھے لیکن
کھلتی ہیں بہت دِل میں اُتر کر تیری آنکھیں

اب تک میری یادوں سے مٹائے نہیں مٹتا
بھیگی ہوئی اِک شام کا منظر، تیری آنکھیں

ممکن ہو تو اِک تازہ غزل اور بھی کہہ لوں،
پھر اَوڑھ نہ لیں خواب کی چادر، تیری آنکھیں

میں سنگ صِفت ایک ہی رستے میں کھڑا ہوں
شاید مجھے دیکھیں گی پلٹ کر تیری آنکھیں

یوں دیکھتے رہنا اُسے اچھا نہیں محسنؔ
وہ کانچ کا پیکر ہے تو پتّھر، تیری آنکھیں

☆

گنو نہ زخم نہ دِل سے اَذّیتیں پوچھو
جو ہو سکے تو حریفوں کی نیتیں پوچھو

ہوا کی سَمت نہ دیکھو' اُسے تو آنا ہے
چراغِ آخر شب سے وصیتیں پوچھو

اُجڑ چکے ہو تو اب خُود پہ سوچنا کیسا؟
کہا تھا کس نے کہ اُس کی مشیتیں پوچھو

سناں پہ سج گئے لیکن جھکے نہ سر اپنے
ستمگروں سے ہماری حمیتیں پوچھو

ہزار زخم سہو پھر بھی چُپ رہو محسؔن
نہیں ضُرور کہ یاروں کی نیتیں پوچھو

☆

ہجر کی شام دھیان میں رکھنا
اک دیا بھی مکان میں رکھنا

آئینے بیچنے کو آئے ہو!
چند پتّھر دُکان میں رکھنا

اَے زمیں حشر میں بھی ماں کی طرح
مجھ کو اپنی اَمان میں رکھنا

تیر پلٹے تو دِل نہ زخمی ہو ۔۔!
یہ ہنر بھی کمان میں رکھنا

ایک دُنیا یقیں سے روشن ہو
ایک عالم گُمان میں رکھنا

خود پہ جب بھی غزل سنو مجھ سے
آئینہ درمیان میں رکھنا

دل سے نکلے نہ یاد قاتل کی؛
یہ شکاری مچان میں رکھنا

جب زمیں کی فضا نہ راس آئے
آسماں کو اُڑان میں رکھنا

مرثیہ جب لکھو بہاروں کا
زخم کوئی زبان میں رکھنا

خود بھی وہموں کے جال میں رہنا
اُس کو بھی امتحان میں رکھنا

اِتنی رُسوائیاں بھی کیا محسنؔ؟
کچھ بھرم تو جہان میں رکھنا

☆

جب بھی دُہرائے فسانے دل کے
جاگ اُٹھے زخم پُرانے دل کے

ہم سے ملنا ہے تو گُھل مِل کیملو
بیت جائیں نہ زمانے دل کے

اُس سے مِل کر بھی نہ ملنا اُس سے
یاد آتے ہی بہانے دل کے

مسکراتی ہوئی آنکھوں والے
لوُٹ لیتے ہیں خزانے دل کے

ہم نے کب اُس کو نہ چاہا محسنؔ؟
ہم نے کب قول نہ مانے دل کے!!

☆

کب تلک اپنی تپش میں آپ جلنا ہے تجھے
دوپہر کی دُھوپ تُو، آخر کو ڈھلنا ہے تجھے

سانس، چُھبتی کرچیوں کا بے نہایت راستہ
اور اس پر زندگی بھر تیز چلنا ہے تجھے

تجھ سے پیاں باندھتا تھا اور یہ سوچا نہ تھا
اپنی آنکھوں کی طرح ہر پل بدلنا ہے تجھے!

رنگ مہندی کے ہوں یا تتلی کے، اَوروں کے نصیب
ہاتھ کی پھیکی لکیروں سے بہلنا ہے تجھے

رات بھر کی بات ہے، خود کو تمازت سے بچا
دِن چڑھے پھر برف کی صورت پگھلنا ہے تجھے

خیروشر میں فیصلے کا وقت ہے، ترکش سنبھال
اپنے لشکر سے مثالِ حُر، نکلنا ہے تجھے

ریشمی رِشتوں سے محسنؔ اتنا بے پَروا نہ ہو
لغزشوں کی بھیڑ میں آخر سنبھلنا ہے تجھے

وہ لمحہ کیسا لمحہ تھا؟

وہ لمحہ کیسا لمحہ تھا؟
جب اُس کی بنجر آنکھوں میں
خوابوں کی گیلی قبروں پر
سکھیوں نے راکھ بکھیری تھی

وہ لمحہ کیسا لمحہ تھا؟
جب اُس کے بکھرے بالوں میں
بستی کے نیک عزیزوں نے
نمناک لبوں سے چھڑکا تھا
سیندور اُداس دُعاؤں کا

وہ لمحہ کیسا لمحہ تھا؟
جب اُس کے اُجلے ہاتھوں میں
اِک جال بُنا محرومی کا
مہندی کی زرد لکیروں نے
جب اُس کے کُندن ماتھے پر
جھومر کا رُوپ رچایا تھا
بے قیمت ضبط کے ہیروں نے

وہ لمحہ کیسا لمحہ تھا؟
جب اُس کی آنکھیں پوُچھتی تھیں
یہ کون قیامت آئی ہے؟

بارات میں شامل چہروں میں
احساس کے قاتل کتنے ہیں؟
اور کون کسی کا بھائی ہے؟
کیوں سانسیں رُکتی جاتی ہیں
کیوں نبضیں تیز دھڑکتی ہیں
یہ کون قیامت آئی ہے؟
یہ درد شعائیں دیتا ہے
چیخیں ہیں مرتے خوابوں کی
یا دُور۔۔۔کوئی شہنائی ہے؟

وہ لمحہ کیسا لمحہ تھا؟
جب اس کی آنکھیں پوچھتی تھیں
وہ لوگ بھی کتنے اچھّے تھے!
جو اپنی چاندسی بیٹی کو
سانسوں کی اُجلی چادر میں
لپٹا کر خود دفنا دیتے
پھر اس کی یاد بھلا دیتے

وہ پوچھتی تھی سب سکھیوں سے
وہ لوگ کہاں آباد ہیں اب؟
جو وقت کا شجرہ لکھتے تھے
اور شجرہ ایسی نسلوں کا
جو اندھی آنکھ میں خوابوں کی
تعبیر سجایا کرتی تھیں۔۔۔
پھر ہنستے ہنستے کہتی تھی!

وہ لوگ کسی کو یاد نہیں

وہ لوگ کہیں آباد نہیں

وہ لمحہ کیسا لمحہ تھا؟

جب اس کے سُندر چہرے پر

زرداب رُتوں کی تنہائی

بکھری تو غازہ لگتی تھی!

وہ لمحہ کیسا لمحہ تھا؟

جب سیج جنازہ لگتی تھی!!

اَب اُس کے سُونے آنگن میں

مرُجھائی ہوُئی کچھ بیلوں کو

اک تتلی چومنے آتی ہے۔۔۔

اَب اُس کے خالی کمرے میں

بکھرے ہوئے سوُکھے پھولوں کو

پاگل وحشی، مُنہ زور ہَوا!

بے وجہ اُڑا لے جاتی ہے

اور اُس کی سکھیاں سوچتی ہیں

جیسے کُہسار کے سینے میں

اک قیمتی چیز گنوا آئیں

اک میّت کو دفنا آئیں

وہ لمحہ کیسا لمحہ تھا؟

اگر تم آئنہ دیکھو

اگر تُم آئنہ دیکھو
تو اپنے آپ سے نظریں چُرا لینا
کہ اکثر بے وفا لوگوں کو
جب وہ آئنہ دیکھیں تو
آنکھیں چور لگتی ہیں

یہ پچھلے عشق کی باتیں ہیں

یہ پچھلے عشق کی باتیں ہیں

جب آنکھ میں خواب دمکتے تھے
جب دِل میں داغ چمکتے تھے
جب پلکیں شہر کے رستوں میں
اشکوں کا نُور لُٹاتی تھیں
جب سانسیں اُجلے چہروں کی
تن من میں پھُول سجاتی تھیں
جب چاند کی رِم جھِم کرنوں سے

سوچوں میں بھنور پڑ جاتے تھے
جب ایک تلاطم رہتا تھا۔!
اپنے بے انت خیالوں میں
ہر عہد نبھانے کی قسمیں
خطؔ خون سے لکھنے کی رسمیں
جب عام تھیں ہم دل والوں میں
اب اپنے پھیکے ہونٹوں پر
کچھ جلتے بجھتے لفظوں کے
یاقُوت پگھلتے رہتے ہیں

اَب اپنی گُم سُم آنکھوں میں
کچھ دھول ہے بکھری یادوں کی
کچھ گرد آلود سے موسم ہیں
اَب دُھوپ اُگلتی سوچوں میں
کچھ پیاں جلتے رہتے ہیں
اب اپنے ویراں آنگن میں
جتنی صُبحوں کی چاندی ہے
جتنی شاموں کا سونا ہے
اُس کو خاکستر ہونا ہے

اب یہ باتیں رہنے دیجے
جس عُمر میں قصّے بُنتے تھے
اُس عُمر کا غم سہنے دیجے
اَب اپنی اُجڑی آنکھوں میں
جتنی روشن سی راتیں ہیں

اُس عمر کی سب سوغاتیں ہیں

جس عُمر کے خواب خیال ہوئے
وہ پچھلی عمر تھی بیت گئی
وہ عمر بتائے سال ہوئے
اَب اپنی دید کے رستے میں
کچھ رنگ ہے گزرے لمحوں کا
کچھ اشکوں کی باراتیں ہیں
کچھ بھولے بسرے چہرے ہیں
کچھ یادوں کی برساتیں ہیں

یہ پچھلے عشق کی باتیں ہیں!

☆

ذکرِ شبِ فراق سے وحشت اُسے بھی تھی
میری طرح کسی سے محبت اُسے بھی تھی

مجھ کو بھی شوق تھا نئے چہروں کی دِید کا
رستہ بدل کے چلنے کی عادت اُسے بھی تھی

اُس رات دیر تک وہ رہا محوِ گفتگو!
مصروف میں بھی کم تھا فراغت اُسے بھی تھی

مجھ سے بچھڑ کے شہر میں گُھل مل گیا وہ شخص
حالانکہ شہر بھر سے عداوت اُسے بھی تھی

وہ مجھ سے بڑھ کے ضبط کا عادی تھا' جی گیا
ورنہ ہر ایک سانس قیامت اُسے بھی تھی

سنتا تھا وہ بھی سب سے پُرانی کہانیاں!
شاید رفاقتوں کی ضرورت اُسے بھی تھی

تنہا ہوا سفر میں تو مجھ پر کھلا یہ بھید
سائے سے پیار دُھوپ سے نفرت اُسے بھی تھی

محسنؔ میں اُس سے کہہ نہ سکا یوں بھی حالِ دل
درپیش ایک تازہ مصیبت اُسے بھی تھی

☆

بھری بہار میں اب کے عجیب پھول کھلے؟
نہ اپنے زخم ہی مہکے نہ دِل کے چاک سِلے

کہاں تلک کوئی ڈھونڈے مسافروں کا سُراغ؟
بچھڑنے والوں کا کیا ہے' ملے ملے نہ ملے!!

عجیب قحط کا موسم تھا اب کے بستی میں
کئے ہیں بانجھ زمینوں سے بارشوں نے گِلے

یہ حادثہ سرِ ساحل رُلا گیا سب کو!
بھنور میں ڈوبنے والوں کے ہاتھ بھی نہ ہلے

سِناں کی نوک کبھی شاخِ دار پر محسن
سخنوروں کو ملے ہیں مُشقتوں کے صِلے!!

☆

کھنڈر آنکھوں میں غم آباد کرنا
کبھی فرصت ملے تو یاد کرنا

اذّیت کی ہوَس بجھنے لگی ہے
کوئی تازہ سِتم ایجاد کرنا

کئی صدیاں پگھلنے کا عمل ہے
بدن سے روُح کو آزاد کرنا

ابھی کیسی پرستش بجلیوں کی؟
ابھی گھر کس لیے برباد کرنا!

تمہارا جھوٹ، سچ سے معتبر ہے،
مرے حق میں بھی کچھ اِرشاد کرنا

عجب ہے دُھوپ چھاؤں ہجرتوں کی
کبھی ہنسنا کبھی فریاد کرنا

جہنّم جھیلنے سے بھی ۔ کٹھن ہے
اَنا کو خُوگرِ بیداد ۔ کرنا،

کبھی پتّھر سے سر ٹکرا کے محسؔن
ادا قرض سرِ فرہاد کرنا

☆

شکستہ آئینوں کی کرچیاں اچھی نہیں لگتیں
مجھے وعدوں کی خالی سیپیاں اچھی نہیں لگتیں

گزشتہ رُت کے رنگوں کا اثر دیکھو کہ اب مجھ کو
کھلے آنگن میں اُڑتی تتلیاں اچھی نہیں لگتیں

وہ کیا اجڑا نگر تھا جس کی چاہت کے سبب اب تک
ہری بیلوں سے اُلجھی ٹہنیاں اچھی نہیں لگتیں

دبے پاؤں ہوا جن کے چراغوں سے بہلتی ہو!
مجھے ایسے گھروں کی کھڑکیاں اچھی نہیں لگتیں

بھلے لگتے ہیں طوفانوں سے لڑتے بادباں مجھ کو
ہوا کے رخ پہ چلتی کشتیاں اچھی نہیں لگتیں

یہ کہہ کر آج اُس سے بھی تعلق توڑ آیا ہوں!
مری جاں! مجھ کو ضِدّی لڑکیاں اچھی نہیں لگتیں

کسی گھر میں رسن بستہ رہیں جو رات دن محسنؔ
مجھے اکثر وہ سہمی ہرنیاں اچھی نہیں لگتیں

☆

اُس کی چاہت کا بھرم کیا رکھنا؟
دشتِ ہجراں میں قدم کیا رکھنا؟

اپنے جیسا کوئی مِلتا ہی نہیں!
آنکھ میں دولتِ غم کیا رکھنا

بات چُپ رہ کے بھی ہو سکتی ہے
پاسِ قرطاس و قلم کیا رکھنا؟

آؤ کشکول کو نیلام کریں
قرضِ اربابِ کرم کیا رکھنا؟

فکرِ آرائشِ مقتل میں رہو!
مہر و میزانِ علَم کیا رکھنا؟

اُس کی یادوں کو غنیمت جانو!
اس تعلّق کو تو کم کیا رکھنا؟

ہنس بھی لینا کبھی خود پر محسنؔ
ہر گھڑی آنکھ کو نَم کیا رکھنا؟

اُس سَمت نہ جانا جان مِری!

اُس سَمت نہ جانا جان مِری!
اُس سَمت کی ساری روشنیاں
آنکھوں کو بجُھا کر جلتی ہیں!
اُس سَمت کی اُجلی مٹّی میں
ناگن آشائیں پلتی ہیں!
اُس سَمت کی صُبحیں شام تلک
ہونٹوں سے زہر اُگلتی ہیں
اُس سَمت نہ جانا جان مری!
اُس سَمت کے آنگن مقتل ہیں

اُس سَمت دہکتی گلیوں میں
زہریلی باس کا جادو ہے
اُس سَمت مہکتی کلیوں میں
کافور کی قاتل خوشبُو ہے
اُس سَمت کی ہر دہلیز تلے
شمشان ہے جلتے جسموں کا
اُس سَمت فضا پر سایہ ہے
بے معنیٰ، مُبہم اِسموں کا!
اُس سَمت نہ جانا جان مِری

اُس سَمت کی ساری پھلجھڑیاں
بارُود کی تال میں ڈھلتی ہیں
اُس سَمت کے پتھر رستوں میں

مُنہ زور ہوَائیں چلتی ہیں!
اُس سَمت کی ساری روشنیاں
آنکھوں کو بُجھا کر جلتی ہیں

اُس سَمت کے وہموں میں گھِر کر
کھو بیٹھو گی پہچان مری!
اُس سَمت نہ جانا جان مری!

چلو چھوڑو ۰۰۰۰۰!

چلو چھوڑو!

محبت جھوٹ ہے

عہدِ وفا اِک شغل ہے بے کار لوگوں کا

''طَلَب'' سوکھے ہوئے پتّوں کا بے رونق جزیرہ ہے

'' خلش '' دیمک زدہ اوراق پر بوسیدہ سطروں کا ذخیرہ ہے

'' خُمارِ وصل '' تپتی دھوپ کے سینے پہ اُڑتے بادلوں کی رائیگاں بخشش!

'' غبارِ ہجر '' صحرا میں سَرابوں سے اَٹے موسم کا خمیازہ!!

چلو چھوڑو!

کہ اب تک میں اندھیروں کی دھمک میں سانس کی ضربوں پہ

چاہت کی بنا رکھ کر سفر کرتا رہا ہوں گا

مجھے احساس ہی کب تھا

کہ تُم بھی موسموں کے ساتھ اپنے پیرہن کے

رنگ بدلو گی!

چلو چھوڑو!

وہ سارے خواب کچّی بھُربھُری مٹی کے بے قیمت گھروندے تھے

وہ سارے ذائقے میری زباں پر زخم بن کر جم گئے ہوں گے

تمہارے اُنگلیوں کی نرم پوریں پتھروں پر نام لکھتی تھیں مِرا' لیکن

تمہاری اُنگلیاں تو عادتاً یہ جُرم کرتی تھیں۔۔۔!

چلو چھوڑو!

سفر میں اجنبی لوگوں سے ایسے حادثے سرزد ہوا کرتے ہیں

۔۔صدیوں سے

چلو چھوڑو!

مرا ہونا نہ ہونا اِک برابر ہے

تم اپنے خال وخد کو آئینے میں پھر نکھرنے دو
تم اپنی آنکھ کی بستی میں پھر سے اِک نیا موسم اُترنے دو!
''مرے خوابوں کو مرنے دو ''
نئی تصویر دیکھو
پھر نیا مکتوب لکھّو
پھر نئے موسم نئے لفظوں سے اپنا سلسلہ جوڑو
مرے ماضی کی چاہت رائیگاں سمجھو
مری یادوں سے کچّے رابطے توڑو۔۔
چلو چھوڑو۔۔!!
محبت جھوٹ ہے
عہدِ وفا اِک شُغل ہے بے کار لوگوں کا

☆

عذابِ دید میں آنکھیں لہُو لہُو کر کے
میں شرمسار ہُوا تیری جستجُو کر کے

کھنڈر کی تہہ سے بریدہ بدن سروں کے سوا
مِلا نہ کچھ بھی خزانوں کی آرزو کر کے

سُنا ہے شہر میں زخمی دلوں کا میلہ ہے
چلیں گے ہم بھی مگر پیرہن رفو کر کے

مسافتِ شب ہجراں کے بعد بھید کھُلا!
ہوا دُکھی ہے، چراغوں کی آبرو کر کے

زمیں کی پیاس اُسی کے لہُو کو چاٹ گئی
وہ خوش ہوا تھا سمندر کو آبجُو کر کے

یہ کس نے ہم سے لہُو کا خراج پھر مانگا؟
ابھی تو سوئے تھے مقتل کو سُرخرو کر کے

جلوُسِ اہلِ وفا کِس کے دَر پہ پہنچا ہے؟
نشانِ طوقِ وفا زینتِ گلو کر کے،

اُجاڑ رُت کو گلابی بنائے رکھتی ہے
ہماری آنکھ تری دید سے وضو کر کے

کوئی تو حبسِ ہوَا سے یہ پوچھتا محسنؔ
مِلا ہے کیا اُسے کلیوں کو بے نمو کر کے

☆

روشن کیئے جو سل نے کبھی دن ڈھلے چراغ
اپنے اُجاڑ گھر میں لگے کیا بھلے چراغ!

شاید مرا وجود ہی سُورج تھا شہر میں
میں بُجھ گیا تو کتنے گھروں میں جلے چراغ!!

دریا کی تہہ میں کتنے ستاروں کا عکس تھا
پانی کے ساتھ ساتھ کہاں تک چلے چراغ

اے صُبح کی شریر کرن ان کا احترام!
طے کر گئے ہیں شب کے سبھی مرحلے چراغ

کیونکر نہ ہم بُجھیں تجھے مل کر کہ بزم میں؛
سورج ترا بدن ہے تو ہم دل جلے چراغ

محسنؔ وہ ڈھونڈتا تھا کِسے پچھلی رات کو؟
آنکھیں ہوا کی زد میں تھیں، دامن تلے چراغ

☆

جب تری دُھن میں جِیا کرتے تھے
ہم بھی چُپ چاپ پھِرا کرتے تھے

آنکھ میں پیاس ہوُا کرتی تھی۔!
دِل میں طُوفان اُٹھا کرتے تھے

لوگ آتے تھے غزل سُننے کو
ہم تری بات کیا کرتے تھے

سچ سمجھتے تھے ترے وعدوں کو
رات دِن گھر مین رہا کرتے تھے

کسی ویرانے میں تجھ سے مِل کر
دِل میں کیا پھول کھلا کرتے تھے

گھر کی دیوار سجانے کے لیے
ہم ترا نام لکھا کرتے تھے

وہ بھی کیا دِن تھے بھُلا کر تجھ کو
ہم تجھے یاد کیا کرتے تھے

جب ترے درد میں دِل دُکھتا تھا
ہم ترے حق میں دُعا کرتے تھے

بجھنے لگتا تھا جو چہرہ تیرا
داغ سینے میں جَلا کرتے تھے

اپنے جذبوں کی کمندوں سے تجھے
ہم بھی تسخیر کیا کرتے تھے

اپنے آنسو بھی ستاروں کی طرح

تیرے ہونٹوں پہ سجا کرتے تھے

چھیڑتا تھا غمِ دُنیا جب بھی!
ہم ترے غم سے گِلا کرتے تھے

کل تجھے دیکھ کے یاد آیا ہے،
ہم سُخنور بھی ہُوا کرتے تھے

☆

شاید اُسے ملے گی لب بام چاندنی
اُتری ہے شہر میں جو سرِ شام چاندنی

مجھ سے اُلجھ پڑے نہ کڑی دوپہر کہیں؟
میں نے رکھا غزل میں ترا نام "چاندنی"

میں مثلِ نقشِ پا، مرا آغاز دُھول دُھول
تو چاند کی طرح، ترا انجام -- چاندنی

جن وادیوں کے لوگ لُٹے، گھر اُجڑ چکے
اُن وادیوں میں کیا ہے ترا کام چاندنی؟

اُن کے لیے تھی صورتِ اعزز ہر کرن
اپنے لیے ہے باعثِ الزام چاندنی

چنتی ہیں میرے اشک رُتوں کی بھکارنیں
محسنؔ لُٹا رہا ہوں سرِ عام چاندنی

☆

بچھڑ کے مجھ سے یہ مشغلہ اختیار کرنا
ہوَا سے ڈرنا بُجھے چراغوں سے پیار کرنا

کھُلی زمینوں میں جب بھی سرسوں کے پھُول مہکیں
تم ایسی رُت میں سَدا مِرا انتظار کرنا

جو لوگ چاہیں تو پھر تُمھیں یاد بھی نہ آئیں
کبھی کبھی تُم مجھے بھی اُن میں شُمار کرنا!

کسی کو الزامِ بے وفائی کبھی نہ دینا
مری طرح اپنے آپ کو سوگوار کرنا

تمام وعدے کہاں تلک یاد رکھ سکو گے؟
جو بھول جائیں وہ عہد بھی استوار کرنا

یہ کس کی آنکھوں نے بادلوں کو سکھا دیا ہے
کہ سینئہ سنگ سے رواں آبشار کرنا

میں زندگی سے نہ کھُل سکا اس لیے بھی محسنؔ
کہ بہتے پانی پہ کب تلک اعتبار کرنا

آج بھی شام اُداس رہی

آج بھی تپتی دُھوپ کا صحرا
تیرے نرم لبوں کی شبنم
تیری بکھری بکھری زُلف کے
سائے سے۔۔محروم رہا
آج بھی پتھر ہجر کا لمحہ
صدیوں سے بے خواب رُتوں کی
آنکھوں کا مقسُوم رہا
آج بھی اپنے وصل کا تارا
راکھ اُڑاتی۔۔شوخ شفق کی
منزل سے۔۔معدُوم رہا
آج بھی شہر میں پاگل دِل کو
تیری دید کی آس رہی
مدّت کی گُم سم تنہائی
آج بھی میرے پاس رہی
آج بھی شام اُداس رہی!!

بہت دنوں بعد

بہت دِنوں بعد
تیرے خط کے اُداس لفظوں نے
تیری چاہت کے ذائقوں کی تمام خوشبوُ
مِری رگوں میں اُنڈیل دی ہے
بہت دِنوں بعد
تیری باتیں
تری ملاقات کی دھنک سے دہکتی راتیں
اُجاڑ آنکھوں کے پیاس پاتال کی تہوں میں
وصال وعدوں کی چاند چنگاریوں کو سانسوں کی آنچ دے کر
شریر شعلوں کی سرکشی کے تمام تیور
سِکھا گئی ہیں
ترے مہکتے مہین لفظوں کی آبشاریں
بہت دنوں بعد پھر سے
مجھ کو رُلا گئی ہیں
بہت دنوں بعد
میں نے سوچا تو یاد آیا
کہ میرے اندر کی راکھ کے ڈھیر پر ابھی تک
ترے زمانے لکھے ہوئے ہیں
سبھی فسانے لکھے ہوئے ہیں
بہت دنوں بعد
میں نے سوچا تو یاد آیا
کہ تیری یادوں کی کرچیاں

مجھ سے کھو گئی ہیں
ترے بدن کی تمام خوشبو
بکھر گئی ہے
ترے زمانے کی چاہتیں
سب نشانیاں
سب شرارتیں
سب حکائتیں، سب شکائتیں جو کبھی ہُنر میں
خیال تھیں، خواب ہو گئی ہیں
بہت دنوں بعد
میں نے سوچا تو یاد آیا
کہ میں بھی کتنا بدل گیا ہوں
بچھڑ کے تجھ سے
کئی لکیروں میں ڈھل گیا ہوں
میں اپنے سگرٹ کے بے ارادہ دُھویں کی صُورت
ہوا میں تحلیل ہو گیا ہوں
نہ ڈُھونڈ میری وفا کے نقشِ قدم کے ریزے
کہ میں تو تیری تلاش کے بے کنار صحرا میں
وہم کے بے اماں بگولوں کے وار سہہ کر
اُداس رہ کر
نجانے کس رَہ میں کھو گیا ہوں؟
بچھڑ کے تُجھ سے تری طرح کیا بتاؤں میں بھی،
نہ جانے کس کس کا ہو گیا ہوں؟

بہت دنوں بعد
میں نے سوچا۔۔۔تو یاد آیا!!

☆

جانے اب کس دیس ملیں گے اُونچی ذاتوں والے لوگ؟
نیک نگاہوں، سچّے جذبوں کی سوغاتوں والے لوگ

پیاس کے صحراؤں میں دُھوپ پہن کر چلتے بنجارو۔!
پلکوں اوٹ تلاش کرو، بوجھل برساتوں والے لوگ

وقت کی اُڑتی دُھول میں اپنے نقش گنوائے پھرتے ہیں
رِم جھِم صبحوں، روشن شاموں، ریشم راتوں والے لوگ

ایک بھکارن ڈھونڈ رہی تھی رات کو جھوٹے چہروں میں
اُجلے لفظوں، سچّی باتوں کی خیراتوں والے لوگ

آنے والی روگ رُتوں کا پُرسہ دیں ہر لڑکی کو ۔۔!
شہنائی کا درد سمجھ لیں گر باراتوں والے لوگ

پتھر کُوٹنے والوں کو بھی شیشے جیسی سانس مِلے!!
محسنؔ روز دُعائیں مانگیں زخمی ہاتوں والے لوگ

☆

آج گُم صُم ہے جو برباد جزیروں جیسی
اُس کی آنکھوں میں چمکی تھی کبھی ہیروں جیسی

کتنے مغرور پہاڑوں کے بدن چاک ہوئے
تیز کرنوں کی جو بارش ہوئی تیروں جیسی

جس کی یادوں سے خیالوں کے خزانے دہکے
اُس کی صورت بھی لگی آج فقیروں جیسی

چاہتیں لب پہ مچلتی ہوئی لڑکی کی طرح
حسرتیں آنکھ میں، زنداں کے اسیروں جیسی

ہم انا مست، تہی دست بہت ہیں محسنؔ
یہ الگ بات کہ عادت ہے امیروں جیسی

☆

آئینے پر کبھی کتاب میں ہیں!
اُس کی آنکھیں عجب عذاب میں ہیں

تھکتے پھرتے ہیں دُھوپ میں بچّے!
تتلیاں سایۂ گلاب میں ہیں

ایک کچّے گھڑے کی جُرأت پر
کتنی طغیانیاں چناب میں ہیں

وہ ابھی تک ہے رُوبرو اپنے
ہم ابھی تک حصارِ خواب میں ہیں

اُس کی عادت ہے رُوٹھنا محسنؔ
لوگ بے وجہ اضطراب میں ہیں

☆

بَسا ہُوا تھا جو سینے میں آرزو کی طرح
رگوں میں گُونج رہا ہے وہ اَب لہُو کی طرح

میں اُس کے دل میں چُھپی خواہشیں بھی جان گیا
کُھلا وہ مجھ سے گریبانِ بے رفُو کی طرح

کوئی نظر بھی اُٹھے اُس پہ دل دھڑک جائے
میں اُس سے پیار کروں اپنی آبرو کی طرح

بہت دنوں میں جو دیکھا اُسے تو کیا کہیئے!
لگی ہے اس کی خموشی بھی گفتگو کی طرح

مجھے جُدا نہ سمجھنا چمن سے اہل چمن!
میں رائیگاں ہی سہی ' شاخِ بے نمو کی طرح

غمِ جہاں تھا کہ مُحسؔن اُجاڑ موسم تھا
سمٹ گیا وہ سمندر بھی آبجُو کی طرح

☆

زندگی جب بھٹک گئی ہو گی
تا بہ حدِّ فلک گئی ہو گی

راکھ کے ڈھیر میں دُھواں کیسا؟
آگ پھر سے بھڑک گئی ہو گی

موت کا ساتھ چھوڑنے کے لیے
زندگی دُور تک گئی ہو گی

بَرق گرنے سے گھر کے جلنے تک
ساری بستی چمک گئی ہو گی

وہ چُنَریا پہن کے پھرتی ہے
گاؤں میں فصل پک گئی ہو گی

دل کو جینے کا ڈھب تو آتا تھا
دل کی دھڑکن ہی تھک گئی ہو گی

آبلہ پا جدھر گئے ہوں گے
راہ پھولوں سے ڈھک گئی ہو گی

اُس کے قدموں کی چاپ سے محسنؔ
دل کی دھرتی دھڑک گئی ہو گی

میری پرستش نہ کر

میں تو کہتا تھا

میری پرستش نہ کر!!

میری عُریاں ہتھیلی پہ پلکوں کے اندر چھُپی خواہشوں کے ستارے

نہ چُن

میری قسموں میں لپٹے ہوئے وصل وعدوں سے

اپنی حَسین ریشمی چاہتوں کے کنارے نہ بُن'

میرے لفظوں پہ مَت جا

کہ نامُعتبر لفظ فصلِ خزاں کی ہوا میں بکھرتے ہوئے زرد پتّوں

کی آواز ہیں

میرے پاؤں کے تلوؤں پہ یاقوت و مرجاں سے ہونٹوں

کے موتی نچھاور نہ کر

میں تو کہتا تھا

جذبوں کی مُنہ زور آندھی کے رستے میں اتنے دیے مت جَلا

اپنی خواہش کے تپتے ہوئے دشت میں

بے جہت رقص کرتے بگولوں کی خالی ہتھیلی پہ

شفّاف خوابوں کے ریشم میں لپٹے ہوئے جگنوؤں کے

گُہر مت سجا

مت سَجا سازشی سوُرجوں کے مقابل سُخن آئینے'

میں تو کہتا تھا

چاہت کی ساری لکیریں

سبھی ذائقے

سب رُتیں

دُھوپ چھاؤں کے اندھے اَدُھورے سفر سے اُبھرتی ہُوئی
گرد کی تہہ میں پوشیدہ منظر کے
بنتے بگڑتے خدو خال کا
استعارہ سمجھ
گردشِ روز و شب کا اشارہ سمجھ
دیکھ۔اپنی جوانی کی جلتی ہوئی دوپہر میں کوئی خواب دیکھا نہ کر
میرے ہاتھوں کی یخ بستگی پہ سرِ شام
سوچا نہ کر
مجھ سے اِتنی عقیدت بھی اچھی نہیں
میرے نزدیک آ
میرے تن میں اُتر
میری بانھوں کے آنگن میں بکھری ہوئی دُھوپ میں بن سنوَر
مجھ سے کیسا حذَر؟
مجھ کو "اپنا" سمجھ
میرے نزدیک اپنائیت سے بڑا کوئی رشتہ نہیں
میری چاہت کو کوئی تقاضا سمجھ
میرے اندر کا انساں فرشتہ نہیں
اور۔۔۔اب
تیرے رُوٹھے ہُوئے لفظ!
گجروں کے سُوکھے ہُوئے پھول!!
آنکھوں میں بکھرے ہوئے آنسوؤں کے گُہر!
تیرے معصوم جذبوں کے سچ کی مُسلسل گواہی۔۔مگر
میں تو کہتا تھا میری پرستش نہ کر
میں تو کہتا تھا
میری پرستش نہ کر

اجنبی وہ بھی عجب موسم تھا

اجنبی، وہ بھی عجب موسم تھا
تیری قربت کا سنہرا موسم
تیری خوشبو سے مہکتا ہؤا گہرا موسم
تیرے چہرے کی تمازت سے دہکتی صُبحیں
تیری زُلفوں کی شباہت سے لپکتی شامیں
تیرے لہجے کی شرارت سے شگفتہ لمحے
تیری آنکھوں میں لرزتے ہوئے اقرار کی لَو
تیری آواز کے گُلپوش ابدزاروں میں
خواب در خواب دُعاؤں کے گُلاب
تیرے بلّور سے ہاتھوں میں
مری "تازہ کتاب"
اجنبی یہ بھی عجب موسم ہے
تیری فرقت کا جھلستا موسم
آگ بن کر میری سوچوں پہ برستا موسم
کتنا محرومِ طرب موسم ہے
غم بجاں، نوحہ بہ لب موسم ہے
تیری خوشبو کا جزیرہ نہ تری یاد کا شہر
میری نَس نَس میں اُترتا ہؤا
تنہائی کا زہر
زہر کی لہر کے ہمراہ ترے درد کا قہر
قریۂ جاں میں اُترتا ہے تو یوُں لگتا ہے

جیسے نازل ہو کسی شہر چراغاں پہ عذاب
جیسے بے آب و ہوا رُت میں جھلس جائیں گلاب
دِل میں اب درد بکھرتا ہے تو یوُں لگتا ہے
جس طرح ٹوٹ رہی ہو کسی خیمے کی طناَب

ایسے لگتا ہے کہ اِس بار نہ چھوُ پائے گی
تیرے بلوّر سے ہاتھوں کو
۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مری ''تازہ کتاب''

☆

مرحلے شوق کے دُشوار ہُوا کرتے ہیں
سائے بھی راہ کی دیوار ہُوا کرتے ہیں

وہ جو سچ بولتے رہنے کی قسم کھاتے ہیں
وہ عدالت میں گُنہگار ہُوا کرتے ہیں

صرف ہاتھوں کو نہ دیکھو کبھی آنکھیں بھی پڑھو
کچھ سوالی بڑے خوددار ہُوا کرتے ہیں

وہ جو پتھر یونہی رستے میں پڑے رہتے ہیں
اُن کے سینے میں بھی شہکار ہُوا کرتے ہیں

صبح کی پہلی کرن جن کو رُلا دیتی ہے
وہ ستاروں کے عزادار ہُوا کرتے ہیں

جن کی آنکھوں میں سدا پیاس کے صحرا چمکیں
درحقیقت ہوی فنکار ہُوا کرتے ہیں

شرم آتی ہے کہ دُشمن کِسے سمجھیں محسنؔ؟
دُشمنی کے بھی تو معیار ہُوا کرتے ہیں!!

☆

کیا ہے عہد تو اُس کو نباہتے رہنا
میں جب تلک بھی جیوں مجھ کو چاہتے رہنا

تمام دن اُسے ملنے کی جستجو رکھنا
تمام رات تھکن سے کراہتے رہنا

کبھی تو ٹوٹ کے میرے لیے بھی مجھ سے مِلو
یہ کیا کہ میری غزل کو سراہتے رہنا

بہت کٹھن ہے اندھیروں کے شہر میں محسنؔ
چراغ بن کے ہوَا سے بناہتے رہنا!!

☆

چاک دامانیاں نہیں جاتیں
دل کی نادانیاں نہیں جاتیں

بام و در جل اُٹھے چراغوں سے
گھر کی ویرانیاں نہیں جاتیں

اَوڑھ لی ہے زمین خُود پہ مگر
تَن کی عُریانیاں نہیں جاتیں

ہم تو چُپ ہیں مگر زمانے کی
حشر سامانیاں نہیں جاتیں

دیکھ کر آئینے میں عکس اپنا
اُس کی حیرانیاں نہیں جاتیں

لاکھ اُجڑے ہوئے ہوں شہزادے
سر سے سلطانیاں نہیں جاتیں

لشکرِ ظُلم تھک گیا محسنؔ
اپنی قربانیاں نہیں جاتیں

☆

جس کو اکثر سوچا تھا تنہائی میں
شامل ہے وہ شخص مری رُسوائی میں

مجھ سے مَت پُوچھو وہ چہرہ کیسا تھا؟
ڈُوب گیا میں آنکھوں کی گہرائی میں

جاگتے رہنے کی کتنی ترغیبیں تھیں
اُس کو بوجھل تھکی ہوُئی انگرائی میں

تجھ سے آنکھ ملانا کتنا مشکل ہے
ورنہ سوُرج گھُل جائیں بینائی میں

پیار بھی کرتا ہے وہ بے پروائی سے
نادانی کا رنگ بھی ہے دانائی میں

کاش کوئی محمل کے اندر سُن سکتا!
میری چیخ بھی شامل تھی شہنائی میں

وہ اِک پل کو روُٹھا تو محسوس ہوُا
جیسے بیت گیا اک سال جدُائی میں

جاؤ اپنے جیسے لوگ تلاش کرو۔!
کیا پاؤ گے محسنؔ سے ہر جائی میں

☆

آنکھوں میں کوئی خواب اُترنے نہیں دیتا
یہ دِل کہ مجھے چین سے مرنے نہیں دیتا

بچھڑے تو عجب پیار جتاتا ہے خطوں میں
مل جائے تو پھر حد سے گزرنے نہیں دیتا

وہ شخص خزاں رُت میں بھی محتاط ہے کتنا
سُوکھے ہوئے پھولوں کو بکھرنے نہیں دیتا

اِک روز تری پیاس خریدے گا وہ گبھرُو!
پانی تجھے پنگھٹ سے جو بھرنے نہیں دیتا

وہ دل میں تبسّم کی کرن گھولنے والا
رُوٹھے تو رُتوں کو بھی سنورنے نہیں دیتا

میں اُس کو مناؤں کہ غمِ دہر سے اُلجھوں؟
محسنؔ وہ کوئی کام بھی کرنے نہیں دیتا

میں نے اِس طور سے چاہا تجھے!

میں نے اِس طور سے چاہا تجھے اکثر جاناں!
جیسے مہتاب کو بے انت سمندر چاہے!!
جیسے سُورج کی کِرن سیپ کے دل میں اُترے
جیسے خُوشبو کو ہوَا رنگ سے ہٹ کر چاہے

جیسے پتھر کے کلیجے سے کِرن پھوٹتی ہے
جیسے غُنچے کھلے موسم سے حِنا مانگتے ہیں
جیسے خوابوں میں خیالوں کی کماں ٹوٹتی ہے
جیسے بارش کی دُعا آبلہ پا مانگتے ہیں

میرا ہر خواب مرے سچ کی گواہی دے گا
وسعتِ دید نے تُجھ سے تری خواہش کی ہے
میری سوچوں میں کبھی دیکھ سراپا اپنا!
میں نے دنیا سے الگ تیری پرستش کی ہے

خواہشِ دید کا موسم کبھی دُھندلا جو ہُوا
نوچ ڈالی ہیں زمانوں کی نقابیں مَیں نے
تیری پلکوں پہ اُترتی ہوُئی صُبحوں کے لیے
توڑ ڈالی ہیں ستاروں کی طنابیں میں نے

میں نے چاہا کہ ترے حُسن کی گُلنار فضا!
میری غزلوں کی قطاروں سے دہکتی جائے

میں نے چاہا کہ مرے فن کے گُلستاں کی بہار
تیری آنکھوں کے گُلابوں سے مہکتی جائے

طے تو یہ تھا کہ سجاتا رہے لفظوں کے کنول
میرے خاموش خیالوں میں تکلّم تیرا
رقص کرتا رہے بھرتا رہے خوشبُو کا خُمار
میری خواہش کے جزیروں میں تبسّم تیرا

تو مگر اجنبی ماحول کی پروردہ کِرن!
میری بجھتی ہوئی راتوں کو سحر کر نہ سکی
تیری سانسوں میں مسیحائی تھی لیکن تُو بھی
چارۂ زخمِ غمِ دیدۂ تر کر نہ سکی!

تجھ کو احساس ہی کب ہے کہ کسی درد کا داغ
آنکھ سے دِل میں اُتر جائے تو کیا ہوتا ہے؟
تو کہ سیماب طبیعت ہے تُجھے کیا معلوُم
موسمِ ہجر ٹھہر جائے تو کیا ہوتا ہے؟

تُو نے اُس موڑ پہ توڑا ہے تعلُّق کہ جہاں
دیکھ سکتا نہیں کوئی بھی پلٹ کر جاناں!

اب یہ عالم ہے کہ آنکھیں جو کھُلیں گی اپنی
یاد آئے گی تری دید کا منظر جاناں

مجھ سے مانگے گا ترے عہدِ محبت کا حساب
تیرے ہجراں کا دہکتا ہوُا محشر جاناں

یوُں مرے دِل کے برابر ترا گم آیا ہے
جیسے شیشے کے مقابل کوئی پتھر جاناں!

جیسے مہتاب کو بے انت سمندر چاہے
میں نے اِس طَور سے چاہا تجھے اکثر جاناں!

ندامت

رقص کے زاویے
گھنگھروؤں کی چھنن چھَن چھَنن سے اُدھر
گردآلود پاؤں کی ہرتال پر
بجلیوں کا جگر چیر کر گھومتے ابروؤں کی کماں
بازوؤں کے بھنور
ہر طرف رونقیں
ہر طرف قہقہے
ہر طرف رنگ و نکہت کی بارش میں تر

بے صدا بام و دَر!!

میری جاں رونقیں سب بجا تھیں مگر

کرم خوردہ کتابوں سے ملتے ہوئے زرد چہروں، سیہ پیکروں

سے پرے

تیری سہمی ہوئی آنکھ میں جاگتے واہموں، چیختی خواہشوں

چلچلاتی خراشوں کے سب دائرے

میری شہ رگ میں اپنی بغاوت کے سب نقش بُنتے رہے

دِل کے صحرا میں چُنتے رہے

کرچیاں اپنے ٹوٹے ہوئے خواب کی

اور مَیں

وہم کی دُھول بستی کے خاشاک میں ریزہ ریزہ بکھرتا رہا

ٹوٹ کر

میری جاں رونقیں سب بجا تھیں مگر

میرا دل!

جیسے بچھڑی ہوئی کُونج کا کوئی پَر

اپنے ہی خوں میں تر

جیسے بُجھتی ہوئی راکھ کے ڈھیر میں سانس لیتا شرر

جیسے آندھی کی زد میں

خزاں سوختہ بے لبادہ شجر!!!

میری جاں

رونقیں سب بجا ہیں۔۔۔مگر

گھنگھروؤں کی چھنن چھن چھنن سے۔۔۔اُدھر

☆

وہ بظاہر جو زمانے سے خفا لگتا ہے
ہنس کے بولے بھی تو دُنا سے جُدا لگتا ہے

اور کچھ دیر نہ بجھنے دے اسے ربِ سحر!
ڈُوبتا چاند مرا دستِ دُعا لگتا ہے

جس سے مُنہ پھیر کے رستے کی ہوا گذری ہے
کسی اُجڑے ہوئے آنگن کا دیا لگتا ہے

اب کے ساون میں بھی زردی نہ گئی چہروں کی
ایسے موسم میں تو جنگل بھی ہَرا لگتا ہے!!

شہر کی بھیڑ میں کھلتے ہیں کہاں اُس کے نقوش!
آؤ تنہائی میں سوچیں کہ وہ کیا لگتا ہے؟

مُنہ چھپائے ہوئے گذرا ہے جو احباب سے آج
اُس کی آنکھوں میں کوئی زخم نیا لگتا ہے

اب تو محسنؔ کے تصور میں اُتر ربِّ جلیل
اس اُداسی میں تو پتھرّ بھی خُدا لگتا ہے

☆

حبسِ دُنیا سے گذر جاتے ہیں
ایسا کرتے ہیں کہ مَر جاتے ہیں

کیسے ہوتے ہیں بچھڑنے والے؟
ہم یہ سوچیں بھی تو ڈر جاتے ہیں

دِل جو ٹوٹے تو سرِ محفل بھی
بال بے وجہِ بکھر جاتے ہیں

اب نہ دیکھو مری بنجر آنکھیں
چڑھتے دریا تو اُتر جاتے ہیں

دُھوپ کا رُوپ رچانے والے؛
شام کو اور نکھر جاتے ہیں

اَب نہ مُڑ مُڑ کے پُکارو اُن کو!
لوگ رستے میں ٹھہر جاتے ہیں

خالی دامن سے شکایت کیسی؟
اشک آنکھوں میں تو بھر جاتے ہیں

تُم کہاں جاؤ گے سوچو محسنؔ؟
لوگ تھک ہار کے گھر جاتے ہیں

☆

کاش کچھ دیر یونہی وقت گُزرتا رہتا
میں اُسے دیکھتا رہتا وہ سنورتا رہتا

اجنبی، کتنا اکیلا ہے محبت کا سفر
تو مرے ساتھ نہ ہوتا تو میں ڈرتا رہتا

میں تو صُبحوں کی طرح گود میں لیتا اُس کو
وہ کہ سوُرج تھا تو پھر روز اُبھرتا رہتا

اک نہ اِک رُخ پہ مری آنکھ بکھرتی رہتی
اک نہ اِک عکس مرے دل میں اُترتا رہتا

اُس کو جانا تھا، کوئی زخم ہی دے کر جاتا
اس بہانے میں اُسے یاد تو کرتا رہتا

کوئی تصویر تو آخر کو اُبھر ہی آتی!
رنگ، خاکوں میں وہ کچھ دیر تو بھرتا رہتا

☆

سکونِ دل کا اثر جان دُھوپ ڈھلنے تک
ہوَا کی بے خبری ہے، چراغ جلنے تک

نجانے راکھ ہُوئی کتنے سُورجوں کی تپش!
ہماری برف رگوں میں لہُو پگھلنے تک

نجانے کتنے جہنّم بدن میں اُتریں گے
ہمارے سر سے عذابِ حیات ٹلنے تک

مآلِ موسمِ گُل سے بھی جی لرزتا ہے!
بچھڑ نہ جاؤ کہیں تُم یہ رُت بدلنے تک

سنبھل سنبھل کے رہِ جاں میں سانس لیتا ہُوں
ہزار ٹھوکریں کھائیں مگر سنبھلنے تک

بدل گئے ہیں سبھی خال و خَد مرے محسنؔ
بدن پہ راکھ گزرتے دِنوں کی مَلنے تک

☆

جس کی قسمت ہی دربدر ٹھہرے
وہ بُجھا چاند کس کے گھر ٹھہرے

عُمر گزری سنوارتے دِل کو!
کاش وہ دِل میں لمحہ بھر ٹھہرے

ہم سے شبخوں کی داستاں پوچھو
شہر والے تو بے خبر ٹھہرے

اُس سے کیا پُوچھنا سفر کی تھکن؟
جس کی منزل ہی رہگذر ٹھہرے

اُس کی قیمت، عذاب سُورج کا
وہ سِتارہ جو تا سحر ٹھہرے

اُس کی آنکھیں اُدھر گئی ہی نہیں
لوگ کیا کیا نہ موڑ پر ٹھہرے

ہم سے کیسا حَذر ہوائے سفر
ہم تو گردِ رہِ سفر ٹھہرے

جھک کے چُومے نہ کیوں فلک محسنؔ؟
جب سِناں پر کسی کا سر ٹھہرے

یہ جو شام ڈھل رہی ہے

یہ جو شام ڈھل رہی ہے
اسے سہل بھی نہ جانو!
یہ ٹھہر گئی جو دِل میں،
یہی شب ہلاکتوں کی
یہی دوپہر کڑی ہے

پسِ گردِ عہد و پیاں
یہ جو ہجر کی گھڑی ہے
یہ فشارِ جاں کا موسم
یہ جو دِل گرفتگی ہے
یہ جو وہم ہے لہُو میں
یہ جو سہم آنکھ میں ہے

یہ سناں سی وسوسوں کی
جو خیال میں گڑی ہے
یہ جو اِک خلش وفا کی
ترا جَور سہہ گئی ہے
یہ جو "ان کہی کہانی!"
مِرے دِل میں رہ گئی ہے

یہ تھکن رہِ جنوں کی:
جو اُتر گئی رگوں میں

یہ تِری مری خوشی ہے

یہ چراغ چاہتوں کے
جو ہوَا میں جل رہے ہیں
انہیں کب تلک سنبھالیں؟

چلو پھر سے توڑ ڈالیں
وہ تمام عہد و پیماں!
کہ میں تُجھ میں جی رہا ہوں
کہ تُو مجھ میں بس رہا ہے

چلو پھر سے سوچتے ہیں
کہ میں تُجھ سے ناشناسا
کہ تُو مجھ سے اجنبی ہے

وہ جو رسمِ دوستی ہے
وہ رہے تو جاں سلامت
نہ رہے تو پھر بھی جاناں
ترا غم سنبھالنے کو!
ابھی زندگی پڑی ہے

آؤ وعدہ کریں

آؤ وعدہ کریں۔۔۔!
آج کے دن کی روشن گواہی میں ہم
دیدہ و دِل کی بے انت شاہی میں ہم
زیرِ دامانِ تقدیسِ لوح و قلم!
اپنے خوابوں' خیالوں کی جاگیر کو
فکر کے مؤقلم سے
تراشی ہوُئی۔۔۔ اپنی شفّاف سوچوں کی تصویر کو
اپنے بے حرف ہاتھوں کی تحریر کو
اپنی تقدیر کو
یوُں سنبھالیں گے، مثلِ چراغِ حرم
جیسے آندھی میں
بے گھر مُسافر کوئی۔۔ بجھتی آنکھوں کے بوسیدہ فانوس میں
پہرہ داروں کی صُورت چھُپائے رکھے
جانے والوں کے۔۔ دُھندلے سے نقشِ قدم!
آج کے دِن کی روشن گواہی میں ہم۔۔۔!
پھر اِرادہ کریں
جتنی یادوں کے خاکے نمایاں نہیں
جتنے ہونٹوں کے یاقوت بے آب ہیں
جتنی آنکھوں کے نیلم فروزاں نہیں
جتنے چہروں کے مرجان زرداب ہیں
جتنی سوچیں بھی مشعل بداماں نہیں
جتنے گُلرنگ مہتاب۔۔ گہنا گئے

جتنے معصوم رُخسار۔۔مرُجھا گئے
جتنی شمعیں بُجھیں
جتنی شاخیں جلیں
سب کو خوشبو بھری زندگی بخش دیں
تازگی بخش دیں
بھر دیں سب کی رگوں میں لہو نم نہ نم
مثلِ ابرِ کرم رکھ لیں سب کا بھرم!
دیدہ و دل کی بے اَنت شاہی میں ہم
زخم کھائیں گے حُسنِ چمن کے لیے
اشک مہکائیں گے مثلِ رُخسارِ گُل
صرف آرائشِ پیرہن کے لیے
مُسکرائیں گے رنج و غمِ دہر میں
.........اپنی ہنستی ہوئی انجمن کے لیے
طعنِ احباب، سرمایۂ گنجِ دل
طنزِ اغیار سہہ لیں گے فن کے لیے

آؤ وعدہ کریں•••••!
سانس لیں گے متاعِ سُخن کے لیے
جاں گنوائیں گے ارضِ وطن کے لیے
دیدہ و دِل کی شوریدگی کی قسم
آسمانوں سے اُنچا رکھیں گے علَم

آؤ وعدہ کریں!
آج کے دِن کی روشن گواہی میں ہم

☆

کچھ ذکر کرو اُس موسم کا جب رَم جھم رات رسیلی تھی
جب صُبح کا رُوپ رُوپہلا تھا جب شام بہت شرمیلی تھی

جب پھول مہکتی راہوں پر قدموں سے گجر بج اُٹھتے تھے
جب تن میں سانس کے سرگم کی ہر دیپک تان سُریلی تھی

جب خواب سراب جزیروں میں خوش فہم نظر کُھل جاتی تھی
جب پیار پوَن کے جھونکوں سے ہر یاد کی موج نشیلی تھی

اَمرت کی مہک تھی باتوں میں نفرت کے شرر تھے پلکوں پر
وہ ہونٹ نہایت میٹھے تھے' وہ آنکھ بہت زہریلی تھی

محسنؔ اُس شہر میں مرنے کو اَب اس کے سوا کچھ یاد نہیں
کچھ زہر تھا شہر کے پانی میں' کچھ خاک کی رنگت نیلی تھی!

☆

تُم نے بھی ٹھکرا ہی دیا ہے' دُنیا سے بھی دُور ہوئے
اپنی اَنا کے سارے شیشے آخر چکنا چور ہوئے

ہم نے جن پر غزلیں سوچیں اُن کو چاہا لوگوں نے
ہم کتنے بدنام ہوئے تھے وہ کتنے مشہور ہوئے!

ترکِ وفا کی ساری قسمیں اُن کو دیکھ کے ٹوٹ گئیں
اُن کا ناز سلامت ٹھہرا ہم ہی ذرا مجبور ہوئے

ایک گھڑی کو رُک کر پوُچھا اُس نے تو احوال مگر
باقی عُمر نہ مُڑ کر دیکھا ہم ایسے مغرور ہوئے

اب کے اُن کی بزم میں جانے کا گر محسنؔ اذن ملے
زخم ہی ان کی نذر گزاریں، اشک تو نامنظور ہوئے

☆

وہ دلاور جو سیہ شب کے شکاری نکلے
وہ بھی چڑھتے ہوئے سورج کے پُجاری نکلے

سب کے ہونٹوں پہ مرے بعد ہیں باتیں میری!
میرے دُشمن میرے لفظوں کے بھکاری نکلے

اک جنازہ اُٹھا مقتل سے عجب شان کے ساتھ

جیسے سج کر کسی فاتح کی سواری نکلے

بہتے اشکوں سے شعاعوں کی سبیلیں پھوٹیں
چُبھتے زخموں سے فنِ نقش نگاری نکلے

ہم کو ہر دَور کی گردش نے سلامی دی ہے
ہم وہ پتّھر ہیں جو ہر دَور میں بھاری نکلے

عکس کوئی ہو خدوخال تمہارے دیکھوں
بزم کوئی ہو مگر بات تمہاری نکلے

اپنے دُشمن سے میں بے وجہ خفا تھا محسؔن
میرے قاتل تو میرے اپنے حواری نکلے

☆

کبھی گریباں کے تار گنتے ' کبھی صلیبوں پہ جان دیتے
گزر گئی زندگی ہماری سدا یہی امتحان دیتے

بوقتِ شب خوُں تمام بستی پہ خوف طاری تھا قاتلوں کا؛
سُکوتِ شب کے اُجاڑ گنبد میں ہم کہاں تک اَذان دیتے؟

میں کس نگر کی ہوا سے پوچھوں ' میں کون صحرا کی خاک چھانوں؟
بچھڑنے والے کہیں تو اپنا سُراغ رکھتے' نشان دیتے!

ہمارے لفظوں سے نُطق چھینا ہے اپنی محرومیوں نے ورنہ
سخنورو ہم بھی اپنی بستی کے پتھروں کو زبان دیتے

سزا سُنانے سے پیشتر مُنصِفوں سے پل بھر جو اذن ملتا!
تو ہم بھی جرم اَنا کے حق میں کوئی اُدھورا بیان دیتے

عداوتوں کے عذاب سُورج نے اتنی مہلت نہ دی کہ محسنؔ؟
ہم اپنی جلتی زمیں کے سر پہ کوئی بگولہ ہی تان دیتے'

☆

مِری سانسوں کی خوشبو سے تجھے زنجیر ہونا ہے
ابھی اِس خواب کو شرمندۂ تعبیر ہونا ہے

یہ کہہ کر اپنی محرومی کو بہلاتا ہے دِل اپنا
اگر وہ چاند ہے تو پھر اُسے تسخیر ہونا ہے

مِرے لفظوں کی لغزش کہہ رہی تھی آج محفل میں
کہ تیری خامشی کو حاصِل تقریر ہونا ہے!

جبیں تو خیر داغِ بندگی سے بجھ گئی لیکن
دُعا کو بے نیازِ حلقۂ تاثیر ہونا ہے

وہ جن کے خون سے دستارِ قاتل ہو گئی رنگیں
اُنہی کے مقتلوں کی خاک کو اکسیر ہونا ہے

ہمارے گھر پہ گرتی بجلیوں کو کیا خبر محسنؔ
کہ اس ملبے پہ اِک تازہ نگر تعمیر ہونا ہے

دوستو پھر وہی ساعت

دوستو پھر وہی ساعت وہی رُت آئی ہے
ہم نے جب اپنے ارادوں کا علَم کھولا تھا
دل نے جب اپنے ارادوں کی قسم کھائی تھی
شوق نے جب رگِ دوراں میں لہُو گھولا تھا

پھر وہی ساعتِ صد رنگ وہی صُبحِ جنُوں
اپنے ہاتھوں میں نئے دور کی سوغات لیے
محملِ شامِ غریباں سے اُتر آئی ہے
خشک ہونٹوں پہ بکھرتے ہوئے جذبات لیے

آؤ ' پھر ریت پہ بکھرے ہوئے ہیرے چُن لیں
پھر یہ صحرا کی سخاوت بھی رہے یا نہ رہے!
آؤ کچھ دیر جراحت پہ چھڑک لیں شبنم!!
کیا خبر پھر یہ روایت بھی رہے یا نہ رہے؟

آؤ پھر حلق میں ٹوٹا ہُوا نشتر کھینچیں
دل سے ممکن ہے کوئی حرف ' زباں تک پہنچے
آؤ پھر غور کریں ہم کہ سرِ مقتلِ جاں!
شوق دلداری جاناں میں کہاں تک پہنچے؟

دوستو آؤ کہ سر جوڑ کے بیٹھیں کچھ دیر
احتسابِ غمِ دوراں سے نمٹ کر دیکھیں
کچھ تو ماضی کے جھروکوں سے اُدھر بھی ہوگا
اپنے ماحول سے کچھ دیر تو ہٹ کر دیکھیں

ہم نے چاہا تھا کہ یوُں اب کے چراغاں کیجئے
روشنی ہو تو گُلستاں سے قفس تک جائے
اب کے اِس طرح دِل زار سے شعلے پھوٹیں
آنچ یخ بستگیِ قلب و قفس تک جائے

اپنی مٹّی سے محبت کی گواہی کے لیے!
ہم نے زرداب نظر کو بھی شفق لکھّا تھا
اپنی تاریخ کے سینے پہ سجا ہے اب تک
ہم نے خونِ رگِ جاں سے جو وَرق لکھّا تھا

دوستو آؤ کہ تجدیدِ وفا کا دن ہے
ساعتِ عہدِ محبت کو حِنا رنگ کریں
خوُنِ دِل غازۂ رُخسارِ وطن ہو جائے
اپنے اشکوں کو ستاروں سے ہم آہنگ کریں

آؤ سرنامۂ رُودادِ سفر لکھ ڈالیں
اشک پیوندِ کفِ خاکِ جگر ہونے تک
ہم نے کیا کیا نہ خلاؤں پہ کمندیں ڈالیں
شوقِ تسخیرِ مہ و مہر ہنرُ ہونے تک

آؤ لکھیں کی ہمیں اپنی اَماں میں رکھنا
احتسابِ عملِ دیدۂ تر ہونے تک
ہم تو مر جائیں گے اے ارضِ وطن پھر بھی تجھے
زندہ رہنا ہے قیامت کی سحر ہونے تک

اے ٹھٹھرتی ہوئی صبح کے دہکتے سوُرج

اے ٹھٹھرتی ہوئی صبح کے دہکتے سورج
تجھ کو معلوم ہے اِس صبح کی خاطر ہم نے
کتنی سفاک، سیہ فام شبوں کی سختی
اپنے دُکھتے ہوئے احساس میں شامل کرلی!
کتنی پگھلی ہوئی شاموں کی جگر سوز تھکن

اپنے دامن میں سمیٹی کبھی دل میں بھر لی

تجھ کو معلوم ہے اِس صبح کی خاطر ہم نے
قتل گاہوں کو سجایا، کبھی زندانوں کو
تختۂ دار کو بخشا کبھی اُمید کا چاند!
ہم نے اشکوں سے منوّر کیا تہہ خانوں کو
شاہراہوں میں کبھی اپنے سَلاسل ٹُوٹے!
ہم نے قدموں پہ گرایا کبھی ایوانوں کو

تجھ کو معلوُم ہے اِس صبح کی خاطر ہم نے
کتنی راتوں کو ستاروں کا لہُو بخشا ہے
بانجھ ہوتی ہوئی دھرتی کے ہر اک ذرّے کو
اپنی شہ رگ کی طرح ذوق نمو بخشا ہے

اے دہکتے ہوُئے سورج یہ گواہی لکھ لے
دِل کو زخموں سے بہلنے کی بھی خوُ آتی ہے
یہ گواہی کی سرِ مقتلِ جاں اپنی اَنا ۔۔!
سر بکف ' زہر بہ لب ' شُعلہ بہ رُو آتی ہے

آج بھی عہدِ گزشتہ کی ہر اِک یاد کے ساتھ
سانس لیتے ہیں تو بارُود کی بوُ آتی ہے
اے ٹھٹھرتی ہوُئی صبح کے دہکتے سوُرج
نقش کچھ ثبت سر لوحِ زماں آج بھی ہیں
کتنے کانٹوں سے اَٹی ہے رہِ احساس مگر
قافلے شوق کے منزل کو رواں آج بھی ہیں

ہانپتا ظُلم ضعیفی کی حدوں تک پہنچا!
اپنے جذبے ہیں کہ سینے میں جواں آج بھی ہیں

لَب پہ اِک حرفِ دُعا ہے کہ تری عُمر دراز!
جسم پر ناچتے کوڑوں کے نِشاں آج بھی ہیں

☆

دِل خوں ہُوا کہیں تو کبھی زخم سہہ گئے
اب حادثے ہی اپنی وراثت میں رہ گئے

کہنے کو ایک ساتھ ہی ڈوبا ہے قافلہ
کچھ عکس زیرِ آب مگر تہہ بہ تہہ گئے

پتّوں سے پھوٹتی ہیں ہواؤں کی ہچکیاں
پنچھی ہرے شجر سے عجب بات کہہ گئے

شاید وہ بام و در کو نہ سونے دیں عُمر بھر
جو خواب گھر کی خاک میں پیوست رہ گئے

محسنؔ غریب لوگ بھی تنکوں کے ڈھیر ہیں
ملبے میں دَب گئے کبھی پانی میں بہہ گئے

☆

جو شخص بھی اپنا قدوقامت نہیں رکھتا
وہ شہر کے آئینے سلامت نہیں رکھتا

مجھ سے یہ شکایت ہے مرے چارہ گروں کو
میں زخم چھپانے کو علامت نہیں رکھتا

وہ دوست اگر ہے تو مجھے حوصلہ بخشے
دُشمن ہے تو کیوں حرف مِلامت نہیں رکھتا

یہ عہدِ بغاوت ہے کرو فکر سروں کی!
دستار تو کوئی بھی سلامت نہیں رکھتا

راس آ ہی گیا ترکِ تعلق اُسے آخر!
آنکھوں میں وہ پہلی سی ندامت نہیں رکھتا

اب کس کی تسلّی کو غزل سوچئے محسنؔ
اب کون یہاں دِل میں قیامت نہیں رکھتا ؟

☆

شَب ڈھلی چاند بھی نکلے تو سہی
درد جو دِل میں ہے چمکے تو سہی!

وہ قیامت ہو٘ ستارہ ہو کی دِل!
کچھ نہ کچھ ہجر میں ٹوٹے تو سہی

ہم وہیں پر ہی بَسا لیں خوُد کو ۔۔!
وہ کبھی راہ میں روکے تو سہی

سب سے ہٹ کر ہی منانا ہے اُسے
ہم سے اک بار وہ روُٹھے تو سہی

دِل اُسی وقت سنبھل جائے گا
دِل کا احوال وہ پوُچھے تو سہی

اُس کی نفرت بھی محبت ہو گی
میرے بارے میں وہ سوچے تو سہی

اُس کے قدموں میں بچھادوں آنکھیں
میری بستی سے وہ گزرے تو سہی

میرا جسم٘ آئینہ خانہ ٹھہرے

میری جانب، کوئی دیکھے تو سہی

اُس کے سب جھوٹ بھی سچ ہیں محسنؔ؟
شرط اتنی ہے، وہ بولے تو سہی

☆

دِل کو کچھ اور سنبھلنے دینا
آج کی رات نہ ڈھلنے دینا

پھر بچھڑتا تو مقدّر ٹھہرا
دو قدم ساتھ تو چلنے دینا!

یہ جوانی ہے سنبھالے رکھنا!
اس قیامت کو نہ ٹلنے دینا،

یا ہوَا سے انہیں اوجھل رکھنا
یا چراغوں کو نہ جلنے دینا

اُس کو ہر رنگ سے چاہو محسنؔ
اُس کو ہر روپ بدلنے دینا

☆

کچھ نہ کسی کے حق میں کہنا' چُپ رہنا
دل پر سارے صدمے سہنا' چُپ رہنا

دشت کے سنّاٹے کا زیور' آوازیں
شور مچاتے شہر کا گہنا' چُپ رہنا

ہم نے گہرے دریاؤں سے سیکھا ہے
آپ ہی اپنی موج میں بہنا' چُپ رہنا

اُس نے کہا تھا جشن کی رات کو جنگل میں'
ناچیں گے سب لوگ برہنہ' چُپ رہنا

عذابِ دید

نہ پُوچھ شہر میں رونق ہے اِن دنوں کتنی۔!
دُھواں دُھواں کہیں بارُود کی نمائش ہے
سجے ہوئے کسی رَہ میں ہیں سر بُریدہ بدن
کہیں متاعِ دل و جاں کی آزمائش ہے

"عذابِ دید" ہے منظر خروشِ مقتل کا
لبوں پہ جم گئی تعبیرِ خوابِ وصل و فراق
مزاجِ قاتلِ سرکش کی وحشتوں کے سبب
دُعا پہ بند ہوئے درگہِ قبول کے طاق
کٹے پھٹے ہوئے جسموں پہ دُھول کی چادر
اُڑا رہی ہے سرِ عام زندگی کا مذاق!

بُجھی بُجھی ہوئی آنکھوں میں کانپتے آنسو
لہُو میں تیرتے چہروں کے بدنصیب گُلاب
ہوا کے ساتھ اندھیروں میں ہانپتے جگنو
فنا کے نیل میں بے آسرا دِلوں کے حباب
ڈری ڈری ہوئی ماؤں کے بے صَدا نوحے
قضا سے مانگ رہے ہیں نفس نفس کا حساب
گلی کے موڑ پہ رُک رُک کے سوچتی بہنیں
نجانے کب سے کھڑی ہیں کہ ابرِ خوف چھٹے
چھٹے یہ ابر یہ انبوہِ خلقِ شہر ہٹے
ہٹے یہ خلق یہ صدیوں کا راستہ جو کٹے
تو ماں کے دُودھ کا کوئی نشاں تلاش کریں
مِلے جو لاش سلامت جوان بھائی کی!
تو بال کھول کے روئیں برہنہ چہروں پر
کریں سوال جو کوئی' اماں تلاش کریں
کہ کون لوگ ہیں نوکیلے ناخنوں والے
جو بے گُناہ لہُو کا خراج لیتے ہیں!

سنوارتے ہیں جو بارُود کے دُھویں سے نقوش

درندگی کی ہوس میں اُجاڑ دیتے ہیں
جو کھیلتے ہوئے بچوں کی بے کنار ہنسی
متاعِ زر جنہیں انساں کی زندگی سے عزیز
جو سلسبیل کی شہ رگ میں گھول دیتے ہیں
شرارِ موت، سمِ حبس، زہرِ تشنہ لبی

یہ سوگوار سے چہرے نِگوں نِگوں آنکھیں
خلاٴ میں گھورتی رہتی ہیں ان دنوں آنکھیں
حنا کے نُور سے خالی ہتھیلیاں کب تک؟
یہ پُوچھتی ہیں دریچوں میں بے سکوں آنکھیں

کہاں رُکے گا لہوٗ کا یہ بے اماں سیلاب
بکھر کے رَہ میں بہے گا کہاں کہاں سیلاب
اُداس بہنوں کی چادر کے خوٗں فشاں پرُزے
سیاہ پوش یتیموں کی ہچکیوں کے بھنور!

عذابِ شب سے فقط اِذنِ خواب مانگتے ہیں
ضعیف ماؤں کے آنسو ہر ایک موڑ پہ آج!
امیرِ شہر سے اپنا حساب مانگتے ہیں!!

صَبا . . . غُرورِ نگہبانِ شہر سے کہنا!
جو پڑھ سکے تو پڑھے چہرۂ بشر کا سوال
کمالِ ضبط کا حاصِل ہر ایک دِن کا زوال

یہی سَحر ہے تو کیونکر حیات گذرے گی

نجانے کون سے مقتل میں رات گذرے گی؟

تم سے ممکن ہو تو......

تُم سے ممکن ہو تو سب روشنیاں گُل کردو
کُنج مہتاب سے تا گوشۂ دربارِ شہی
مثلِ ویرانئ جاں، صُورتِ دامانِ تہی
وہ اندھیرا ہو کہ ہر رنگ پریشاں ٹھہرے
آنکھ پلکوں کی رفاقت سے گُریزاں ٹھہرے
گھر کا روزن کِسی جگنوُ کی کِرن کو ترسے
ہر طرف دامِ غریباں کی اُداسی برسے
شاخ در شاخ اُترنے لگے وحشت کا عذاب
شورشِ موجِ ہوَا، صُورِ سرافیل لگے
رقص کرتے ہوئے بے خواب بگولوں کے بدن
رہگذاروں کی تھکن اَوڑھ کے شَل ہو جائیں
ماند پڑ جائیں ستاروں کے قبیلوں کی رسُوم
جاگتے شہر تہہِ خاکِ زمیں سو جائیں
شہ رگِ وقت میں سیّال سیاہی بھر دو

تُم سے ممکن ہو تو سب روشنیاں گُل کر دو
سب در و بام بُجھا دو کہ مرے سینے میں!
زخم در زخم فروزاں ہیں لہوُ کی شمعیں

جن سے کترا کے گذرتی ہے اندھیروں کی قطار
لشکرِ شام و سحر جن کی لوؤں سے لرزاں
جن کی حِدّت سے ہواؤں کو پسینہ آئے
جن سے جذبوں کو دہکنے کا قرینہ آئے

تیرگی اور بڑھا دو کہ مِری آنکھوں میں
اشک اور اشک منور ہیں ستاروں کے چراغ
جن کی ضوَ چوم کے خورشیدِ قیامت اُبھرے
جن کے سائے میں ہمکتی ہوئی اُمیدوں کا
جشنِ نو روز کی صورت قد و قامت اُبھرے
جن کے رنگوں میں ڈھلیں عصرِ درخشاں کے نقوش
جن کا پرَ تو سبھی ذرّوں کی جبیں پر اُترے
کہکشاں جن کی زیارت کو زمیں پر اُترے

چاند سے نقش مٹا دو کہ مِرے ہونٹوں پر
حرف دَر حرف دہکتے ہیں دِلِ زار کے داغ
جن کی خوُشبو سے پگھلتا ہے دو عالم کا دماغ
جن کی تابندہ مزاجی سے نگیں شرمندہ
جو بکھرتے ہیں تو رنگوں کی دھنک ٹوٹتی ہے
جن کے پہلوُ سے کئی صُبحوں کی پوَ پھوٹتی ہے

تم سے ممکن ہو تو سب روشنیاں گُل کر دو
تم سے ممکن ہے، مگر تم سے کہاں ممکن ہے؟
رشتہء نکہتِ گُل، گُل سے جُدا ہو جائے
سنگ سے رنگ، ہوَا خوُد سے خفا ہو جائے

یاد رکھنا کی تمہیں یاد رہے یا نہ رہے
جب تلک راہ میں دیوارِ قضا حائل ہے
میری فریاد میں تیشے کا ہُنر جاری ہے
جب تلک شہرِ دل و جاں کے کسی گوشے میں
صبحِ گُلرنگ کی منزل نہ دکھائے دے گی
شب کے صحرا مین ستاروں کا سفر جاری ہے!

☆

پرندے لَوٹ رہے تھے گھروں کی سَمت مگر
ہوَا کا رُخ تھا شکستہ پروں کی سَمت مگر

چھتوں پہ کتنا چراغاں تھا اب کے جشن کی رات
وہ دیکھنا مرا بجھتے دروں کی سَمت مگر

کُشادہ دِل تھے کئی لوگ یوُں تو مقتل میں
بڑھے ہیں تیر ہمارے سروں کی سَمت مگر

بدن پہ آئینے اَوڑھے وہ لوگ آئے تھے
مرا خیال رہا پتھروں کی سَمت مگر

میں بڑھ رہا تھا تِرے دُشمنوں سے لڑنے کو

ترا عذاب مرے لشکروں کی سَمت مگر

وہ اِک نگر تھا کہ بازارِ مصر تھا محسنؔ
کوئی نظر نہ اُٹھی دلبروں کی سَمت مگر!

☆

جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا ہے
زخم تُمھارے ہجر کا بھرتا جاتا ہے

کنکر پھینکنے والوں کو کچھ علم نہیں
پانی میں اِک عکس بکھرتا جاتا ہے

دِل کی غُربت سارے گھر میں پھیل گئی
تصویروں سیرنگ اُترتا جاتا ہے

بجھتی آنکھ کے سائے پھیلتے جاتے ہیں
شام کا منظر اور نکھرتا جاتا ہے

محسنؔ اُس نے دِل کا شہر اُجاڑ دیا
میں سمجھا تھا' بخت سنورتا جاتا ہے

☆

اپنے آپ سے پھرتے ہیں بیگانے کیوں؟
شہر میں آ کر لوگ ہوئے دیوانے کیوں؟

ہم نے کب مانی تھی بات زمانے کی!
آج ہماری بات زمانہ مانے کیوں؟

وہ جنگل کے پھولوں پر کیوں مرتا ہے؟
اُس کو اچھے لگتے ہیں ویرانے کیوں؟

سچّی بات سے گھبرانے کی عادت کیا
جھوٹے لوگوں سے اپنے یارانے کیوں؟

خلوت میں جو آنکھ ملاتے ڈرتا ہو
میلے میں وہ شخص ہمیں پہچانے کیوں؟

محسنؔ جب بھی چوٹ نئی کھا لیتا ہوں!
دِل کو یاد آتے ہیں یار پُرانے کیوں؟

☆

اِک نُکتہ اِک بات!
دار کی موت، حیات

جھوٹے سب دِن رَین
سچّی ربّ کی ذات

صبر کے کالے کوس
جبر کی لمبی رات

اُس کے سب اقرار
سوُکھی ڈال کے پات

میرے شہر کی بھیڑ
اِک اُجڑی بارات

آگ سے پھول نہ مانگ
جل جائیں گے ہات

رُخ، صحرا کی دُھول
آنکھوں میں برسات

توُ اور اُس کا نام؟
دیکھ اپنی اوقات

بہکی چال سنبھال
گھوم نہ میرے ساتھ

اُس کے نقش نہ دیکھ
سب اُجلی آیات

محسنؔ سے مت پوُچھ
محسنؔ کے حالات

اے فلک بخت مُسافر

آج کی صُبح مہ و سال کے آئینے میں
پھر ترے خوُن کی پوشاک پہن کر آئی
پھر دِل و جاں میں ترِے قُرب کا موسم اُترا
پھر ترے درد کی سوگات میسّر آئی

آنکھ میں پھر سے دہکنے لگے خوابوں کے گُلاب
پھر صَبا خاک پہ سر نوحہ بہ لَب گذری ہے

پھر اِسی سوچ میں غلطاں ہے قبیلہ اپنا
عُمر گذری کہ ترے ہجر کی شب گذری ہے؟

تو نے سینے پہ سجائی ہیں خراشیں جس کی
وہ قیامت بھی کسی اور پہ کب گذری ہے

دل نے جب جب بھی تری سمت پلٹ کر دیکھا
سج گئی راہ میں بے رحم صلیبوں کی قطار
خاکِ مقتل پہ دہکنے لگے اشکوں کے نجوم
چشمِ قاتل سے برسنے لگے نفرت کے شرار
پھر سے ہر تارِ گریباں پہ لگی جبر کی مہر
کھنچ گئے تابہ فلک ظلم و تشدّد کے حصار
جُز ترے کس سے کہیں ہم کہ کہاں ختم ہوُا؟
تازیانوں کی زباں چومتے زخموں کا شُمار!

آنکھ میں تیر گئے پھر تری خوشبو کے بھنور
پھر سے قسمت کو جگانے لگے صُبحوں کے سفیر
تیری جُرأت کبھی تلوار کی صوُرت چمکی
تیر بن کر کبھی اُبھری ترے جذبوں کی لکیر

بارشِ سنگ میں جب قحطِ نموُ یاد آیا
تیرا سچ بولتا' بے باک لہوُ یاد آیا

جب کوئی چیخ تہہِ جبر و ستم دفن ہوئی
اہلِ زنداں کو ترا نورہَ ہوُ یاد آیا

جب درِ حرف صداقت پہ کوئی قُفل پڑا

تیرا اعزازِ رسن، طوقِ گُلو یاد آیا

جب بھی مقتل میں کوئی چاند ہُوا از نیتِ دار
اے فلک بخت مُسافر ہمیں تُو یاد آیا

ہمارا کیا ہے؟

ہمارا کیا ہے کہ ہم تو چراغِ شب کی طرح
اگر جلے بھی تو بس اتنی روشنی ہوگی!
کہ جیسے تُند اندھیروں کی راہ میں جگنو
ذرا سی دیر کو چمکے، چمک کے کھو جائے

پھر اِس کے بعد کسی کو نہ کچھ سُجھائی دے
نہ شب کٹے نہ سُراغِ سحر دکھائی دے!!

ہمارا کیا ہے کہ ہم تو پسِ غبارِ سفر
اگر چلے بھی تو بس اِتنی راہ طے ہوگی!
کہ جیسے تیز ہواؤں کی زد میں نقشِ قدم
ذرا سی دیر کو اُبھر کے مِٹ جائے

پھر اِس کے بعد نہ منزل نہ رہگذار ملے!
حدِ نگاہ تلک دشتِ بے کنار ملے!!

ہماری سَمت نہ دیکھو کہ کوئی دیر میں ہم
قبیلۂ دِل و جاں سے بچھڑنے والے ہیں
بسے بسائے ہوئے شہر اپنی آنکھوں کے
مثالِ خانۂ ویراں اُجڑنے والے ہیں
ہوَا کا شور یہی ہے تو دیکھتے رہنا
ہماری عُمر کے خیمے اُکھڑنے والے ہیں

اب اِس کے بعد تمُہارے لیے ہیں رنگ سبھی
سبھی رتیں سبھی موسم تمہی سے مہکیں گے!
ہر ایک لَوحِ زماں پر تمہارے نام کی مُہر
ہر ایک صُبح تمہاری جبیں پہ سجدہ گذار
طلوُعِ مہرِ درخشاں، فروغِ ماہِ تمام!!
یہ رنگ و نوُر کی بارش تمہارے عہد کے نام
اَب اِس کے بعد یہ ہوگا کہ تُم پہ ہونا ہے
ورُودِ نعمت عُظمٰے ہو یا نزولِ عذاب!
تُمھی پہ قرض رہے گی تمہارے فرض میں ہے

دِلوں کی زخم شُماری، غمِ جہاں کا حِساب
گناہِ وصل کی لذّت کہ ہجرتوں کا ثواب؟
تمام نقش تمہی کو سنوارنا ہوں گے!
رگوں میں ضبط کے نشتر اُتارنا ہوں گے!!

اب اِس طرح ہے کہ گذرے دنوں کے ورثے میں
تمہاری نذر ہیں ٹکڑے شکستہ خوابوں کے

جلے ہوئے کئی خیمے' دریدہ پیراہن
بُجھے چراغ' لہو انگلیاں' فگار بدن
یتیم لفظ' ردا سوختہ انا کی تھکن
تُمھیں یہ زخم تو آنکھوں میں گھولنا ہوں گے
عذاب اور بھی پلکوں پہ تولنا ہوں گے

وہ یوُں بھی ہے کہ اگر حوصلے سلامت ہوں!
بہت کٹھن بھی نہیں رہگذارِ دشت جنوُں
یہی کہ آبلہ پائی سے جی نہ اُکتائے!!
جراحتوں کی مشقّت سے دِل نہ گھبرائے!

رگوں سے درد کا سیماب اس طرح پھوٹے
نشاطِ کَرب کا عالَم فضا پہ طاری ہو!
کبھی جو طبل بجے' مقتلِ حیات سجے!
تو ہر قدم پہ لہوُ کی سبیل جاری ہو!!

جو یوُں نہیں تو چلو اب کے اپنے دامن پر
بہ فیضِ کم نظری داغ بے شُمار سہی!
اُدھر یہ حل کہ موسم خراج مانگتا ہے
اِدھر یہ رنگ کہ ہر عکس آئینے سے خجِل
نہ دل میں زخم نہ آنکھوں میں آنسوؤں کی چمک
جو کچھ نہیں تو یہی رسمِ روزگار سہی!
نہ ہو نصیب رگِ گُل تو نوکِ خار سہی

جو ہو سکے تو گریباں کے چاک سِی لینا!

وگرنہ تُم بھی ہماری طرح سے جی لینا!

☆

دِل فکرِ دَوا سے بچ گیا ہے
اَب دَرد رگوں میں رَچ گیا ہے

ماتم تھا یہ کس کا شہرِ جاں میں
صحرا میں بھی شور مچ گیا ہے

رائج ہے زبان مصلحت کی
اَب شہر سے جھوٹ سچ گیا ہے

منصف کا حساب؟ خیر چھوڑو
قاتل کو تو قتل پچ گیا ہے

اَب گرد کی تہہ کو کیا ہٹائیں
ملبُوس یہ تن پہ جچ گیا ہے

محسنؔ وہ عجیب سخت جاں تھا
جو زہر بھی پی کے بچ گیا ہے

☆

خیال میں تیری آمد ہُوئی' ہُوئی نہ ہُوئی
غزل کا کیا ہے کہ سرزد ہوئی' ہوئی نہ ہوئی

تو اپنے عہدِ جفا کے اُفق سنبھال ذرا۔!
مری وفا کی کوئی حد ہوئی' ہوئی نہ ہوئی

ترے مزاجِ سخاوت کی برہمی قائم
مری دُعا پہ نہ جا' رَد ہوئی' ہوئی نہ ہوئی

تو آسماں پہ کہیں نصب کر خیامِ خیال
مری زمیں مری مسند ہوئی' ہوئی نہ ہوئی

یہ زندگی مری اپنی ہے' جس طرح بھی کٹے
رہینِ عکس اَب وَجد ہوئی' ہوئی نہ ہوئی

کچھ اور دیر بھڑکنے دو آنسوؤں کے چراغ
یہ روشنی سرِ مرقد ہوئی' ہوئی نہ ہوئی

بہت ہے اُس کی نظر' اُس طرف اُٹھے تو سہی

متاعِ دامنِ مقصد ہوئی، ہوئی نہ ہوئی

جسے مقامِ رضاؑ کی خبر نہیں محسنؔ!
اُسے زیارتِ "مشہد" ہوئی، ہوئی نہ ہوئی!

☆

سلطنت دِل میں ہی نہیں اُس کی،
آسماں تک ہے سرزمیں اُس کی

پھر پہاڑوں پہ برف پگھلی ہے
پھر دمکنے لگی جبیں اُس کی

دھیان رکھنا ہر ایک آہٹ پر،
شاید اُبھرے صَدا کہیں اُس کی

اب بھی روشن ہے زندگی اُس سے
اب بھی صورت ہے دلنشیں اُس کی

ہجر کی رُت عذاب ہے محسنؔ
عادتیں سب بدل گئیں اُس کی

☆

لہرائے سدا آنکھ میں پیارے ' ترا آنچل
جھومر ہے ترا چاند' ستارے ترا آنچل

اَب تک مِری یادوں میں ہے رنگوں کا تلاطُم
دیکھا تھا کبھی جھیل کنارے ترا آنچل

لپٹے کبھی شانوں سے کبھی زُلف سے اُلجھے
کیوں ڈُھونڈھتا رہتا ہے سہارے ترا آنچل

مہکیں تری خوشبو سے دہکتی ہوئی سانسیں
جب تیز ہوا خود سے اتارے ترا آنچل

آنچل میں رَچے رنگ نکھاریں تری زُلفیں
اُلجھی ہوئی زُلفوں کو سنوارے ترا آنچل

اس وقت ہے تتلی کی طرح دوشِ ہوَا پر
اس وقت کہاں بس میں ہمارے ترا آنچل

کاجل ترا بَہہ بَہہ کے رُلائے مجھے اَب بھی
رَہ رَہ کے مجھے اَب بھی پکارے ترا آنچل

☆

وہ دُعا بھی زَرِ تاثیر سے خالی دے گا
اور کیا تجھ کو ترے در کا سوالی دے گا

اُس سے مت پوچھ غمِ دہر کی تلخی کا علاج
مشورے جتنے بھی دے گا وہ خیالی دے گا

اُس کے لہجے میں کھنکتا ہے سَدا رِزقِ حرام
اُس سے خیرات نہ مانگو کہ وہ گالی دے گا

خود کو پہچان کبھی دِل کی کہانی میں اُتر
یہ سخنور تجھے کردار مثالی دے گا

فاختۂ تُند بگوُلوں میں گھری ہے محسؔن
کون اَب اُس کو ہَرے پیڑ کی ڈالی دے گا؟

☆

اُن کی سازش تو ہے رات باقی رہے
عُمر بھر ظلم کی ....بات باقی رہے

شہر جلتا رہے شہر کی فکر کیا؟
قاتلِ شہر کی ذات باقی رہے

جو ظاہر ہیں بازوُ یہ کٹتے رہیں
وہ جو خفیہ ہے وہ ہات باقی رہے

زخمِ دِل کی نمائشِ ضروری نہیں
لَب پہ حرفِ مُناجات باقی رہے

کوُئے دِلدار میں بِکنے والے بہت
سیم و زَر کی یہ برسات باقی رہے

شوق سے توڑ دِیجے تعلّق مگر
راستے کی ملاقات باقی رہے

اِک ستمگر کی ضِد ہے کہ محسنؔ یہاں
امن بھی ظلم کے ساتھ باقی رہے

☆

آتے جاتے ہُوئے لوگوں پہ نظر کیا رکھنا
لُٹ چکا شہر، فصیلوں کی خبر کیا رکھنا

بجھ گئی آنکھ تو اِک آدھ کرن کی خاطر
چھت میں سوراخ تو دیوار میں دَر کیا رکھنا

آئینہ زَد میں اگر ہے تو چٹخنے دے اُسے
دِل میں احساسِ کفِ آئینہ گر کیا رکھنا

صورتِ موجِ ہوا جن کو بکھر جانا ہو
ایسے الفاظ پہ بُنیادِ ہُنر کیا رکھنا

اَب یہی اَشک غنیمت ہیں تسلّی کے لیے
ہجر کی رات سے اُمیدِ سحر کیا رکھنا

موسمِ جشنِ جنُوں اَجر طلب ہے اب کے
دل میں احساسِ زیاں، دوش پہ سر کیا رکھنا

سیلِ خوُں اَب کے بہت تیز ہے محسنؔ میرے

شہر کا شہر گیا، گھر کی خبر کیا رکھنا؟

☆

دیکھنے میں وہ دِلدار ہے اور کیا؟
میری سوچوں کا شہکار ہے اور کیا؟

آدمی بے کفن لاش ہے اور بس!
آدمیّت عزدار ہے اور کیا؟

میرے پاؤں کی زنجیر ہے زندگی!
سانس بے ربط جھنکار ہے اور کیا؟

آسماں، رنگ، حدِّ نظر جو بھی ہے
میرے رستے کی دیوار ہے اور کیا!

دل سے مت پُوچھ رُودادِ ضبطِ سُخن
مُجرم حرفِ اقرار ہے اور کیا؟

تیرا محسنؔ، ملامت کی بارش میں تَر
جُرم یہ ہے کہ فنکار ہے اور کیا؟

صبحِ اوّل کے سوُرج

نئے سال کی صبحِ اوّل کے سوُرج!
مِرے آنسوؤں کے شکستہ نگینے
مِرے زخم دَر زخم بٹتے ہوُئے دِل کے
یاقوُت ریزے
تری نذر کرنے کے قابل نہیں ہیں
مگر میں
(ادُھورے سفر کا مسافر)
اُجڑتی ہوئی آنکھ کی سب شُعاعیں
فِگار اُنگلیاں
اپنی بے مائیگی
اپنے ہونٹوں کے نیلے اُفق پر سجائے
دُعا کر رہا ہوں
کہ توُ مسکرائے!
جہاں تک بھی تیری جوُاں روشنی کا
اُبلتا ہوُا شوخ سیماب جائے
وہاں تک کوئی دِل چٹخنے نہ پائے
کوئی آنکھ میلی نہ ہو، نہ کسی ہاتھ میں
حرفِ خیرات کا کوئی کشکول ہو!
کوئی چہرہ کٹے ضربِ افلاس سے
نہ مُسافر کوئی

بے جہت جگنوؤں کا طلب گار ہو
کوئی اہلِ قلم
مدحِ طَبل و علم میں نہ اہلِ حکم کا گُنہگار ہو
کوئی دَریُوزہ گر
کیوں پھرے در بدر؟
صبحِ اوّل کے سُورج
دُعا ہے کہ تیری حرارت کا خالق
مِرے گنگ لفظوں
مرے سرد جذبوں کی یخ بستگی کو
کڑکتی ہُوئی بجلیوں کا کوئی
ذائقہ بخش دے!
رَہ گزاروں میں دم توڑتے رہرووں کو
سفر کا نیا حوصلہ بخش دے!
میری تاریک گلیوں کو جلتے چراغوں کا
پھر سے کوئی سلسلہ بخش دے
شہر والوں کو میری اَنا بخش دے
دُخترِ دَشت کو دُودھیا کُہر کی اک رِدَا بخش دے

بھنور

وہ اکثر دِن میں بچّوں کو سُلا دیتی ہے اس ڈر سے

گلی میں پھر کھلونے بیچنے والا نہ آجائے

بجھتے ہوئے دِیئے کی دُعا کام کر گئی
اِک شب کی گود کتنے ستاروں سے بھر گئی

ماں کو تلاشِ رِزق نے رستہ بھلا دیا
بچّی ٹھٹھر کے رات کے سائے میں مر گئی

خود بارِ خستگی سے گِری چھت مکان کی
تہمت مگر بھٹکتی ہواؤں کے سر گئی

اس بار میرے گاؤں کے میلے کی بھیڑ میں
جو گُم ہوا وہ ایک بھکارن کا لال تھا!

تیرا فراق، دِل کی تباہی، رُتوں کا خوف
میرے لیے یہ سال قیامت کا سال تھا

درویش کو طلب تھی متاعِ خلوُص کی
مخلوُق چُپ رہی کہ یہ مشکل سوال تھا

ختم ہونے کو ہے سفر شاید
پھر ملیں گے کبھی --- مگر شاید

پھر مِلا اذنِ آبلہ پائی ---!
پھر بھٹکنا ہے دربدر شاید

اب کے شب آنکھ میں اُتر آئی
اب نہ دیکھیں گے ہم سحر شاید

شہر میں روشنی کا میلہ ہے
جل گیا پھر کسی کا گھر شاید

اوّلِ شام ستارے مِرے اشکوں کے گُہر
چاند لگتا ہے مِرا طوقِ گُلو آخر شب

میری شہ رگ سے اُبھرتی ہیں سحر کی کرنیں
میرے دامن پہ چمکتا ہے لہُو آخرِ شب

یوُں بجھے گھر میں سجاتا ہوں چراغوں کی قطار
جس طرح آج بھی آ جائے گا تو آخر شب

کچھ یوں کبھی شہر بھر میں پہیلی ہے ایک توُ
سب کی سہیلیاں ہیں، اکیلی ہے ایک توُ

شامِ سفر کا اور اثاثہ ہی کچھ نہیں۔!
اِک تیری بے چراغ ہتھیلی ہے، ایک توُ

قیدی کوئی تعزیر کے قابل ہی نہیں تھا
زنداں میں کہیں شورِ سلاسل ہی نہیں تھا

دے گی مِری ٹوٹی ہوئی تلوار گواہی۔!
میداں میں ہزیمت کا میں قائل ہی نہیں تھا

ہاں بہرِ تماشہ بڑی مخلوق تھی لیکن!
جو رونقِ مقتل ہو ۔ وہ بسمل ہی نہیں تھا

کبھی جو فرصت ملے تو دل کے تمام بے ربط خواب لکھوّں
تری ادا سے غزل تراشوں، ترے بدن پر کتاب لکھوّں

بجھے چراغوں کی لَو پگھلتے دِلوں کے احساس میں بھگو کر
میں آنے والی اُداس نسلوں کی زندگی کا نصاب لکھوّں

مرے شب و روز رائیگاں خواہشوں کی مِٹی سے اَٹ گئے ہیں
میں کس وَرق پر گئے دِنوں کی مشقّتوں کا حِساب لکھوّں

بچھڑ کے تجھ سے وہ کون ہے جس کے نام کردوں ہُنر اثاثہ
میں کیوں کوئی نظم کہہ کے سوچوں میں کس لیے انتساب لکھوّں

اُس کے اِک اِک حرف کی تہہ میں چاہت کا اِک دریا دیکھا
لیکن اُس کی آنکھ میں ہم نے اکثر پیاس کا صحرا دیکھا

درد کی رُت میں کون کسی کے زخم پہ مرہم رکھتا ہے
سردی ک راتوں میں ہم نے پورے چاند کو تنہا دیکھا

دنیا مجھی سے میرا پتہ پوچھتی رہی
میرا وجود گُم تھا کسی اور ذات میں

تیرا وصال تھا کہ زمانوں کی سلطنت!
لمحوں پہ تھی گرفت کہ صدیاں تھیں ہات میں

تو نے نفرت سے جو دیکھا تو مجھے یاد آیا۔!
کیسے رشتے تری خاطر یونہی توڑ آیا ہوں

کتنے دھندلے ہیں یہ چہرے جنہیں اپنایا ہے
کتنی اُجلی تھیں وہ آنکھیں جنہیں چھوڑ آیا ہوں

آجا کہ ابھی ضبط کا موسم نہیں گزرا
آجا کہ پہاڑوں پہ ابھی برف جمی ہے

خوشبو کے جزیروں سے ستاروں کی حدوں تک
اس شہر میں سب کچھ ہے بس اک تیری کمی ہے

نہ سو سکے گا وہ صحرا کہ جس نے عُمر کے بعد
ہوَا کے دوش پہ بادل کی مشک دیکھی ہے؛

مری صفائی میں شاید کوئی نکل آئے'
عدالتوں میں گواہوں کی بھیڑ رہتی ہے

خیامِ لشکرِ اعدأ میں کیوں نہ خاک اُڑے
فرات پر تو مِری تشنگی کے پہرے ہیں

ہمیں خبر تھی کہ صحرا میں منزلیں ہیں کہاں
قدم قدم پہ مگر بار بار ٹھہرے ہیں!

میں جانتا ہوں عدالت کی دسترس کو مگر
میں کیا کروں کہ مرے ہر طرف کٹھرے ہیں

کون ہے معتبر زمانے میں۔ا
کس کے وعدے پہ اعتماد کریں؟

بھول جانے کی عُمر بیت گئی!

آؤ اِک دوسرے کو یاد کریں!!

دن بھر خفا تھی مجھ سے مگر چاند رات کو
مہندی سے میرا نام لکھا اُس نے ہاتھ پر

یوُں ہم سے ہر گھڑی ہے گریزاں یہ کائنات
جیسے ہمارا حق ہی نہیں کائنات پر

اپنی ہتھیلیوں پہ لہوُ کے نشاں بھی گن
اے دوست اُنگلیاں نہ اُٹھا میری ذات پر

میں نے مہتاب کی کرنوں سے بچایا تھا جسے
دُھوپ اَوڑھے ہوئے پھرتا ہے وہ بازاروں میں

پلٹ کے آگئی خیمے کی سمت پیاس مری
پھٹے ہوئے تھے سبھی بادلوں کے مشکیزے

کبھی جو غم نے گھڑی بھر کو تھک کے سانس لیا
میں خوش ہوا کہ شبِ ہجرِ یار ڈھلنے لگی

شہیدِ مقتلِ کرب و بلا کا ضبط نہ پُوچھ

کہ ضربِ خنجرِ قاتل بھی ہاتھ مَلنے لگی!

کشش سفر کی تہہِ آب بھی جُدا نہ ہوئی
ندی کی ریت مرے ساتھ ساتھ چلنے لگی

بتا رہی ہے تھکن موج موج کی محسؔن
صدف کی تہہ میں کوئی بوند پھر سے پلنے لگی

کتنا چپ چاپ ہے ماحول مری بستی کا
ماتمی خانہ بدوشوں کے بسیروں جیسا

کیا کہیں اب کے عجب عشق ہوا ہے محسؔن
سرد شاموں کی طرح، گرم سویروں جیسا

مقروضِ غمِ دیدۂ تر ہے ترا محسنؔ
مُدّت سے یوُنہی خاک بسر ہے ترا محسؔن

شاید کسی رستے کی ہوَا تیری خبر دے!
اس واسطے مصرُوفِ سفر ہے ترا محسؔن

جو دوستی نہیں ممکن تو پھر یہ عہد کریں
کہ دُشمنی میں بہت دُور تک نہ جائیں گے

میں اپنی رُوح کی پوشاک اُس کو پہنا دوں
مگر یہ شرط کہ وہ بھی تمام میرا ہو۔!

تیرے ہجراں سے تعلق کو نبھانے کے لیے
میں نے اس سال بھی جینے کی قسم کھائی ہے

خیمئہ جاں

قتل چھپتے تھے کبھی سنگ کی دیوار کے بیچ
اَب تو کُھلنے لگے مقتل بھرے بازار کے بیچ

خیمہ جاں

محسن نقوی

انتساب

سیّد عباس نقوی

کے نام

☆

قتل چُھپتے تھے کبھی سنگ کی دیوار کے بیچ
اَب تو کھلنے لگے مقتل بھرے بازار کے بیچ

اپنی پوشاک کے چھن جانے پہ افسوس نہ کر
سَر سلامت نہیں رہتے یہاں دستار کے بیچ

سَرخیاں اَمن کی تلقین میں مصروف رہیں
حرف بارُود اُگلتے رہے اخبار کے بیچ

کاش اِس خواب کو تعبیر کی مُہلت نہ ملے
شعلے اُگتے نظر آئے مجھے گلزار کے بیچ

ڈھلتے سُورج کی تمازت نے بکھر کر دیکھا
سَر کشیدہ مِرا سایا صَفِ اشجار کے بیچ

رِزق، ملبُوس، مکاں، سانس، مرض، قرض، دَوا
مُنقسِم ہوگیا اِنساں انہی افکار کے بیچ

دیکھے جاتے نہ تھے آنسو مِرے جس سے محسنؔ
آج ہنستے ہوئے دیکھا اُسے اغیار کے بیچ

ابھی لکّھیں تو کیا لکّھیں

ہر اک جانب اُداسی ہے
ابھی سوچیں تو کیا سوچیں؟
ہر اک سُو ہو کا عالم ہے
ابھی بولیں تو کیا بولیں؟
ہر اک انسان پتھر ہے
ابھی دھڑکیں تو کیا دھڑکیں؟
فضا پر نیند طاری ہے
ابھی جاگیں تو کیا جاگیں؟
ہر اِک مقتل کی شہ رَگ میں
لہُو کی لہر جاری ہے
ابھی دیکھیں تو کیا دیکھیں؟

ہر اِک انسان کا سایہ
ابھی مٹّی پہ بھاری ہے
ابھی لکھیں تو کیا لکھیں؟

☆

معرکہ اَب کے ہُوا بھی تو پھر اَیسا ہو گا
تیرے دریا پہ مِری پیاس کا پہرہ ہوگا

اُس کی آنکھیں تیرے چہرے پہ بہت بولتی ہیں
اُس نے پلکوں سے ترا جسم تراشا ہو گا

کتنے جگنُو اِسی خواہش میں مِرے ساتھ چلے
کوئی رَستہ ترے گھر کو بھی تو جاتا ہوگا

میں بھی اپنے کو بُھلائے ہوئے پھرتا ہوں بہت
آئینہ اُس نے بھی کچھ روز نہ دیکھا ہوگا!

رات جَل تھَل مِری آنکھوں میں اُتر آیا تھا
صورت اَبر کوئی ٹوٹ کے برسا ہوگا

یا مسیحائی اُسے بھول گئی ہے محسنؔ
یا پھر ایسا ہے مِرا زخم ہی گہرا ہوگا

☆

تجھے رُسوائی کا ڈر ہے نہ آیا کر
بچھڑ جانا ہی بہتر ہے نہ آیا کر

کِسی شاداب قریے میں بسا خُود کو
یہ دِل اُجڑا ہوا گھر ہے نہ آیا کر

مِرا دُکھ تجھ کو بھی اِک دِن ڈبودے گا
بہت گہرا سمندر ہے نہ آیا کر

گزر جا آئینے جیسا بدن لے کر
یہاں ہر آنکھ پتّھر ہے نہ آیا کر

گزرتے اَبر کی بھیگی ہوئی بخشش!
زمیں صدیوں سے بنجر ہے نہ آیا کر

پلٹ جا اجنبی، وہموں کے جنگل سے
یہ پُر اسرار منظر ہے نہ آیا کر

بکھرتی ریت کی ڈھانپے گی سر تیرا؟
وہ خود بوسیدہ چادر ہے نہ آیا کر

خوشی کی رُت میں مُحسن کو منا لینا
یہ فضل دیدۂ تر ہے - - نہ آیا کر

☆

میں تنہائی کا حاصل ہو گیا ہوں
بھری دُنیا میں شامل ہوگیا ہوں

اُسے آساں سمجھ لینے کی دُھن میں
میں اپنے آپ مشکل ہوگیا ہوں

بہت پتّھر بنا ہُوں ٹوٹنے کو
مگر اِک چوٹ سے "دل" ہوگیا ہُوں

مِری فطرت رہی ہے قتل ہونا
مگر مشہور "قاتل" ہوگیا ہُوں

غبارِ ہمسفر کے ساتھ رہ کر
پسِ محرابِ منزل ہوگیا ہُوں

مجھے دریا سے مِلنے کی ہوس تھی
بکھر کر ریگِ ساحل ہوگیا ہُوں

کہا کل چاند نے بنجر زمیں سے
میں آبادی کے قابل ہوگیا ہُوں

ضروری تھا مِرا محسؔن سے مِلنا !!
میں خُود رَستے میں حائل ہوگیا ہُوں

☆

مِرے لفظوں کے سب جادُو تمہارے
صَدا کے ٹوٹتے گھنگھرو تمہارے

سُنا ہے دُھوپ جب ڈَستی تھی مجھ کو
بہت کُھلتے رہے گیسُو تمہارے

کہاں دَر دست آجاؤ کِسی دِن!
مِرے صحرا کے سب آنسو تمہارے

تمہارے لَب پہ میرے قہقہے ہیں!
مِری آنکھوں میں سب آنسو تمہارے

مِری راتوں کے دامن میں بھرے ہیں
سِتاروں کی طرح جگنُو تمہارے

ہَوا سے بولنا لیکن سنبھل کر
چُرالے گی سُخن خوشبو تمہارے

مِرے مشکیزے کا تسمہ نہ کھولو
مِری آنکھیں مِرے بازُو تمہارے

بہت روکا تھا محسنؔ سے نہ مِلنا
بہت چرچے ہین اَب ہر سُو تمہارے

☆

کبھی تُو مُحیطِ حواس تھا، سو نہیں رہا
میں ترے بغیر اُداس تھا، سو نہیں رہا

مِری وسعتوں کی ہوس کا خانہ خراب ہو
مِرا گاؤں شہر کے پاس تھا، سو نہیں رہا

تری دسترس میں تھیں بخششیں ، سو نہیں رہیں
مِرے لَب پہ حرفِ سپاس تھا، سو نہیں رہا

میرا عکس مجھ سے اُلجھ پڑا تو گرہ کھلی،
کبھی میں بھی چہرہ شناس تھا، سو نہیں رہا

مرے بعد نوحہ بہ لَب ہوائیں کہا کریں
وہ جو اِک درِیدہ لباس تھا، سو نہیں رہا

میں شکستہ دِل ہوں صفِ عدُو کی شکست پر
وہ جو لُطفِ خوف و ہراس تھا، سو نہیں رہا

☆

ذرا سی خاک سَدا بال و پَر میں رکھتے ہیں
ہم اپنے ساتھ زمیں کو سفر رکھتے ہیں

اُداسیاں بھی بَساتے ہیں اپنے سینے میں
نشانِ وُسعتِ صحرا بھی گھر میں رکھتے ہیں

بہت اُداس نہ ہو شامِ بے چراغ کہ ہم!
سحر کی روشنیاں چشمِ تر میں رکھتے ہیں

ہمارے سچ کی گواہی پہ اُنگلیاں نہ اُٹھا
یہی تو عیب ہم اپنے ہُنر میں رکھتے ہیں،

☆

بجُز اپنے لفظوں کے خزانے کھولتا کب تھا
وہ آنکھیں سوچتی کب تھیں وہ چہرہ بولتا کب تھا؟

اُسے خُود کو گنوانے کا ہُنر بخشا ہے کِس رُت نے؟
وہ اپنا عکس گہرے پانیوں میں گھولتا کب تھا!

میں ڈرتا ہُوں یہ فصلِ ہجر کی سازش نہ ہو ورنہ
وہ اپنے قیمتی آنسو ہَوا میں رولتا کب تھا؟

یقیناً پھُوٹتی ہیں مِستیاں اُس کی اَداؤں سے
وگر نہ رُو برو اُس کے زمانہ ڈولتا کب تھا؟

غلط فہمی کے سائے درمیاں بچھتے گئے محسنؔ
میں اُس کے سامنے ہر بات پہلے تولتا کب تھا؟

☆

رونقِ رہگزر ہے تنہائی
پھر مِری ہمسفر ہے تنہائی

چاند کیوں ماند پڑتا جاتا ہے
تُو ہے یا بام پر ہے تنہائی

کیا مسیحاؤں کو تلاش کریں
زخم کی چارہ گر ہے تنہائی

شامِ غم اوڑھ کر ہی سو جاؤ
شامِ غم سے اُدھر ہے تنہائی

قِسمتِ رنج و غم ہے سنّاٹا
حاصلِ چشمِ تر ہے تنہائی

کرچیوں سے بھی عکس چُنتی ہے
سنگدل کِس قدر ہے تنہائی

جن کے مہماں ہوں شب کے اندیشے
ایسے لوگوں کا گھر ہے تنہائی

لمحہ بھر کو ہے ساتھ سانسو کا
اور پھر عُمر بھر ہے تنہائی!

جانے کس کی تلاش میں محسنؔ
آج کل دَربدر ہے تنہائی

☆

لبوں پہ حرف رَجَز ہے زِرَہ اُتار کے بھی
میں جشنِ فتح مَناتا ہُوں جنگ ہار کے بھی

اُسے لُبھا نہ سکا میرے بعد کا موسم!
بہت اُداس لگا خال و خد سنوار کے بھی

اَب ایک پَل کا تغافُل بھی سہہ نہیں سکتے
ہم اہلِ دل کبھی عادی تھے اِنتظار کے بھی

وہ لمحہ بھر کی کہانی کہ عُمر بھر میں کہی!
ابھی تو خُود سے تقاضے تھے اختصار کے بھی

زمین اوڑھ لی ہم نے پہنچ کے منزل پر
کہ ہم پہ قرض تھے کچھ گردِ رہگزار کے بھی

مجھے نہ سُن مِرے بے شکل اب دکھائی تو دے
میں تھک گیا ہُوں فضا میں تجھے پکار کے بھی

مِری دُعا کو پلٹنا تھا پھر اِدھر محسنؔ
بہت اُجاڑ تھے منظر اُفق سے پار کے بھی

☆

مثالِ مَوجِ ہوا دَربدر وہ ایسا تھا
بچھڑ کے پھر نہ مِلا، ہمسفر وہ ایسا تھا

خُود اپنے سرلیا الزامِ بے وفائی تک!
کہا نہ کچھ بھی اُسے، معتبر وہ ایسا تھا

اُسے بسائے ہوئے تھی بَلا کی ویرانی!
دیارِ ہجر میں آباد گھر وہ اَیسا تھا

کہ جیسے چاند مُسافت سے ماند پڑ جائے
پسِ غلافِ غبارِ سَفر وہ ایسا تھا

نہ دوشِ اہلِ حَکَم پر نہ زیرِ تاجِ شہی!
سِناں کی نوک پہ جچتا تھا، سَر وہ ایسا تھا

بس ایک خواب نے نیندیں نچوڑ لیں اپنی!
سَما گیا مِری نَس نَس میں، ڈر وہ ایسا تھا

لہُو لہُو مِری آنکھیں، ہیں تار تار قبا
کہ حادثہ ہی مری جاں مگر وہ اَیسا تھا

زمیں پہ اُس کے کٹے بازووں کا سایہ ہے!
عدُو کے سامنے سینہ سِپر وہ ایسا تھا

اُس کا کام تھا زخموں کی پَرورش محسنؔ
اُسی کے نام دُعا، چارہ گر وہ ایسا تھا!

☆

نہ شورشِ غمِ دَوراں نہ خُود سری اپنی
بہت دِنوں سے ہے گُم صُم سخنوری اپنی

سُپردِ آئینہ کرتا نہ تھا وہ عکس اپنا
اُسے عزیز تھی کس درجہ دِلبری اپنی

یہ دوپہر تو ڈھلے، تجھ کو راکھ ہونا ہے
جتا نہ خاک نشینوں پہ برتری اپنی!

نہ شوقِ خانہ بدوشی نہ وسعتوں کی ہَوس
بَسا گئی ہمیں صحرا میں بے گھری اپنی

اُجاڑ دِل یہی چُپ چُپ سا کوہِ قاف اپنا
یہیں کہیں کبھی رہتی تھی اِک پَری اپنی!

اُسی کا نقش ہے اب تک متاعِ جاں محسنؔ
ہُوئی تھی جس سے مُلاقات سَر سَری اپنی

☆

اَب اور دَربَدر کا عذاب کیا سہنا؟
یہ شہرِ کم نظراں ہے اَب اِس میں کیا رہنا؟

یہاں تو چُپ ہی بھلی ہے کہ اُنگلیاں نہ اُٹھیں
کسی کے حق میں، کسی کے خلاف کیا کہنا؟

کِنارِ چشم سے اُس سَمت، کُنجِ دل سے اِدھر
لہُو کی بُوند کبھی اپنی مَوج میں بہنا!!

کبھی بہت تھے مِرے ساتھ جاگنے والے!
کبھی یہ چاند بھی لگتا تھا رات کا " گہنا "

☆

ہوس کی آگ کا حال نہ پُوچھو!
کہ سُورج بھی ستارے بھانکتا ہے

ہوا میں بانٹ دیتا ہے وہ خُوشبو
گلاب اپنے بدن پہ ٹانکتا ہے

مرے خوابوں سے اوجھل ہے مگر وہ
مری نیندوں سے مجھ کو جھانکتا ہے

مسافت کی تھکن پُوچھو اُسی سے
وہ چرواہا جو ریوڑ ہانکتا ہے

مری پلکوں کے آنسو کون محسنؔ
رِدائے شامِ غم پر ٹانکتا ہے!

☆

تو مرے ہمراہ چلتا اور دُنا دیکھتی
رات کو سُورج نہ ڈھلتا اور دُنیا دیکھتی

میری سانسوں کی تپش سے تیرا مَر مَر سا بدن
برف کی صورت پگھلتا اور دُنیا دیکھتی

میری آنکھیں مسکراتیں شامِ شہرِ ہجر پر
وقت خود سے ہاتھ مَلتا اور دُنیا دیکھتی

شہر بھر کی روشنی بُجھتی مری دہلیز پر!
بَن سنور کر تو نکلتا اور دُنیا دیکھتی

کاش اِک باغی سِتارے کی طرح آنسو مِرا
تیری پلکوں پر مچلتا اور دُنیا دیکھتی!

پیاس پی لیتی سمندر کی رگوں کے ذائقے
سیپیاں، صحرا اُگلتا اور دُنیا دیکھتی

یا سبھی آنگن اندھیرے پھانکتے محسنؔ
یا۔ دِیا ہر گھر میں جلتا اور دُنیا دیکھتی!!

حیثیت!

یہ خوبرو لوگ جن کی آنکھیں
تُمھارے اُجلے بدن پہ چسپاں
تُمہارے نقشِ قدم کی خوشبو میں
ثبت ایسے
بھنور میں جیسے حِنا کے پتّے

میں سوچتا ہوں
کہ اتنی آنکھوں کے دائروں میں
مری اکیلی اُداس آنکھوں کی حیثیت کیا؟
مِری وفا کا مقام کیا ہے؟
مِرے محبت کا نام کیا ہے؟؟

۲۲ ستمبر ۱۹۹۵ء لاہور

مجھے بُجھاؤ تو ______ !

مجھے بجھاؤ تو سوچ لینا!
تمہارے گھر میں اُداسیاں جب
سیاہ راتوں کو تن پہ اوڑھے
کٹھن اندھیرے چھڑکنے آئیں
تو کیا کرو گی؟

۲۲ ستمبر ۱۹۹۵ء

☆

خود اپنے سائے پہ بارِ گراں تھے ہم جیسے
کھلا کہ شہر میں بَس رائیگاں تھے ہم جیسے

ہمیں سے شب کے اندھیرے لپٹ کے سوئے تھے
کِھلی جو دھوپ تو خود بے اَماں تھے ہم جیسے

زمیں کے تَن پہ ہمارے لہُو کی چادر تھی
خود اپنی ذات میں اِک آسماں تھے ہم جیسے

ہمارے پاؤں تلے موج مارتا تھا فُرات
یہ اور بات کہ تشنہ وَہاں تھے ہم جیسے

یہ تاج و تخت رہے اپنی ٹھوکروں میں سَدا
کہ سر فرازِ صلیب و سِناں تھے ہم جیسے

تمہارے لَمس کی حیرت سے آئینہ ٹھہرے
وگرنہ دِید کے قابل کہاں تھے ہم جیسے

☆

بُول جانا بھی اُسے یاد کرتے رہنا
اَچّھا لگتا ہے اِسی دُھن میں بِکھرتے رہنا

ہجر والوں سے بڑی دیر سے سیکھا ہم نے
زندہ رہنے کے لیے جاں سے گزرتے رہنا

کیا کہوں کیوں مِرے نیندوں میں خلل ڈالتا ہے
چاند کے عکس کا پانی میں اُترتے رہنا!

میں اگر ٹوٹ بھی جاؤں تو پھر آئینہ ہُوں
تم مرے بعد بہر طور سنورتے رہنا،

گھر میں رہنا تو بکھرے ہوئے سائے چُن کر
زخم دیوار و دَر و بام کے بھرتے رہنا

شام کو ڈوبتے سورج کی ہے عادت محسؔن
صبح ہوتے ہی مرے ساتھ اُبھرتے رہنا

☆

زندگی کیا ہے، کبھی دِل مجھے سمجھائے تو!
موت اچھی ہے اگر وقت پہ آجائے تو!!

مجھ کو ضد ہے کہ جو ملنا ہے، فلک سے اُترے
اُس کی خواہش ہے کہ دامن کوئی پھیلائے تو

کتنی صدیوں کی رفاقت میں اُسے پہناؤں!
شرط یہ ہے مسافر کبھی لَوٹ آئے تو!

خواب در خواب نئی نیند نہاؤں -- لیکن
میرا ماضی میرا بچپن کبھی دُہرائے تو

میری آنکھوں میں یہ رِم جھم یہ دَھنک دھوپ فضا
ایسے موسم میں وہ آنچل کہیں لہرائے تو

دُھوپ محسنؔ ہے غنیمت مجھے اب بھی لیکن
میری تنہائی کو سایہ مرا بہلائے تو

☆

جب آنکھ میں کچھ خاک سی اُڑتی نظر آئی
سمجھے سبھی خُوش فہم کہ حَدّ سفر آئی

اِک عُمر تو جاگے تھے کہ چھَٹ جائے اندھیرا
پَل بھر کو لگی آنکھ تو مِلنے سَحر آئی!

میں نے تو وَرق پر ابھی لکھنا تھے کئی نام
دُھندلی سی یہ تصویر کہاں سے اُبھر آئی؟

دِل میں ہے عجب ساعتِ نَو روز کا عالَم
بُھولی ہُوئی اِک یاد سرِ شام گھر آئی؟

شاید اِسے کہتے ہیں تمنّا کی تلافی!
ہونٹوں پہ تبسّم تھا کہ پھر آنکھ بھر آئی؟

پلکوں پہ نہ آنسو نہ ستارے نہ چراغاں!
تُو آج شبِ ہجر، مری جاں کِدھر آئی؟

اُس نے بھی کیا راہ بدلنے کا ارادہ!
صد شُکر محبت بھی کسی موڑ پر آئی

اِک راحتِ اعزاز سَجی تیری جَبیں پر
اِک تُہمتِ پیہم تھی کہ محسؔن کے سر آئی

☆

رہِ وفا کے لیے ساز و رخت جمع کروں
کہاں تلک جگرِ لخت لخت جمع کروں؟

کمک مِلی ہے تو اُدھڑی زمیں پہ سوچتا ہُوں
کہ پھر سے مُہر و علم، تاج و تخت جمع کروں!

میں زخم زخم سہی پھر بھی ضِد غنیم کی ہے!
کہ دست بستہ سبھی سنگِ سخت جمع کروں

لگاؤں پھر سے "پنیری" جَلی زمینوں میں
میں آندھیوں کے لیے پھر درخت جمع کروں

زرِ دُعا نہ اُڑا لے ہَوا تو میں بھی کبھی
بجھے بجھے ہوئے ہاتھوں پہ بخت جمع کروں

جلوسِ اہلِ "بغاوت" کی دُھن ہے گر محسنؔ
تو ہاتھ کھر درے، چہرے کرخت جمع کروں

وُہی سب کچھ سہی لیکن ____!

وُہی آنکھیں ہیں
جِن میں زندگی نے خواب لکّھے تھے!
وُہی پلکیں ہیں جن پر
میرے ہونٹوں کی شُعاعوں نے
چُنی تھی کہکشاں اکثر!
وُہی لَب، جن سے لفظوں کے ستارے ٹوٹ کر
میری غزل میں سانس لیتے تھے،
وُہی چہرہ ____ جو حَرف وصَوت کے ہر دائرے میں
مرکزی نقطہ'
وُہی گردن' کہ جس میں عقدِ مرجاں، آئنہ بندی کا خمیازہ'
وُہی بازو، جنہیں میرے بدن کا لمس اکثر
بے کراں چاہت کی رُت سے
آشنا کرتا
وُہی سب کچھ ____ مگر اِک فرق واضح ہے
کہ اَب اُس کی طبعیت میں سمندر کا تموّج ہے
ہی سَب کچھ ____ مگر اَب اِس طرح لگتا ہے جیسے
ہم میں نادیدہ فصلیں کھِچ گئیں خُود سے
کبھی میری محبت سے اَٹے مہتاب کی راتیں
گھنی راتیں!
اُسے اَچھی نہیں لگتیں
کبھی بے رَبط و بے خواہش ملاقاتیں

اُسے اَچھی نہیں لگتیں

وُہی سب کچھ سہی لیکن ــــــ اَب ایسا ہے
مِیر باتیں ــــــ اُسے اچھی نہیں لگتیں،

۱۴ اکتوبر ۱۹۹۵ء

☆

محبتوں میں ہَوس کے اَسیر ہم بھی نہیں
غلط نہ جان کہ اتنے حقیر ہم بھی نہیں

نہیں ہو تم بھی قیامت کی تُندوتیز ہَوا!
کسی کے نقشِ قدم کی لکیر ہم بھی نہیں،

ہماری ڈُوبتی نبضوں سے زندگی تو نہ مانگ
سخی ہو ہیں مگر اِتنے امیر ہم بھی نہیں

کَرم کی بھیک نہ دے، اپنا تخت بخت سنبھال
ضرورتوں کا خُدا تُو، فقیر ہم بھی نہیں

شبِ سیاہ کے "مہمان دار" ٹھرے ہیں
وگر نہ تیرگیوں کے سفیر ہم بھی نہیں،

ہمیں بُجھا دے، ہماری اَنا کو قتل نہ کر
کہ بے ضَرر ہی سہی بے ضمیر ہم بھی نہیں

☆

جب وہ کھلتے گلاب جیسا تھا

میں نے دیکھا تھا اُن دِنوں میں اُسے
جب وہ کھلتے گُلاب جیسا تھا
اُس کی پلکوں سے نیند چَھنتی تھی
اُس کا لہجہ شراب جیسا تھا
اُس کی زُلفوں سے بھیگتی تھی گھٹا
اُس کا رُخ ماہتاب جیسا تھا
لوگ پڑھتے تھے خال و خَد اُس کے
وہ اَدب کی کتابِ جیسا تھا
بولتا تھا زبان خُوشبو کی - - !
لوگ سنتے تھے دھڑکنوں میں اُسے
میں نے دیکھا تھا اُن دِنوں میں اُسے
ساری آنکھیں تھیں آئنے اُس کے
سارے چہرے میں انتخاب تھا وہ!
سب سے گُھل مل کے اجنبی رہنا
ایک دریا نُما سَراب تھا وہ!
خواب یہ ہے کہ وہ "حقیقت تھا "
یہ حقیقت ہے کوئی خواب تھا وہ
دل کی دھرتی پہ آسماں کی طرح
صُورت سایہ و سحاب تھا وہ

اپنی نیندیں اُسی کی نذر ہُوئیں
میں نے پایا تھا رتجگوں میں اُسے

میں نے دیکھا تھا اُن دِنوں میں اُسے
جب وہ ہنس ہنس کے بات کرتا تھا
دل کے خیمے میں رات کرتا تھا

رنگ پڑھتے تھے آنچلوں میں اُسے
میں نے دیکھا اُن دِنوں میں اُسے

یہ مگر دیر کی کہانی ہے
یہ مگر دُور کا فسانہ ہے
اُس کے میرے ملاپ میں حائل
اَب تو صدیوں بھرا زمانہ ہے
اب تو یوں ہے حال اپنا بھی
دشتِ ہجراں کی شام جیسا ہے

کیا خبر اِن دنوں وہ کیسا ہے؟
میں نے دیکھا تھا اُن دنوں میں اُسے

۱۷ اکتوبر ۱۹۹۵ء
۱۲ بجکر ۴۵ منٹ
P.C لاہور

☆

پتّوں کی طرح خود سے بکھرتے ہوئے کچھ لوگ
آپس میں بھی ملتے ہیں تو ڈرتے ہوئے کچھ لوگ

یہ دِل بھی عجب آئینہ خانہ ہے کہ اِس میں
آباد ہیں ہر لمحہ سنورتے ہوئے کچھ لوگ

اُبھرے جو کوئی چاپ تو جی اُٹھتے ہیں پھر سے
ہر سانس میں دَم توڑتے، مرتے ہوئے کچھ لوگ

صحراؤں کی وُسعت پہ عجب طنز ہیں محسنؔ
چڑھتے ہوئے دریا میں اُترتے ہُوئے کچھ لوگ

یہ کتنا مختصر سچ ہے!

وہ کہتا تھا____!
بدن کاغذ کی ناؤ ہے
اِسے گیلا نہ ہونے دے!

۱۱ اکتوبر ۱۹۹۵
۱-۱۰ دوپہر

بعض اوقات........!

بعض اوقات شب کے پچھلے پہر
اک اکیلے اُجاڑ جنگل میں
جب اندھیرے کے واہموں کا غبار
آنکھ پر ثبت کردے خوف کی مُہر
ایسی گُم صُم فضا کے سائے مین
ہر بھٹکتے ہوئے مسافر کو
جلتا بُجھتا ہُوا بَس اِک جگنُو
ایک "سُورج" دکھائی دیتا ہے

۱۱ اکتوبر ۱۹۹۵ء
سہ پہر ۱/۲ ۴ بجے

ہَوا_____! کیوں بھول جاتی ہے؟

ہَوا کیوں بھول جاتی ہے؟
کہ اپنے رتجگے تیرا اثاثہ
ہماری جاگتی راتوں کی ساری کرچیاں
آنکھوں میں چُبھتی ہیں
تو کیا کچھ یاد آتا ہے!!
سفر' آوارگی' ہجر و وصالِ دلفگاراں
محفلِ لالہ رُخاں، عکسِ ہجومِ گلعذاراں

نکہتِ فصلِ بہاراں
ماتم یاراں!
ہَوا ___ اَندھی ہوا ___!!
جب بھی تھکے ہارے پرندوں کی طرح
خود ٹوٹ کر بکھرے ہُوئے پتّے
زمیں کی خاک سے چُنتی ہے
بھٹکے رہرووں کے نقشِ پا
رَستوں کی پتھریلی ہتھیلی سے اُٹھاتی ہے
کسی اُجڑے کھنڈر کی خامشی
جب سَنسناتی ہے!
ہَوا، کیوں بھول جاتی ہے؟
کہ ہم اپنے کواڑوں کو تری دستک سے پہلے
اپنے بوسیدہ گریبانوں کی صُورت کھول دیتے ہیں
تری خاطر ہم آنکھوں میں
ستارے گھول دیتے ہیں
(مگر کب تک؟)
مگر کب تک؟
تجھے تو خیر یوں بھی راس ہے
صدیوں کا سنّاٹا، سفر، آوارگی
موسم کی بے مہری!
مگر کب تک؟
ہماری دُکھتی آنکھوں میں یہ چُبھتے رتجگے کب تک؟
خود اپنے آپ سے ملنے میں حائل "فاصلے" کب تک؟
ہَوا، کیوں بھول جاتی ہے؟
کہ ہم تیرے سِوا اپنے بھی "کچھ لگتے" تو ہیں آخر!

ہوا، تجھ سے جو ممکن ہو
تو صدیوں کی تھکن اشکوں سے دھونے دے،
ہمیں کھل کر بھی رونے دے!
دلِ بے مہر کو چبھتے ہُوئے خوابوں کے
پس منظر میں کھونے دے!!
ہوا، پل بھر کو سونے دے!!

بدھ ۱۱ اکتوبر ۱۹۹۵ء
۹-۳۰ بجے رات

☆

بدن میں اُتریں تھکن کے سائے تو نیند آئے
یہ دِل کہانی کوئی سُنائے تو نیند آئے

بُجھی بُجھی رات کی ہتھیلی پہ مُسکرا کر!
چراغِ وعدہ کوئی جلائے تو نیند آئے

ہَوا کی خواہش پہ کون آنکھیں اُجاڑتا ہے؟
دِیے کی لَو خُود سے تھرتھرائے تو نیند آئے

تمام شب جاگتی خموشی نے اُس کو سوچا!
وہ زیرِ لَب گیت گنگنائے تو نیند آئے

بَس ایک آنسو بُہت ہے محسؔن کے جاگنے کو
یہ اِک سِتارہ کوئی بجھائے تو نیند آئے

مجھے معلُوم ہے سب کچھ

مجھے معلوم ہے سب کچھ!
کہ وہ حرفِ وفا سے اجنبی ہے!
وہ اپنی ذات سے ہٹ کر
بہت کم سوچتی ہے!
وہ جب بھی آئنہ دیکھے
تو بَس اپنے ہی خال و خد کے
تیور دیکھتی ہے ___!!
اُسے اپنے بدن کے زاویے، قوسیں، مثلث، مستطیلیں
بازوؤں کی دسترس میں رقص کرتی خواہشوں کی سب اُڑانیں
قیمتی لگتی ہیں سیم و زر کے پوشیدہ خزانوں سے!
زمینوں، آسمانوں میں رَواں روشن زمانوں سے!!
وہ لمحہ لمحہ اپنے ہی تراشیدہ کُروں میں
گھومتی ہے!
وہ بارش میں نہائی دُھوپ کے آنگن میں
رکھلتی، رکھلتی، ہنستی ہری بیلوں کی شہ رگ سے
نچڑتی، ناچتی بوندوں کی پی کر
جُھومتی ہے!!
اُسے اپنے سِوا، دُنیا کی ہر صُورت، ہر اِک تصویر
بے ترتیب لگتی ہے،
مجھے معلوم ہے سب کچھ

کہ وہ رنگوں بھرے منظر، دھنک کے ذائقے
اُجلی فضا کی خوشبوئیں، جھلمل شعاعیں
اپنی بینائی کے حلقوں میں مقیّد کر کے اپنی مسکراہٹ
کے دریچے کھولتی ہے
کہ وہ اقرار کے لمحوں میں کم کم بولتی ہے!!
مجھے معلوم ہے سب کچھ
مگر "معلوم" ہی سب کچھ نہیں ہے
کہ اِس "معلوم" کی سرحد کے اُس جانب
فِشارِ آگہی کا آسماں ہے
خود فراموشی، خموشی کی زمیں ہے
جہاں ظاہر کی آنکھوں سے ابھی "معدوم" ہے سب کچھ
مجھے معلوم ہے سب کچھ
مگر معلوم ہے سب کچھ نہیں ہے!!

جمعرات ۱۴، اکتوبر ۱۹۹۵ء
دوپہر ۲-۳۲-۱

ہوا ضِدّی بہت ہے

ہوا ضِدّی بہت ہے!
شاخ پر اِک پھول تک رہنے نہیں دیتی
روِش پر خاک اُڑاتی ہے
تو اُس کی دُھول تک رہنے نہیں دیتی

ہَوا کی ضِد پہ

شاخیں کب تلک خوشبو سنبھالیں گی؟
کہ پھولوں کی مہکتی پتیوں کی
نرم و نازُک سی رگیں آخر
ہَوا کے کھردرے ہاتھوں سے چھل جائیں
تو موسم زرد پڑ جائے ــــ!!
ہَوا ضِد پر جو اَڑ جائے
تو پیڑوں کی جڑیں مٹّی کی تہہ میں
ــــــ ٹوٹ جاتی ہے
سنبھالو سانس کا ریشم
کہ آوارہ ہَوا کے تُند خو جھونکے سے چُھو جائیں
تو آپس میں جُڑی سانسیں بھی اکثر چھوٹ جاتی ہیں
سنبھالو اپنے سائے کو
کہ آپس میں بچھڑنے کی یہی رُت ہے
----ہَوا ضِدّی بہت ہے!!

اتوار ۱۵ اکتوبر ۱۹۹۵ء

دوپہر ۵۰-۱۲

ترے ملنے کا اِک لمحہ

ترے ملنے کا اِک لمحہ!
بَس اِک لمحہ سہی ____ لیکن
بکھر جائے تو موسم ہے
وفا کا بے کراں موسم!
اَزل سے مہرباں موسم!!
یہ موسم آنکھ میں اُترے
تو رنگوں سے دہکتی روشنی کا
عکس کہلائے!

یہ موسم دِل میں ٹھہرے تو
سُنہری، سوچتی صدیوں کا
گہرا نقش بن جائے!!

ترے ملنے کا اِک لمحہ ____
مقدّر کی لکیروں میں
دھنک بھرنے کا موسم ہے!
یہ موسم،
خُوبصورت شاعری کرنے کا موسم ہے!!

اتوار ۱۵ اکتوبر
P.C لاہور

☆

سفر تنہا نہیں کرتے !
سنو، ایسا نہیں کرتے

جسے شفاف رکھنا ہو!
اُسے "میلا" نہیں کرتے

تری آنکھیں اِجازت دیں
تو ہم کیا کیا نہیں کرتے؟

بہت اُجڑے ہوئے گھر پر
بہت سوچا نہیں کرتے

سفر جس کا مقدّر ہو،
اُسے روکا نہیں کرتے!

جو مِل کر خود سے کھو جائے
اُسے رُسوا نہیں کرتے

چلو، تُم راز ہو اپنا - - !
تمھیں افشا نہیں کرتے

یہ اُونچے پیڑ کیسے ہیں؟
کہیں سایا نہیں کرتے!

جو دُھن ہو، کر گزرنے کی
تو پھر سوچا نہیں کرتے

کبھی ہنسنے سے ڈرتے ہیں
کبھی رویا نہیں کرتے

تری آنکھوں کو پڑھتے ہیں
تجھے دیکھا نہیں کرتے

سحر سے پُوچھ لو محسنؔ!!
کہ ہم سویا نہیں کرتے!

☆

دِیا خُود سے بُجھا دینا
ہَوا کو اور کیا دینا؟

سِتارے تو نچے والو!
فلک کو آسرا دینا - !!

کبھی اس طور سے ہنسنا
کہ دنیا کو رُلا دینا -!

کبھی اس رنگ سے رونا -!
کہ خود پر مُسکرا دینا

میں تیری دسترس چاہوں!
مجھے ایسی دُعا دینا!!

میں تیرا بَر ملا مجرم -!
مجھے کُھل کر سزا دینا!!

میں تیرا مُنفرد ساتھی!
مجھے ہٹ کر جزا دینا -!!

مِرا سَر سب سے اُونچا ہے
مجھے "مقتل" نیا دینا -!

مجھے اچھا لگے محسؔن
اُسے پا کر گنوا دینا

☆

رَگوں میں زہر بھر لینا
بدن آباد کر لینا!

سَدا بجھتے چراغوں سے
سُراغِ ہمسفر لینا -!

ہمارے "جشنِ ماتم" میں!
گھڑی بھر کو سنور لینا

گھٹن شہروں کی ڈس لے گی
کسی صحرا میں گھر لینا

اُسے مت بے وفا کہنا
یہ تہمت اپنے سَر لینا

بس اِک لمحے کا دُکھ دے کر
دُعائیں عُمر بھر لینا - !!

دُکانِ رنگ سے محسؔن
کسی "تِتلی" کے پَر لینا

بہت حسّاس اِنسانوں کے ساتھی!

تمہاری انگلیوں کی نرم پوریں
جُھلستی سوچ کا تنہا اثاثہ
خزاں کے زرد موسم پر نہ جاؤ
تمہاری یاد کا جنگل ہرا ہے
یہی جنگل گھنے سایوں کی چاہت سے بھرا ہے

بہت حسّاس اِنسانوں کے ساتھی!
بہت جاگا کرو میری طرح سے
کہ تُم پر بھی کسی شب کی اُداسی
بے رَدا آشفتگی کی سَر سَراہٹ

اگر اَیسا نہیں تو ____ اِس طرح ہے
کہ تم اپنے لہُو کی شوخ، لَو دیتی تمازت
جھلستی سوچ، اپنی انگلیوں کی نرم پوریں
مرے لمحوں کے سب چھبتے شکستہ آئنوں پر ثبت کردو،
مجھے اشکوں کے اُس جانب بھی اِک دن
تمہی کو کھوجنا ہے
تمہیں اپنی طرح سے سوچنا ہے!!
بہت حسّاس انسانوں کے ساتھی!

۲۳ا کتوبر ۱۹۹۵ء

وہ میں نہیں ہوں

وہ آنکھوں آنکھوں میں بولتی ہے
تو اپنے لہجے میں
کچی کلیوں کی نکہتیں
اَدھ کھلے گلابوں کا رَس
خُنک رُت میں شہد کی موج گھولتی ہے

وہ زیرِ لب مسکرا رہی ہو
تو ایسے لگتا ہے
جیسے شام و سحر گلے مل کے اَن سُنی لے میں گنگنائیں
صبا کی زلفیں کُھلیں
ستاروں کے تر سانسوں میں جھنجھنائیں
وہ اَبروؤں کی کماں کے سائے میں
چاہتوں سے اَٹی ہُوئی دھوپ
راحتوں میں کھلی ہوئی چاندنی
کے موسم نکھارتی ہے
وہ دل میں خواہش کی لہر لیتی ضِدیں،
خیالوں کی کرچیاں تک اُتارتی ہے!
ہوا کی آوارگی کے ہمراہ اپنی زُلفیں سَنوارتی ہے!!

کبھی وہ اپنے بدن پہ اُجلی رُتوں کا ریشم پہن کے نکلے

تو کتنے رنگوں کے دائرے

سِلوٹوں کی صورت میں ٹوٹتے ہیں

وہ لَب ہلائے تو پھول جھڑتے ہیں

اُس کی باتیں؟

کہ جیسے رَبِّ دیارِ یاقوت سے شعاعوں کے اَن گنت

تار پھوٹتے ہیں!!

وہ سر سے پاؤں تلک

دھنک، دُھوپ، چاندنی ہے!

دُھلے دُھلے موسموں کی بے ساختہ

غزل بخت شاعری ہے!!

(مرے ہُنر کے سبھی اثاثوں سے قیمتی ہے)

وہ مُجھ میں گُھل مل گئی ہے لیکن

ابھی تلک مجھ سے اجنبی ہے،

کسی اُدھوری گھڑی میں

جب جب وہ بے ارادہ محبتوں کے

چُھپے چُھپے بھید کھولتی ہے!

تو دل یہ کہتا ہے

جس کی خاطر وہ اپنی "سانسیں"

وفا کی سُولی پہ تولتی ہے

وہ آسماں زاد، کہکشاں بخت ___ (کچھ بھی کہہ لو ___!)

جو اُس کی چاہت کا "آسرا" ہے

وہ "میں" نہیں ہوں

کوئی تو ہے جو مرے سوا ہے!

وہ شہر بھر کے تمام "چہروں" سے ہٹ کے

اِک "اور مہرباں" ہے
جو اُس کی خواہش کا "آسماں" ہے
(کسے خبر کون ہے، کہاں ہے؟)

مگر مجھے کیا؟
کہ میں زمیں ہُوں!
وہ جس کی چاہت میں اپنی سانسیں لُٹا رہی ہے
وہ "میں" نہیں ہُوں!
وہ آنکھوں آنکھوں میں بولتی ہے!!

منگل ۱۲۴ اکتوبر
دوپہر ۴۰-۲ بجے
لاہور

☆

ہر گھڑی رائیگاں گُزرتی ہے
زندگی اَب کہاں گُزرتی ہے؟

درد کی شام _ _ دشتِ ہجراں سے
صُورت کارواں گزرتی ہے!!

شَب گراتی ہے بجلیاں دِل پر
صبح آتش بجَاں گزرتی ہے!

زخم پہلے مہکنے لگتے تھے _ _ !
اب ہَوا بے نشاں گزرتی ہے

تُو خفا ہے تو دِل سے یاد تری
کس لیے مہرباں گزرتی ہے؟

اپنی گلیوں سے اَمن کی خواہش
تن پہ اوڑھے دُھواں، گزرتی ہے

مسکرایا نہ کر کہ محسنؔ پر
یہ "سخاوت" گراں گزرتی ہے!

☆

سُکھ کا موسم خیال و خواب ہُوا _ !
سانس لینا بھی اَب عذاب ہُوا _ !

آنکھوں آنکھوں پڑھا کرو جذبے
چہرہ چہرہ کُھلی کتاب ہُوا _ !

روشنی اُس کے عکس کی دیکھو
آئینہ شب کو آفتاب ہُوا

اِک فلک ناز کی محبت میں
میں ہَواؤں کا ہَمر کاب ہُوا

عدل پَرور، کبھی حِساب تو کر!
ظُلم کِس کِس پہ بے حساب ہُوا؟

کون مَوجوں میں گھولتا ہے لہُو
سُرخرو کِس لیے چناب ہُوا،

کِس کے سَر پر سِناں کو رشک آیا
کون مقتل مین کامیاب ہُوا؟

اَب کے ہجراں کی دُھوپ میں محسؔن
رنگ اُس کا بھی کچھ خراب ہُوا!

جاگتے سوتے!

نیم شب کا اُجاڑ سنّاٹا -!
خواب آلود، بے صَدا رستے
تیرگی سے اَٹی ہوئی گلیاں،
کھردرے، بے چراغ کواڑ
سہمی سہمی ہَوا کی دَستک سے
سانس لیتے ہیں، بے حواسی میں
پیڑ پر چند زرد رُو پتّے -!
ٹوٹتے ہیں -زمیں پہ گرتے ہیں
(جیسے بے شکل چاپ پر اکثر
کوئی بیمار دِل دھڑکتا ہے)
ایسی تنہائیوں میں بھی اب تک
میں ترے نام جاگتے سوتے!
خیریت کے خطوط لکھتا ہوں!!

اتوار ۲۹ اکتوبر ۱۹۹۵ء
رات بارہ بجے، ہوٹل پی۔سی لاہور

بھکارن

اِک بھکارن!

شہر کے مصروف چوراہے کی اندھی بھیڑ میں

اپنے فاقوں سے اَٹی خواہش کی ضِد پر

بیچنے آئی ہے

اپنی نوجوانی کا غُرور!

توڑنے آئی ہے بے صُورت اَنا کے آئینے

بے حنا ہاتھوں میں پھیلائے ہوئے

بس "چند لمحے" زندہ رہنے کا سوال!

"چند لمحے" جن کا ماضی ہے نہ حال--!!

آنکھ میں بجھتی ہُوئی اِک مَوجِ نُور،

تن پہ لپٹے چیتھڑوں کی سِلوٹوں میں

سانس لیتے واہمے!

دَم توڑتا احساس، لَو دیتا شعور!!

زندگی کے دو کنارے ____ چار سُو!

اک طرف ہنگامۂ ہَوس-- اِک سَمت "ھُو"

کس قدر مہنگی ہیں "باسی روٹیاں"

کتنی سستی ہے "متاعِ آبرُو"

اے خُدائے "کاخ و کُو"

۱۳۰ اکتوبر ۱۹۹۵ء

ایک بجے شب

ہوٹل پی۔سی لاہور

سفر سے لَوٹ آیا ہوں

سفر سے لَوٹ آیا ہوں
مگر اَب کے
اگرچہ شہر میرا ہے
وُہی رستے وہی گلیاں، وہی مانوس چہرے ہیں
سبھی چہرے سبھی آنکھیں شناسا ہیں
سبھی ہونٹوں پہ اَب تک ایک جیسی مُسکراہٹ ہے
وہی شامیں اُنہی شاموں میں صبحوں کی
وُہی مانوس آہٹ ہے
وہی کچّے مکاں جن کے مکیں میری محبت کا اثاثہ ہیں
وہی افلاس کی کُچلی ہُوئی سڑکیں

کہ جن میں بارشوں کے چند چھینٹے گر برس جائیں تو ہفتوں
دُھوپ کی حِدّت وہاں ٹھہرے ہوئے پانی میں
صبح شام کرتی ہے!

اگرچہ شہر میا ہے
مگر میں اجنبی آنکھیں لیے
ہر سمت آوارہ فضا میں ڈھونڈتا ہوں
بے سبب اِک آشنا چہرہ
شناسا لَب، مرے ہمراہ شب بھر بولتی آنکھیں
وہ آنکھیں جن کی ساری گفتگو
اب کے سفر میں چھوڑ آیا ہوں،

وہ ساری گفتگو جس کے سبھی حرفوں کے شیشے

رہگزر میں توڑ آیا ہوں

وہ آنکھیں چھوڑ آیا ہوں

مگر اُن میں بھری نیندیں مری نَس نَس میں ہنستی ہیں

مجھے اپنی طرف واپس بُلاتی ہیں،

کہ "لوٹ آؤ___

تمہارے بعد اس "بستی" کی رَونق

بے چراغاں ہے"

اگرچہ شہر میرا ہے___

مگر اَب کے تو___

جیسے میرے چہرے پر تمہاری بولتی آنکھوں کی حیرانی

مجھے رُکنے نہیں دے گی،

مجھے خود اپنی مُدّت کے شناسا، دلنشیں چہرے

اچانک چھوڑنا ہوں گے،

تمہارے ساتھ پیماں جوڑنے کی سرسری ساعت سے ملنے تک

خود اپنے آپ سے جاناں

روابط توڑنے ہوں گے!

اگرچہ شہر میرا ہے!!

۴ نومبر ۱۹۹۵ء

پانچ بجکر ۳۵ منٹ

☆

آدمی جَلتا دیا ہے اور بس!
سانس آوارہ ہَوا ہے اور بس!!

موت بے آفاق صدیوں کا سَفر
زندگی زنجیرِ پا ہے اور بس!!

نارِ سائی، اس قدر برہم نہ ہو
لَب پہ اِک حرفِ دُعا ہے اور بَس !

اور -میں رُوٹھا ہوں اپنے آپ سے
اور -تُو مجھ سے خَفا ہے اور بس!!

یا نگاہوں میں ہے رنگوں کا ہجُوم
یا ترا بَندِ قبَا ہے، اور بَس!

اُس طرف طغیانیوں پر ہے چناب
اِس طرف کچّا گھڑا ہے اور بس!

دِل مثالِ دشت بے نقش و نگار
اُس میں تیرا نقشِ پا ہے اور بس!

شامِ غم میں تیرے ہاتھوں کا خیال!
شعلۂ رنگِ حنا ہے اور بَس!!

اُس کے میرے فاصلّے محسؔن نہ پُوچھ
رنگ سے خوشبو جُدا ہے اور بس !!

☆

ہے کِس کا عکس دِل کے قریں، چار سُو ہے کون؟
گردِ گُماں چھٹے تو کُھلے رَوبُرو ہے - کون؟

کِس کے بدن کے دُھوپ نے لہریں اُجال دیں؟
اے عکسِ ماہتاب تہِ آب جُو ہے کون؟

کیا جانے سَنگ بار ہُوا کُوئے یار کی
پیوند کِس قبا میں لگے ،بے رفُو ہے کون؟

نوکِ سِناں پہ کیوں نہ سجے اپنی سرکشی
جُز شہریار شہر میں اپنا عدُو ہے کون؟

اے مصلحت کی تیز ہَوا، جُز غریبِ شہر
اِس شہرِ ننگ و نام میں بے آبرو ہے کون؟

پَلکوں پہ کون چُنتا ہے رُسوائیوں کی دُھول
رُسوا ہمارے ساتھ یہاں کُو بکُو ہے کون؟

محسؔن اَب اپنا آپ بھلایا ہے اس طرح
مجھ سے خُود اپنے عکس نے پُوچھا کہ "تُو" ہے کون؟"

☆

کم سُخن لوگ جو سچ بولتے ہیں
خُود سے ہر گِرہ ستم کھولتے ہیں

آندھیاں خواب سے جاگ اُٹھی ہیں
کچھ پرندے کہیں پَر تولتے ہیں

جن کی باتوں میں مسیحائی ہو
خُون میں زہر وُہی گھولتے ہیں

اُس کی آنکھوں نے نشہ چھڑکا ہے
لوگ بے وجہ کہاں ڈولتے ہیں

جب وہ موضوعِ سُخن ہو محسؔن
ہم بہت لعل و گہر رولتے ہیں

☆

میں تنہا - - درپیش سفر تقدیر کا ہے
کیا جانے کس موڑ نگر تقدیر کا ہے؟

سارے پتّھر غار سے ہم سَر کا بیٹھے
اِن سے آگے اِک پَتھر تقدیر کا ہے!

ہے کتنا شفّاف لبادہ یوسف کا
دامن پر اِک داغ مگر تقدیر کا ہے

زرد رُتوں کے زہر بھرے سب پیڑوں میں
دُور سے ہَرا کچُور شجر تقدیر کا ہے!

اُن کی قسمت آپ لکیر خزانوں کی!
میرے ہاتھ پہ خالی گھر تقدیر کا ہے

اُڑتے اُڑتے ہم افلاک کو چُھو آئیں
لیکن راہ میں حائل پَر تقدیر کا ہے

رات کی لاش پہ محسؔن ماتم کرنے کو
صبح کا تارا " دیدۂ تر " تقدیر کا ہے

☆

ہر ایک لمحہ پہن کے صدیوں کی شال گزرا
لہُو کا موسم بھی آپ اپنی مثال گزرا

حکایتِ ضبطِ ہجر بُنتے کہ اشکت چُنتے
گزر گیا، جس طرح بھی عہدِ وصال گزرا

جو شب بھی آئی وہ حشر کے دِن کو ساتھ لائی
وہ دن بھی گزرا وہ شامِ غم کی مثال گزرا

لہُو لہُو ساعتوں نے چھڑکے ہیں زخم اِتنے!
کہ جو بھی پَل تھا جراحتوں سے نڈھال گزرا

اُجاڑ بستی سے وقت کی سلطنت کا حاکم!
سَجا کے ہاتھوں پہ سُرخ سُورج کا تھال گزرا

میں تیرے ملنے کو معجزہ کہہ رہا تھا لیکن،
ترِے بچھڑنے کا سانحہ بھی کمال گزرا!

غمِ جہاں نے بدل دیا ہے مزاج اپنا
گراں بہت اب کے دِل پہ تیرا خیال گزرا

نہیں کہ تجھ سے بچھڑ کے دُنیا اُجڑ گئی ہو
یہی کہ دِل بُجھ گیا ذرا سا مَلال گزرا

ہر اس، بارُود، مَوت، شبخوں کا خوف محسنؔ
نہ پُوچھ کتنی اَذّیتوں میں یہ سال گزرا

دسمبر مجھے راس آتا نہیں

(۱۹۹۵ءکی آخری نظم)

کئی سال گزرے
کئی سال بیتے
شب وروز کی گردشوں کا تسلسل
دل وجاں میں سانسوں کی پرتیں اُلٹتے ہوئے
زلزلوں کی طرح ہانپتا ہے!
چٹختے ہوئے خواب
آنکھوں کی نازک رَگیں چھیلتے ہیں
مگر میں ہر اِک سال کی گود میں جاگتی صبح کو
بے کراں چاہتوں سے اَٹی زندگی کی دُعا دے کے
اَب تک وہی "جستجو" کا سَفر کر رہا ہُوں

سفر زندگی ہے
سفر آگہی ہے
سفر آبلہ پائی کی داستاں ہے
سفرعمر بھی کی سُلگتی ہوئی خواہشوں کا دھواں ہے!

کئی سال گزرے
کئی سال بیتے!
مسلسل سفر کے خم و پیچ میں
سانس لیتی ہوئی زندگی تھک گئی ہے
کہ جذبوں کی گیلی زمینوں میں
بوئے ہوئے روز و شب کی ہر اک فصل اب "پک" گئی ہے

گزرتا ہوا سال بھی آخری ہچکیاں لے رہا ہے
مرے پیش و پَس
خوف، دہشت، اَجل، آگ، بارود کی مَوج
آبادیاں نوچ کر اپنے جبڑوں میں جکڑی ہوئی زندگی کو
درندوں کی صُورت
نِگلنے کی مشقوں میں مصروف تر ہے
ہر اک راستہ، موت کی رہ گزر ہے

گزرتا ہوا سال جیسے بھی گزرا
مگر سال کے آخری دِن
نہایت کٹھن ہیں
ہر اک سَمت لاشوں کے اَنبار
زخمی جنازوں کی لمبی قطاریں
کہاں تک کوئی دیکھ پائے؟
ہواؤں میں بارُود کی باس
خود اَمن کی نوحہ خواں ہے
کوئی چارہ گر، عصرِ حاضر کا کوئی مسیحا کہاں ہے؟

نئے سال کی مُسکراتی ہوئی صبح ____ گر ہاتھ آئے

تو مِلنا!!

کہ جاتے ہوئے سل کی ساعتوں میں

یہ بجھتا ہُوا دل

دھڑکتا تو ہے

مسکراتا نہیں

دسمبر مجھے راس آتا نہیں ____

سوموار ۲۵ دسمبر ۱۹۹۵ء

☆

۱۹۹۶ کی پہلی غزل

کیا خزانے مِرے جاں، ہجر کی شب یاد آئے
تیرا چہرہ، تیری آنکھیں، تیرے لب یاد آئے

ایک تُو تھا جِسے غُربت میں پکارا دِل نے
ورنہ بچھڑے ہوئے احباب تو سب یاد آئے

ہم نے ماضی کی سخاوت پہ جو پَل بھر سوچا!
دُکھ بھی کیا کیا ہمیں یاروں کے سبب یاد آئے

پھول کِھلنے کا جو موسم مِرے دِل میں اُترا
تیرے بخشے ہوئے کچھ زخم عجب یاد آئے

اَب تو آنکھوں میں فقط دُھول ہے کچھ یادوں کی
ہم اُسے یاد بھی آئے ہیں تو کب یاد آئے!

بھول جانے میں وہ ظالم ہے بَھلا کا ماہر
یاد آنے پہ بھی آئے تو غضب یاد آئے

یہ خُنک رُت یہ نئے سال کا پہلا لمحہ
دِل کی خواہش ہے کہ محسؔن کوئی اَب یاد آئے،

وہ خواب اپنے

بچھڑتے لمحوں کی
بے صدا جلد باز رُت میں
جب اُس کے ہونٹوں کی نرم چھاؤں
مجھے جدائی کی دُھوپ دے کر
حواس کی انگلیوں سے
دامن چھڑا رہی تھی
تمام رَسموں تمام قَسموں کی جلتی شمعیں
بجھا رہی تھی

میں اُس کی آنکھوں میں
چھوڑ آیا تھا خواب اپنے
وہ خواب جن کی تمازتوں میں
"تمام سچ تھا"
وہ خواب تکمیلِ آرزو کی نشانیاں تھے
وہ خواب میری وفا کی اُجلی کہانیاں تھے

میں سوچتا ہوں
کہ اَب کبھی چاندنی میں بھیگی ہُوئی ہوائیں
جب اُس کی آنکھوں سے
نیند کا کچھ خمار، اُس کے بدن کی خوشبو سے چُور
کوئی پیام لائیں
تو میں بھی مانگوں حساب اپنے
میں اُس کی آنکھوں سے مُسکرا کر طلب کروں
پھر سے خواب اپنے
میں اُس کو بھیجوں عذاب اپنے!

۷ جنوری ۱۹۹۶ء

اگر بچھڑنا ٹھہر گیا ہے

اگر بچھڑ گیا ہے

تو میرے خوابوں سمیت اپنی اُداس آنکھیں

بھلا کے جاؤ

کہ جب بھی مِلنا پڑے کسی سے

(کسی شناسا کہ اجنبی سے)

تو یُوں نہ ہو

تم چھپا نہ پاؤ

تمام ماضی!

تمام سچ کے لہُو میں تر

ناتمام وعدے،

کہ اجنبی دوستوں سے ملتے ہوئے

خود اپنی اُداس آنکھوں میں

بولتے سچ کو دفن کرنا

بہت ہی مشکل ہے

اپنے ماضی کے سچ پہ

"اظہارِ معذرت!"

اور معذرت!

اعترافِ جرم و سزا سے بھی

اک کڑا عمل ہے

جو تم سے شاید کبھی نہ ہوگا!!

۷جنوری ۱۹۹۶ء

اِن دِنوں

اِن دِنوں شہر بھر کے رستوں میں
ناچتی ہے بَلا کی ویرانی!
عکس دَر عکس ڈستی رہتی ہے
بے صدا آئینوں کو حیرانی
سارے چہروں کے رنگ پھیکے ہیں
ساری آنکھیں اُجاڑ لگتی ہیں
سارے دن آہٹوں کی گنتی میں
ساری راتیں پہاڑ لگتی ہیں
بجھتی جاتی ہیں یاد کی شمعیں
اپنی پلکوں سے آنسوؤں کے نگیں
ٹوٹتے ہیں تو دِل نہیں چُنتا
جیسے شاخوں سے زرد رُوپتّے
ٹوٹتے ہیں - - کوئی نہیں سُنتا
تو کہاں ہے ، کہاں نہیں ہے تو؟
بھول جا - - یاد کیوں نہیں آتا؟
ہم سے کیا پوچھنا -مزاجِ حیات؟
ہم تو بس اِک دریدہ دامن میں
بھر کے خاکسترِ دیار وفا - !
لے کے صدیوں کی باس پھرتے ہیں
اِن دِنوں شہر بھر کے رستوں میں
ہم اکیلے اُداس پھرتے ہیں!
اَب یہ سوچیں تو آنکھ بھر آئے،

اِن اکیلے اُجاڑ رستوں میں
تو بھی شاید کہیں نظر آئے!

۷جنوری رات ۲ بجے

☆

زندگی بھر عذاب سہنے کو
دل مِلا ہے اُداس رہنے کو

ایک " چُپ " کے ہزارہا مفہوم
اور کیا رہ گیا ہے کہنے کو؟

چاند جس کی جبیں پہ جچتا ہو
وہ ترستی ہے ایک " گہنے " کو

آسماں سے اُتر پڑا سُورج
چلتے دریا کے ساتھ بہنے کو

گھر میں تم بھی رہا کرو محسنؔ
گھر بناتے ہیں لوگ رہنے کو

قطعاتِ محسن

سیّد محسن نقوی کے غزل اور نظم کے قادرالکلام شاعر ہونے کے بارے میں دو آراء نہیں ہوسکتیں۔ محسن کی نثر جو اُن کے شعری مجموعوں کے دیباچوں کی شکل میں محفوظ ہو چکی ہے بلاشبہ تخلیق تحریروں کی صفِ اوّل میں شمار کی جاسکتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک اور صنفِ سخن یعنی قطعہ نگاری کے بھی بادشاہ ہیں۔ اِن کے قطعات کے مجموعے "ردائے خواب" کو ان کے دیگر شعری مجموعوں کی طرح بے حد پذیرائی حاصل ہوئی ۔ نقادانِ فن نے اسے قطعہ نگاری میں ایک نئے باب کا اِضافہ قرار دیا۔ مذہبی نوعیت کے قطعات "میراثِ محسن" میں پہلے ہی درج کئے جا چکے ہیں۔ محسن نے اخبارات کے لئے جو قطعات لکھے ان کی زیادہ تر نوعیت سیاسی تھی لیکن ان کا لکھنے والا بہر حال محسن تھا چنانچہ ان قطعات کا ایک انتخاب محسن کے پرستاروں کے لئے نوشتۂ خاص کی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے۔

خالد شریف

مجھے کسی سے محبت نہیں کسی کے سوا
میں ہر کسی سے محبت کروں کسی کے لیے

محسن نقوی

ردائے خواب

انتساب

ناراض دوستوں کے نام.....

مجھے کسی سے محبت نہیں کسی کے سوا
میں ہر کسی سے محبت کروں کسی کے لیے

بَرگِ صحرا سے رَدائے خواب، تک میں محسؔن شریکِ سفر ہوں۔مجھے دیدہ زیب کتابوں کی اشاعت کا جنون ہے اور محسؔن کو اپنے فن کو نکھارنے اور سنوارنے کی لگن۔! اُس کے چاہنے والوں اور اُس سے چاہے جانے والوں کے لیے معذرت کے ساتھ اطلاع کہ اُس کا سچا عشق،صرف شاعری ہے۔

ع کسے کہ کُشتہ نشد از قبیلہء ما نیست

خالد شریف

ردائے خواب

" نگارِ وقتاب اسے لہو سے کیا چمن کریں " ؟
یہ دستِ جاں کہ ہانپتا رہا سراب اوڑھ کر
لہُو کے حرفِ نرم کی تپش سے مَت جگا اِسے
یہ دِل تو کب کا سو چُکا " ردائے خواب" اوڑھ کر

محسن نقوی

لاہور ۱۲ستمبر ۱۹۸۵ء

اک بات ادھوری سی

مُجھے چاندنی میں نہائے ہُوئے صحرا کے سینے پر ہَوا کی تحریر پڑھنے کا شوق ہے...... میں ویران راستوں میں چُپ چاپ سفر کرتے ہُوئے اُونٹوں کی قطاروں کی مطمئن مسافت کی علامت سمجھتا ہوں.....

مُجھے ویران پگڈنڈیوں پر چھنناروں کے سائے میں بانسری کی تان اُٹھاتے ہوئے جوانوں کی آنکھوں میں گُھلتے خواب گُلابوں کی رُت سے بھی زیادہ مدُھر لگتے ہیں..... مُجھے گاوَں کی سوہنیاں، تھل کی سَسیاں اور چناب کی ہیریں آج بھی داستانیِ عشق کے کرداروں کی طرح دِلچسپ اور دِلکش دِکھائی دیتی ہیں .....

کبھی کبھی میرا جی چاہتا ہے کہ میں کوئی ایسی بستی بساوَں جِس میں آسمان اور سمندرک درمیان فاختاوَں کے پُرسکون پھڑ پھڑاہٹ کے علاوہ کُچھ سنائی نہ دے.... میرا آدرش مُحبت اور ماٹو امن ہے، زندگی اتنی مختصر ہے، کہ اس میں جی بھر کے مُحبت کرنے کی مہلت بھی نہیں مِلتی ،خُدا جانے لوگ نفرت کرنے کے لیے وقت کہاں سے بچا لیتے ہیں؟

اور پھر مُجھے تو ہنستے بسے کچّے مکانوں کے آنگنوں میں جلتے ہُوئے چولہوں سے اُٹھتا ہُوا دُھواں بارود کے دُھویں سے زیادہ عزیز ہے۔

آج وقت کم ہے، (بہت کم)..... سوچنے، پڑھنے اور لکھنے کے لیے جتنی فرصت چاہیئے..... وہ موجِ فُرات کی طرح کمیاب ہے۔ ایسے میں طویل بات کرنے سے سامع اُکتا جاتا ہے.... اور داستان گوئی یُوں بھی پُرانے زمانوں کی بات لگتی ہے۔ "ردائے خواب" میرے مختصر قطعات کا مجموعہ ہے۔ جِس میں اُدھوری باتیں، نامکمل مُلاقاتیں، ٹُوٹتے بکھرتے خواب، اور چُھبتی چُھبتی خواہش ہیں...... میں نے کوشش کی ہے کہ اِن قطعات کی زبان آسان اور مفہوم ابہام سے مبّرا رہے۔ تا کہ آپ کی سماعت ایک لمحے کو بھی تھکن محسوس نہ کرنے ،اور نہ ہی "ردائے خواب" پڑھنے کے لئے آپ اپنے مصروف ترین وقت سے طویل فرصت طلب کریں۔

جہاں تک اِن قطعات کے معیار کا تعلق ہے میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ کہاں تک آپ کی تشفّی کر سکیں گے،

لیکن اِتنا ضرور ہے کہ اپنے محسوسات کے لئے میں نے کبھی بھی ناروا پابندی قبول نہیں کی جو کچھ محسوس کرتا ہوں، بے دھڑک کہنے کی عادت میں ہمیشہ مُبتلا رہتا ہوں۔ آپ چاہیں تو اس کے خلاف بھی فیصلہ دے سکتے ہیں۔

میں آپ کی رائے کا احترام کروں گا (اور آپ کی رائے مجھے اپنے "ہونے" کا یقین بھی تو بخشے گی)۔

"ردائے خواب" ایک مسافر کی "خُود کلامی" ہے، جو دِن بھر خوب بُنتا ہے، خواہشوں کے ریزے چُنتا اور پلکوں پر سجا کر اپنی ذات کے صحرا میں خیالوں کا خیمہ نصب کر کے سو جاتا ہے۔

ی خُود کلامی اگر آپ کی خواہشوں، خوابوں اور خراشوں کی دُھندلی سی تصویر ثابت ہو تو میری کامیاب کوشش ہو گی ورنہ خُود کلامی پر پہرہ تو نہیں بٹھایا جا سکتا۔

"ردائے خواب" کے قطعات کی تخلیق میں بہت سے دوستوں کی خواہش اور تقاضوں کا ہاتھ بھی ہے۔ اِس لئے اِس کی اشاعت بھی اُنہی دوستوں کی مرہونِ احسان ہے جِن میں کُچھ میرے حقیقی مُحسن ہیں اور کُچھ کی رنجشِ بے جا میرے شُکریے کی مستحق ہے۔ بہر صُورت دونوں صُورتوں میں مُجھے سُکون نصیب ہُوا ہے...... کیونکہ میں ملامتِ صفِ دُشمناں اور رنجِ کم ظرفیِ دوستاں، دونوں سے بے نیاز ہو کر زندگی صَرف کرنے کا عادی ہوں۔

محسن نقوی

۲۸ مارچ ۱۹۸۵ء لاہور

میں اور وہ!

اُس نے جِس راہ کو لہو بخشا
میں بھی اُس راہ کا مُسافر تھا
وہ سرِدار میں سرِ مقتل
وہ پیمبر تھا اور میں شاعر تھا

جیسے!

اب کے تُو اس طرح سے یاد آیا
جِس طرح دشت میں گھنے سائے
جیسے دُھند لے سے آئینے کے نقوش
جیسے صدیوں کی بات یاد آئے

بعض اوقات!

موسمِ غم ہے مہرباں اب کے
ہم پہ تنہائیوں کا سایا ہے
بعض اوقات رات یُوں گُزری،
تُو بھی کم کم ہی یاد آیا ہے

عظمت آدم!

عِشق، منزل کے رُخ کا غازہ ہے
عقل، رستے کو صاف کرتی ہے
زندگی پر جو لوگ چھا جائیں
مَوت اُن کا طواف کرتی ہے

احساس

کیا بتاؤں کہ رُوٹھ کر تجُھ سے
آج تک تجربوں میں کھو یا ہُوں
تُو مجھے بُھول کر بھی خُوش ہوگا
میں تجُھے یاد کر کے رویا ہُوں

قُربت

مَیں سجاتا ہوں پیاس ہونٹوں پر
تُم گھٹا بن کے دِل پہ چھا جاؤں !
اے رگِ جاں میں گونجنے والو!!
اور بھی کُچھ قریب آجاؤ !!!

غیرتِ جاں!

ہم نے سچ بولنے کی جرات کی
تیرے بارے میں اور کیا کہتے
غیرتِ جاں کی بات تھی ورنہ
ہم ترے سامنے بھی چُپ رہتے

یادش بخیر!

جو کبھی زندگی کا محور تھے!
کاش اب بھی وہ دوست کہلاتے
جو بُھلائے نہ جارہے تھے کبھی!
اب وہی یاد بھی نہیں آتے

عذاب

جب ہوا س چار سُو بکھر جائے
آدمی امن کو ترستا ہے
جب زمیں تیرگی سے اَٹ جائے
آسماں سے لہو برستا ہے

ہم وہ تاجر ہیں

جی میں آئی تو بیچ کر شیشے!
شُعلہء جامِ جم خریدیں گے
ہم وہ تاجر ہیں جو سرِ محفل
قہقہے دے کے غم خریدیں گے

اختلاف

تُو وہ کج بیں کہ تُجھ کو منزل پر
رہگذاروں کے بَل دکھائی دیں
میں وہ خوش فہم ہوں کہ مُجھ کو سدا
آبلے بھی کنول دکھائی دیں!

ہم

صِرف ہاجائی پَن کی بات نہیں
اب ہمیں لوگ کیا نہیں کہتے!
اس قدر ظلم سہہ کے بھی اے دوست
ہم تجھے بے وفا نہیں کہتے

جس

غم کو زُلفوں کا بَل نہیں کہتا
زخمِ جاں کو کنول نہیں کہتا
وہ جو اِک پَل کو رُوٹھ جاتا ہے
مدّتوں میں غزل نہیں کہتا

تنبیہ

سُن لو جہان بھر کی جگر دار گردشو!
کہہ دو ہوائے دہر کی رفتار ٹوک کر
میں سو رہا ہوں زیرِ زمیں اس کی تاک میں
گُزرے اِدھر سے میرا عدو سانس روک کر

کتھارسس

چند لمحے جو غم کو ٹل آئے
کِتنے بخت و خُوش خیال آئے
لوگ یُوں مطمئن سے ہیں جیسے
آسماں پر کمند ڈال آئے

سُہاگن

خواہشوں کی جوان دیوی ہے
وحشیوں کے نگر کی ناگن ہے
بانجھ دھرتی کی ہچکیوں پہ نہ جا
زندگی تُو سَدا سُہاگن ہے

ضُرورت

فِکر کی ہر کَسک شعُوری ہے
عقل کی ہَر ادا ادُھوری ہے
دِل کی دُنیا سنوارنے کے لئے
عِشق کرنا بہت ضروری ہے

تضاد

سیرتیں بے قیاس ہوتی ہیں
صُورتیں، غم شناس ہوتی ہیں
جِن کے ہونٹوں پہ مُسکراہٹ ہو
اُن کی آنکھیں اُداس ہوتی ہیں

باز گشت

سُکوتِ شامِ غریباں میں سُن سکو تو سُنو!
کہ مقتلوں سے ابھی تک صدائیں آتی ہیں
لہُو سے جن کو منوّر کرے دماغِ بشر،
ہوائیں ایسے چراغوں سے خوف کھاتی ہیں

یا کہیں.....؟

جو مری یادوں سے زِندہ تھا کبھی
مدّتوں سے اُس کا خط آیا نہیں
میں مگر کہتا ہُوں اپنے آپ سے
وہ بہت مصروف ہوگا ۔ یا کہیں . . . . ؟

سلامی

سِتارے چُومتے ہیں گردِ پا کو
خراجِ خُود کلامی لے رہی ہے
وہ رَستے میں کھڑی ہے یُوں کہ جیسے
دو عالَم کی سَلامی لے رہی ہے

تلاشِ امن

غَم کے غُبار میں ہیں سِتارے اَٹے ہُوئے
خواہش کی کرچیوں میں ہیں چہرے بٹے ہُوئے
اَب کیا تلاشِ اَمن میں نکلیں کہ ہر طرف
مُدّت سے فاختاؤں کے ہیں پر کٹے ہُوئے

نصیب

جَوانی کے کٹھن رستوں پہ ہَر سُو
فریبِ آرزُو کھانا پڑے گا!
بچھڑ جاؤ، مگر یہ سوچ لینا
تمہیں اِک روز پچھتانا پڑے گا

عادی!

دفن ہیں مُجھ میں شورشیں کِتنی
دِل کی صُورت خموش وادی ہُوں
شوق سے ترکِ دوستی کرلے
مَیں تری نفرتوں کا عادی ہُوں

چاک داماں!

اِک فسانہ ہے زندگی لیکن
کتنے عنواں ہیں اس فسانے کے
چاکِ داماں کی خیر ہو یا ربّ
ہاتھ گُستاخ ہیں زمانے کے

ماتمی رُت

ماتمی رُت کا راج ہے ہَر سُو
پُھول مُرجھا گئے ہیں سہروں کے
اِک ترے غم کی روشنی کے سِوا
بُجھ گئے سَب چراغ چہروں کے

وِیرانی

شہر کے سب لوگ ٹھہرے اجنبی
زِندگی تُو کب مُجھے راس آئے گی
اَب تو صَحرا میں بھی جی لگتا نہیں
دِل کی ویرانی کہاں لے جائیگی؟

سچ تو یہ ہے!

سَب فَسانے ہیں دُنیا داری کے
کِس نے کِس کا سُکون لُوٹا ہے؟
سَچ تو یہ ہے کہ اِس زمانے میں
میں بھی جُھوٹا ہُوں تُو بھی جُھوٹا ہے

ماتم

اُڑ گیا رنگ رہگزاروں کا
قافلہ بُجھ گیا چناروں کا
اَوڑھ کر زرد موسموں کی رِدا
آؤ ماتم کریں بہاروں کا

قحط

بھنور نے کاٹ دیئے سِلسلے کِناروں کے
خزاں نے رنگ چُرا ہی لئے بہاروں کے
عجیب قحط پڑا ہے کہ پیٹ بھرنے کو
میں راز بیچتا پھرتا ہُوں اپنے یاروں کے

اُفق کا چہرہ...؟

کہاں ہے اَرض و سَما کا خالق کہ چاہتوں کی رگیں کُریدے!
ہَوس کی سُرخی رُخِ بَشر کا حَسین غازہ بنی ہُوئی ہے
کوئی مَسیحا اِدھر بھی دیکھے، کوئی تو چارہ گری کو اُترے
اُفق کا چہرہ لُہو میں تَر ہے، زمیں جنازہ بنی ہُوئی ہے

تشنگی

وہ کہ جلتی رُتوں کا بادل تھا،
کیا خبر کب رس گیا ہوگا؟
لیکن اندر کی آگ میں جل کر
اُس کا چہرہ جُھلس گیا ہوگا

خمیازہ

ہمارے دِل نے بھی محفل سجائی ہے کیا کیا!
حیات ہم پہ مگر مُسکرائی ہے کیا کیا!
ہَوائے گردشِ دوراں کے ایک جھونکے سے
تمہاری یاد کی لَو تھرتھرائی ہے کیا کیا!

سانولی

کیا جانے کب سے دُھوپ میں بیٹھی تھی سانولی؟
اُبھری ہُوئی اَنا کی شِکن سی جَبین پر
دیکھا فضا میں اُڑتے پرندوں کو ایک بار
پھر کھینچنے لگی وہ لکیریں زمین پر

قرض

اپنے ہمسائے کے چراغوں سے
بام و دَر کو سنوار لیتا ہُوں
اِتنا مُفلس کیا اندھیروں نے
روشنی تک اُدھار لیتا ہُوں

اور ہم

بارہا خُود سے ہر داستاں کہہ گئے
لفظ آنسُو بنے، آنکھ سے بہہ گئے
لوگ جاں سے گذرتے رہے اور ہم
خُودکشی کے لئے سوچتے رہ گئے

جہیز

اُس کو تھے راس بھیگتی پلکوں کے ذائقے،
دریا رَواں تھے اُس کے دِل حشر خیز میں
کرتی تھی بے دریغ اُنہیں خرچ اس لئے
لائی تھی اپنے ساتھ وہ آنسو جہیز میں

قرینہ

دَور کے چاند کی کرنوں میں نہایا ہوں کہ یُوں
میرے ماتھے پہ مُحبت کا پَسینہ آئے
اِس لے ٹُوٹ کے رویا ہوں میں اکثر محسنؔ
مُجھ کو دِل کھول کر ہنسنے کا قرینہ آئے

خراج

آنکھوں میں بَھر کے سَادہ مُحبت کی ڈوریاں
مُٹّھی میں بند کرکے دِل و جاں کی چوریاں
دَھرتی کو لُوٹتی ہیں تبسُم کی اَوٹ سے
چالاک کِس قدر ہیں یہ گاؤں کی گوریاں

خُود بھی.....؟

خُود بھی اُترا ہے آسمانوں سے
مُجھ کو پستی میں ڈالنے کے لئے
خُود بھی بدنام ہوگیا کوئی؟
مُجھ پہ تہمت اُچھالنے کے لئے

وِصال

دُور تک وَادیاں ہیں پُھولوں کی
میری آنکھوں میں عکس تیرا ہے
چاند گُھلنے لگا ہے پانی میں
ہَر طرف سانولا سویرا ہے

بُزدل

یُوں تو محفل میں جانِ محفل تھا
رہگُزر میں چراغِ منزل تھا
دل کی باتیں نہ کہہ سکا تُجھ سے
تیرا شاعرِ غَضَب کا " بُزدل " تھا

وارث

اَے زمیں کے عظیم اِنسانو!
بھید پاؤ کبھی اُڑانوں کا!!
تُم تو دَھرتی سنوار لو گے مگر
کون وارِث ہے آسمانوں کا

پیش گوئی

گر یہی حبس ہے تو دَھرتی پر
تشنہ لَب لوگ دُھوپ چاٹیں گے
گر یہی قحط ہے تو دہقاں بھی!
پیاس بوئیں گے، بُھوک کاٹیں گے

خواب

دَرد یُوں بے حِساب لگتا ہے
مُسکرانا عذاب لگتا ہے
جِس میں اُڑتے تھے قہقہے اپنے
اَب وہ ماحَول خواب لگتا ہے

مصلحت

ہاتھوں میں دوستی کی لکیریں سَجا کے مِل
آنکھوں میں احتیاط کی شمعیں جَلا کے مِل
دِل میں کدورتیں ہیں تو ہوتی رہیں مگر
بازار میں مِلا ہے ذرا مُسکرا کے مِل

اصُول

زِندگانی کی کی کچھ اَدائی پر
تبصرے سب فضول ہوتے ہیں
اپنی اپنی بساط ہے سب کی
اپنے اپنے اصُول ہوتے ہیں

اختیار

ہم تبسُم سجا کے ہونٹوں پر
غَم بقدرِ مزاج لیتے ہیں
جیس ہنستے دِیے مزاروں کے
آندھیوں سے خِراج لیتے ہیں

حواس

شُعلہء گُل سے چَمن جَلتا ہے
شہر کے شور سے بَن جلتا ہے
اَب " گھٹا " دِل کو گھٹا دیتی ہے
اَبر تن جائے تو تَن جَلتا ہے

اھتمام

بُجھتی نبضیں اُبھارتے رہنا
دِل کا عالَم نِکھارتے رہنا
اِک نظر دیکھ لو زمانے کو
پھر یہ زُلفیں سَنوارتے رہنا

چوری چوری

چند کپڑے ہیں سادہ گھٹڑی میں
چند زیور چُھپا کے لائی ہے
ایک " پگلی " " پیا " سے مِلنے کو
ھِیر کے مقبرے میں آئی ہے

گواہی

کون رَوتا ہے تمہارے ہجر میں ؟
ڈُوبتے دِل کی صَدا سے پُوچھنا
کون پھِرتا ہے گلی میں رات بھر؟
دستکیں دیتی ہوا سے پُوچھنا

آمد

وہ تشبیہیں پہن کر آرہی ہے
حقیقت بَر محل کہنا پڑے گی
خِراج اَب اور کیا دینا ہے اُس کو
مُجھے تازہ " غزل " کہنا پڑے گی!

اُداسی

وقفِ خوف و ہراس لگتا ہے
دِل، مصائب شناس لگتا ہے
تُو جو اَوجھل ہُوا نگاہوں سے
شہر سارا اُداس لگتا ہے،

لفظ

اِن کو دِل میں سنبھال کر رکھو!
اِن کو سَوچو بہت قرینوں سے
چند سانسوں سے ٹُوٹ جاتے ہیں
" لفظ " نازک ہیں آبگینوں سے

طعنے

سَو لاگئے ہیں رنگ رُخِ ماہتاب کے
مُرجھاگئے کلائی میں گجرے گُلاب کے
اَب کے برس بھی تُو جو نہ آیا تو دیکھنا
مُجھ کو تو مار ڈالیں کے طعنے چناب کے

آدمیت

تُم، کہ عُہدوں پہ جان دیتے ہو
ہَم پہ بھی اعتبار کر دیکھو،
آدمیّت بھی ایک مَنصب ہے،
آدمی سے بھی پیار کر دیکھو!!

ان دنوں

آنکھوں میں آنسوؤں کی حِنا سی ہے اِن دِنوں
دِل کو بھی شوقِ دَرد شناسی ہے اِن دِنوں
گر ہو سکے تو آ کہ مری جاں ترے بغیر!
ماحول میں شدِید اُداسی ہے اِن دِنوں

لَوّ مَیرج

LOVE MARRIAGE

تُجھ کو تو مِل گیا ترا دِلدارِ جاں نواز!
پِھر کیوں ترا وجود رہینِ ہَراس ہے
پِھر شرمسار کیوں ہے یہ جوڑا سُہاگ کا
پِھر کِس لئے یہ سُرخ دوپٹّہ اُداس ہے

ایک خط

نَرم کردیتی ہیں دِل کو دُوریاں
نَفرتیں بھی کھیلتی ہیں پیار سے
اَجنبی بن کر جو ملتا تھا کبھی
اُس کا خَط آیا سمندر پار سے

دُنیا

یہ سِتمگر یہ دِلنشیں دُنیا
سَب کو لگتی ہے مہ جبیں دُنیا
میری آنکھیں غریب ہیں ورنہ
اِس قدر قیمتی نہیں دنیا!!

خواہش

اَب کے ہَر سُو وہ اُداسی ہے کہ دل کہتا ہے
کوئی بھٹکا ہُوا رَہرَوہی سفر میں اُترے
کوئی رُوٹھا ہوا جگنو ہی بُلائے مُجھ کو!
کوئی ٹُوٹا ہُوا تارہ میرے گھر میں اُترے

اعتراف

ترے خیال سے دامن بچا کے دیکھا ہے
دِل و نظر کو بہت آزما کے دیکھا ہے
نِشاطِ جاں کی قسم، تُو نہیں تو کُچھ بھی نہیں
بہت دِنوں تُجھے ہم نے بُھلا کے دیکھا ہے

جیسے پانی میں.....!

دِل، ترے اِنتظار میں اکثر
تیرے آہٹ سے ڈرنے لگتا ہے
جیسے پانی مین پُھول کاغذ کا
تیرتے ہی بِکھرنے لگتا ہے

وہ اگر.....!

تِیرگی رُوح پر مسلّط ہو!
چاندنی اشکبار ہو جائے
رو پڑے یہ بہار کا موسم!
وہ اگر سوگوار ہوجائے!

دستکیں....!

دستکیں جِس کے دَر پہ دیتا ہوں
یُوں بھی وہ مُجھ کو ٹال دیتا ہے!
اپنے دامن کی نفرتیں چُن کر
میری جھولی میں ڈال دیتا ہے

کون آشنا؟

کوئی مکاں نہ کوئی مکیں، کون آشنا؟
ہم اپنے شہر میں بھی مُسافر رہ گئے
یا سُرخ آندھیوں کی نظر کھا گئی اُنہیں
یا اَب کی بارشوں میں گھروندے ہی بہہ گئے

روہی کے لوگ!

سینے میں دَرد، لب پہ تبسّم کے ذائقے
دُنیا کی گردشوں سے سَدا بے نیاز ہیں
بُجھتے ہُوئے دِلوں پہ چھڑکتے ہیں روشنی
روہی کے لوگ کِتنے مُسافر نواز ہیں

تمسُخر

کہیں دَھرتی نہاتی ہے لہُو دَریا کی مَوجوں میں
کہیں بارُود کی بارش ہے اِنسانی ریاست پر
ستارے اشک بن کر ہٹ گئے معصوم بچّوں میں
فرشتے ہنس رہے ہیں ابنِ آدم کی سِیاست پر

قیامت!

موت تاریک وادیوں کا سفر
زندگی نُور کی علامت ہے
حشر برحق سہی مگر مُحسنؔ
سانس بھی اِک قیامت ہے

دوستی.....!

اب یہی مصلحت مناسب ہے
اب اِسی طور زندگی کر لیں،
میں بھی یاروں کا زخم خوردہ ہوں
دشمنو، آؤ دوستی کرلیں،

دل کو بُجھنا تھا...!

تیرگی کے اُداس چہرے پر
رات بھر ایک دَاغ کیا جَلتا؟
دِل کو بُجھنا تھا، بُجھ گیا آخر
آندھیوں میں چَراغ کیا جَلتا؟

ترغیب

غَم کے سنجوگ اَچھے لگتے ہیں
مُستقل روگ اچھے لگتے ہیں
کوئی وعدہ وَفا نہ کر، کہ مُجھے
بے وفا لوگ اَچھّے لگتے ہیں

اُس سے کہہ دو...!

اُس کے ہونٹوں پہ خموشی کے شرارے بھر دو
جِس نے سیکھا نہ ہو شیشے کو بھی پتھر کہنا
اُس سے کہہ دو کہ وہ آنکھوں میں سیاہی بھرلے!
جِس کو آتا نہ ہو صحرا کو سَمندر کہنا

مُسکرا بھی دے....!

اُس کے چہرے پہ گردِ محرومی!
اُس کی آنکھوں کے شہرِ ویراں ہیں،
مُسکرا بھی دے اے غمِ دوراں!
اُس کی زُلفیں بہت پریشاں ہیں

"ھم"

عُمر گذری عذابِ جاں سہتے
دُھوپ میں زیرِ آسماں رہتے
ہم ہیں سُنسان راستوں کے شَجر
جو کِسی کو بھی کُچھ نہیں کہتے

حالات

تُجھ کو یہ وَہم ہے کہ کیوں مُجھ کو
تیری رعنائیوں سے پیار نہیں
میں یہی سَوچ کر ہُوں چُپ کہ ابھی
میرے حالات سَازگار نہیں!!

بے خیالی میں....!

یُوں بھی ہے اب کہ سوچ کر تُجھ کو
دِل ترے دَرد میں پگھل جائے
بے خیالی میں آگ کو چُھو کر
جیسے بچّے کا ہاتھ جَل جائے

اور کتنی....!

ساعتِ حشر کی اذّیت تک
اور کتنی اذّیتیں ہوں گی
اُس قیامت سے پیشتر یا رَبّ!
اور کتنی قیامتیں ہوں گی !

احتیاط

سُخن، میزان میں تو لو نہ تولو !
مگر نزدیک آکر بَھید کھولو !!
کہیں خُوشبو نہ سُن لے بات کوئی
مِری جاں ، اور بھی آہستہ بولو!!

شاید

دَرد، دِل کی اساس ہو شاید
غَم، جَوانی کو راس ہو شاید
کہہ رہی ہے فَضا کی خاموشی
اِن دِنوں تُم اُداس ہو شاید

ایک فلسطینی بچّے
کی سالگرہ

اَب کہاں وہ گیت گاتی محلفلیں
اَب کہاں عُود و عبیرہ و آبنوس؟
چند شمعوں کی بجائے مَیز پر
رکھ دِیئے ہیں ماں نے خالی کارتُوس

احساس

مُجھ سے مَت پُوچھ کہ احساس کی حِدّت کیا ہے؟
دُھوپ ایسی تھی کہ سائے کو بھی جَلتے دیکھا
شدتِ غم میں مرے دیدۂ تَر نے محسؔن
پتّھروں کو بھی کئی بار پگھلتے دیکھا

روایت

کیا ہُوئے وہ دِن وہ رَسمیں کیا ہُوئیں؟
کھیلتے تھے جب غمِ دَوراں سے لوگ
بانٹتے پھرتے تھے ہر سُو زِندگی
کُچھ سخی کُچھ بے سرو ساماں سے لوگ

مدوا

تسخیر کر رہا ہوں زمانے کی گردشیں
غم کو سِکھا رہا ہوں مناجات عِید کی
گُم سُم ہے کائنات، ستارے ہیں دَم بخود

"ھیر"

جب بھی سَاون کی شوخ راتوں میں
کوئی وارث کی " ہیر " گاتا ہے
سَوچتا ہوں کہ اُس گھڑی مُجھ کو
کیوں ترا شہر یاد آتا ہے

آ بھی جاؤ!!

تُم کُچھ ایسے بچھڑ گئے مُجھ سے
غَم کے سائے ڈھلے نہیں ڈھلتے
آ بھی جاؤ کہ اَب منڈیروں پر
مُدّتوں سے دِیے نہیں جَلتے!!

تکلّف

یُوں بھی ہم دُور دُور رہتے تھے
یُوں بھی سِینوں میں اِک کدُورت تھی
تُم نے رسماً بُھلا دیا ورنہ!
اِس تکلّف کی کیا ضُرورت تھی ؟

تلاش

چُومتی تھیں جِس کے پاؤں منزلیں
قافلہ وہ کِن بیا بانوں میں ہے ؟
جِس کی حِدّت سے پگھلتے تھے پہاڑ
وہ لہُو کِن گرم شایانوں میں ہے ؟

اس طرح

اِس طرح دِل کے زَرد آنگن میں
تیری یادوں کے داغ جَلتے ہیں
جیسے آندھی میں ٹُوٹی قبروں پر
سہمے سہمے چراغ جلتے ہیں

"جوگن"

غَم، وہ سَفّاک سَم کا قطرہ ہے
جو رگوں میں اُتر کے بَس جائے
" زِندگی " وہ اُداس " جوگن " ہے
جِس کو سَاون میں سانپ ڈَس جائے

کیا کہیئے!

ہر طرف جبر ہو تو کیا کیجئے
ہر طرف ظُلم ہو تو کیا کہیئے
کِتنے احباب کا گِلہ کیجئے
کِتنے اعداء کو مرحبا کہیئے

کون پھر.....!

کِس کی شَب بے مَلال کٹتی ہے؟
کِس کا دِن چَین سے گذرتا ہے ؟
مِل گئے ہو تو مُسکرا کے مِلو!
کون پھر کِس کو یاد کرتا ہے؟

مُلاقات

شفَق ہَونٹوں میں سُرخ آنچل دَبائے
وہ گوری اِس طرح شرمارَہی ہے!!
ضمیرِ دو جہاں میں زلزلے ہیں!!
مُجھے تازہ غزل یاد آرہی ہے

سوال

یا مَقتلوں کا رِزق ہُوئی آبروئے جاں
یا گردِشوں کی نذر ہُوئے سرفراز لوگ
اَب کیوں مُسافروں کے ٹھکانے ہیں دُھوپ میں
اَب کیا ہُوئے وہ شہر کے مہماں نواز لوگ؟

یُوں تری یاد....!

یُوں تِری یاد، دِل میں اُتری ہے
جیسے جُگنو ہَوا میں کھو جائے
جیسے " روہی " کے سر ٹیلوں میں
اِک مُسافر کو رات ہو جائے

غم کی زد میں

غَم کی زَد میں اگر بِگڑ جائیں
پھر کہاں قِسمتیں سنورتی ہیں؟
ذکرِ تجدیدِ دوستی نہ کرو!!
اَب یہ باتیں گراں گذرتی ہیں

اوس

کہیں سُورج سے ذرّے کی ٹھنی ہے
کہیں تِتلی سے بھنورا لڑ گیا ہے
پڑی ہے اوس رِشتوں پر کُچھ ایسی
لہُو کا رنگ پھیکا پڑ گیا ہے

سو جائو!

آنکھوں میں گھول کر نئے موسم کے ذائقے
باہوں میں رَوشنی کے سمندر کو گھیر کر
خوابوں کی سرزمیں پہ خیالوں سے بے نیاز
سوجاوَ اپنی رشیمی زُلفیں بکھیر کر

سَوچ

تُجھ کو سوچوں تو ایسے لگتا ہے
جیسے خوشبُو سے رنگ مِلتے ہیں
جیسے صحرا میں آگ جلتی ہے ؟
جیسے بارش مین پُھول ِکھلتے ہیں!!

تَپش

چُبھتے ہُوئے وہ لفظ وہ جلتے ہُوئے حروف
شہ رگ میں اب بھی ہیں وہی کانٹے اڑے ہُوئے
اِک بار سچ کہا تھا مگر اُس کی آگ سے
اَب تک مِری زباں پہ ہیں چھالے پڑے ہوئے

دُعا

بات بنتی رَہے خُوئے دلدار کی
رات چمکی رہے حُسنِ بازار کی
دشت کی چاندنی میں نہاتی رہیں
شہر کی سَسّیاں، سوہنیاں پیار کی

چاندنی

پلکوں پہ آنسوؤں کو سجاتی ہے رات بھر
دِل میں رَواں ہے رُوح کے اندر ہے چاندنی
اُبھرا ہے کون اِس کے تلاطُم میں ڈُوب کر؟
آوارگی کا ایک سمندر ہے چاندنی

نَدامت

دَور کی دُھوپ سے بَھرے بَن میں
اپنے سائے سے ڈر کے پچھتایا!
اے مِرا نام بُھولنے والے!!
مَیں تجھے یاد کر کے پچھتایا!

غیر مطبوعہ

قطعات

جہدِ مسلسل

یہ جُہدِ مسلسل جو لہو پی کے پلی ہے
اقوام کی تاریخ میں گھر کرکے رہے گی
آزادئ کشمیر کے شُعلوں کی بلندی
اِک روز " ہمالہ " کو بھی سر کرکے رہے گی

احتیاط

یہ قحطِ فکر کا موسم ہے ... سوچ سوچ کے بول
کہ سانس روک کے دنیا تری صَدا کو سُنے
اس اِحتیاط سے چل، کارگاہِ عالم میں ...... !
کہ " نسلِ نَو " ترے نقش قدم کی خاک چنے

منہ کے بل

توڑا مجاہدوں نے بھڑک کر " محاصرہ "
اپنے سِتم سے آپ " سِتم " ہو کے شَل گِرا
" درگاہِ بَلؒ " میں کھائی عجب طور سے شکست
بھارت کا جو وقار تھا، سب منہ کے بَل گِرا

اک روز

اِک روز تو کشمیر کی کلیاں بھی کھلیں گی
اِک روز تو دھڑکے گا یہاں ذوقِ نُمو بھی
اِک روز تو مہکے گی مسرّت سے یہ وادی
اِک روز تو دہکے گا " مسلماں " کا لہو بھی

زمیں بوس

ہیبت مجاہدوں کی ہر اِک سَمت چھا گئی
شُعلہ غرورِ ہند کا بس اوس ہوگیا
بپھرے کچھ اَدا سے نڈر حُریّت پسند
بھارت کا ظلم و جورز میں بوسی ہوگیا

آزادی کشمیر.....!

بھارت کے ارادوں کو جلادے گی کسی روز
جلتی ہوئی ہر آنکھ کے ہر خواب کی تعبیر!
کہتا ہے اُبھرتی ہوئی ہر صبح کا سورج
کچھ اور بھی نزدیک ہے " آزادئ کشمیر "

مجاورانِ قلم

جھپٹ رہے تھے جو کل ہم پہ دشمنوں کی طرح
لپٹ رہے ہیں وہی آج دوستوں کی طرح
" مجاورانِ قلم " کی بہکتی چال نہ دیکھ!
مزاج ان کا بدلتا ہے موسموں کی طرح!

روشنی......!

یارو، اِس احتیاط سے اَب زندگی کرو
جمہوریت کی رُت میں نئی چاندنی کرو
دیکھو جہاں جہاں بھی ملّط ہو تیرگی
اپنے لہو سے آپ وہاں روشنی کرو

کچھ احتیاط

دِل سے کدورتوں کو مٹا کر بڑھے چلو
بُغض و حسد کی آگ ہے گھر گھر لگی ہوئی
اے وارثانِ حُسنِ سیاست کچھ احتیاط!!
جمہوریت کی آنکھ ہے تم پر لگی ہوئی

لہو

سوئی ہوئی قسمت کو جگانا ہی پڑے گا
ظالم کا ہر اِک نقش مٹانا ہی پڑے گا
اِک عُمر سے روشن ہیں جو مفلس کے لہو سے
اَب ایسے چراغوں کو بُجھانا ہی پڑے گا

نظام

غریب لوگ بھی اب سکھ کا سانس لیں گے ذرا
مزاجِ صبح سے ملبوسِ شام بدلے گا
لبِ حیات سے پھوٹے گی امنِ نو کی کرن
خدا کا شکر، پرانا نظام بدلے گا!

کینچلی

جو اپنے اپنے اصولوں پہ ناز کرتے تھے!
وہ مصلحت کے تقاضوں میں خود سے ڈھلنے لگے
جو سانپ بن کر غریبوں کا خون پیتے تھے
رُتوں کے ساتھ وہی کینچلی بدلنے لگے . . . !

اُدھار

بدلی جو رُت غرور کے گرد و غبار کی
دستار کُھل گئی تیرے جھوٹے وقار کی
ہم نے کہا نہ تھا کہ نہ بدمست ہو کے چل
مہنگی بہت پڑے گی یہ " عزت اُدھار کی "

حساب

طلوعِ صبحِ نصیب میں تھی اُبھر چکا زندگی کا سورج
مجاورانِ شبِ جدائی سوالِ جاں کا جواب دیں گے
ضمیر کے تاجروں سے کہہ دو، پناہ ڈھونڈیں نہ مُنہ چھپائیں
عوام کے سامنے وطن کے تمام مجرم حساب دیں گے

آگ

یہ طنز ، بُغضِ مسلسل نہ ہو کہیں تُل کر
وطن کے نام پہ ملتے رہا کرو کُھل کر!
حذر کرو کہ یہ شعلے نہ حد سے بڑھ جائیں
یہ گھر کی آگ ہے، اِس کو بجھاؤ مِل جُل کر

سُہاگ

ہنسنے کا وقت ہے، نہ ہنسانے کا وقت ہے
جذبوں کو خفتگی سے جگانے کا وقت ہے
بھارت کے ظلم و جور کی منحوس آگ سے
کشمیر کا سُہاگ بچانے کا وقت ہے

آخر

جوان جذبوں کے پاسبانو، عظیم مقصد کے تاجدارو
" وفا کی وادی" کے رہنے والوں کو ہمکنارِ شعُور کرنا
چیخ کے دَم توڑ دے گا آخر، غرورِ ظلم وسِتم کا موسم
کہ آ گیا ہے "مجاہدوں" کو لہو کا دریا عبور کرنا

قومی ریلی

اب اپنے وطن میں کوئی سازش نہیں ہوگی
کب تک کوئی اُلجھے گا صفِ اہلِ جنوں سے؟
اُبھریں گے نئی دھج سے دلیروں کے قبیلے
بھپری ہوئی اس نسل کے ہر قطرۂ خوں سے!

وہ لوگ

اُجرت پہ دُور دُور سے بچے بلائیں گے
یا کچھ ملازمین کِرائے پہ لائیں گے
جن کو نہیں پسند قرارِ وطن، وہ لوگ
یومِ قراردادِ وطن کیا منائیں گے؟

سیاست دان

لہو کے داغ کو جزوِ متاعِ جاں سمجھتے ہیں
خزانہ لُوٹنے کو مقصدِ ایماں سمجھتے ہیں
حقیقت میں وہ سوداگر ہیں انسانی ضمیروں کے
مگر کچھ سادہ دِل اُن کو سیاستداں سمجھتے ہیں

خواب

یونہی لکیر کھرچتے ہیں اپنی قسمت کی
وگر نہ اُن کی ہتھیلی میں درج ہی کیا ہے؟
کچھ اِس لیے بھی وہ آنکھوں کو بند رکھتے ہیں
کہ خوب دیکھتے رہنے میں حرج ہی کیا ہے؟

فِطرت

زہرِ بُغض و حدس شہر میں گھولنا
پیٹ سے سوچنا، جب سے تولنا
صرف عادت نہیں اُن کی فِطرت میں ہے
بے سبب چیخنا، بے محل بولنا!

آج کل

ہم پہ کیا وار کرنا کہ ہم اہلِ دِل
جانے کس موج میں کس روانی میں ہیں ؟
بندہ پرور، نہ پوچھو ہمیں علم ہے
آج کل آپ خود کتنے پانی میں ہیں؟

سودا

جلوت میں وہ کردار کو میلا نہیں کرتے
خلوت میں جو دیکھو تو وہ کیا کیا نہیں کرتے
باطن میں وہ لیتے ہیں کروڑوں کی مراعات
ظاہر میں اُصولوں پہ وہ سودا نہیں کرتے

بدلتی رُت

شعُورِ وقت کے تیور بگڑنے والے ہیں
سِتم کی شاخ کے پھل پھول جھڑنے والے ہیں
بدلتی رُت کی ہوا چال چل رہی ہے کوئی
پُرانے پیڑ جڑوں سے اُکھڑنے والے ہیں

بے وجہ دشمنی

اِنساں کو زیب ہی نہیں دیتا جنونِ موت
اِنسانیت تو لائقِ صد احترام ہے
تہذیب کے خلاف ہے بے وجہ دُشمنی
بھائی کا خون بھائی پہ یُوں بھی حرام ہے

لہو کے پھول

بہت دِنوں میں ہمیں اِذنِ لب کُشائی ملا
سوال جتنے ہوں، سب کا جواب دینا ہے
تُم اپنے زخم گِنو، مَیں لہو کے پھول چنوں
سِتمگروں سے سِتم کا حِساب لینا ہے

بے خبر

نوجواں لاشوں میں گھِر کے رہ گئی ہے زندگی!
ظلم کی وہ شب مِلی جس کی سحر کوئی نہ ہو
جل رہے ہیں بام و دَر اور مطمئن ہے "پاسباں"
گھر کے بربادی سے اتنا بے خبر کوئی نہ ہو!

خدمت

سَر اُن کے غرق ہوگے بُغض و عناد میں
اُن کی جڑیں گڑی ہیں زمینِ فساد میں
وہ کیا کریں گے قوم کی خدمت جو آج تک
اُلجھے ہیں " اعتماد و عدم اِعتماد " میں

تحفظ کی توقع

وہ شخص تو گھوڑوں کی نمائش میں ہے مصروف
مسموم بھرا شہر ہے بارُود کی بُو سے
کیا اُس سے کریں اپنے تحفظ کی توقع؟
حیوان ہوں پیارے جِسے انساں کے لہو سے

چادر، چار دیواری

چھپے ہیں عیب اُن کے یوں تو چادر کے تحفظ میں
چلی ہیں چار دن تک چار دیواری کی باتیں بھی
مگر جمہوریت کی صبح، ہم ممنون ہیں تیرے
کہ ننگی ہوگئیں راتیں بھی اُن کی وارداتیں بھی

شہرِ وَفا

خوشبو کے قاتلوں کی ہے سازش عروج پر
پُھولوں سے کھیلتی ہوئی موجِ صبا کی خیر،
غارت گروں کی زد میں ہے لاہور کا جمال
اس دَورِ ظلم و جور میں شہرِ وفا کی خیر،

زوال آمادگی

بنامِ بُغض اب الزام دَھرنے پر اُتر آئے
شرافت کی ہر اِک حد سے گزرنے پر اُتر آئے
زوالِ آمادگی دیکھو کہ بازارِ سیاست میں
وہ اپنی آبرُو نیلام کرنے پر اُتر آئے!

پلاٹ

مَرلے ہیں صرف سات مگر مرحلے ہزار
وابستہ اُن سے کون کرے اب نصیب
دیتے ہیں اِک پلاٹ مگر یوں کہ جس طرح
سات آسماں بخش رہے ہیں غریب کو

فتح کا خراج

اِک سمت اہلِ زر ہیں تو اِک سمت ہم غریب
لُو کے مقابلے میں صباحت ہے پُھول کی!
کیونکر نہ ہو نصیب ہمیں فتح کا خراج
ہم لڑرہے آج لڑائی اُصول کی!

لوہے کا جال

دَم توڑنے لگی ہے سِتم کی سیاہ رات!
وہ سامنے سحر کا اُجالا ہے دوستو
زنجیرِ غم پگھلنے کی ساعت قریب ہے
لوہے کا جال ٹوٹنے والا ہے دوستو!!

کوئی پوچھے

شرافت کی سیاست کرنے والوں سے کوئی پوچھے
ہوس، خونِ بشر کی ہولیوں تک کس طرح پہنچی؟
سیاست میں غلاظت کس کی کم ظرفی سے آئی ہے
شرافت گالیوں سے گولیوں تک کس طرح پہنچی

سُنہری جال

خدا محفوظ رکھے حوصلے اِس دَور میں اپنے!
اُدھر اربابِ زر، اس سمت دھرتی کے جیالے ہیں
غریبوں کو پھنسانے کے لیے پنجاب میں ہر سُو!
سیاست کے مچھیروں نے سنہری جال ڈالے ہیں

مصروفیت

جسے دیکھو وہی مصروف پھرتا ہے الیکشن میں
اِسے سبزی ضرورت ہے اُسے اخروٹ لینے ہیں
مگر مصروفیت دو قسم کی ہے اپنے حلقے میں!
کسی کو ووٹ لینے ہیں کسی کو " نوٹ " لینے ہیں

اب وقت ہے

اب وقت ہے کہ ہمنس کے ہر اِک غم کو ٹال دو
جتنی کدورتیں ہیں وہ دِل سے نکال دو
کشمیر کی بہشت بچانے کے واسطے!
آپس کے اختلاف کو دوزخ میں ڈال دو

دُشمن

آرائشِ مذاقِ جنوں اِس طرح کرو،
گنجائشِ رفو بھی ہو دامن کے چاک میں
باہم نظر چُرا کے گزرتے رہو مگر
اتنا رہے خیال کہ دُشمن ہے تاک میں!

جہاد

مظلوم کی مدد کو بڑھے ہم پئے جہاد
ظالم کو ایک ایک سِتم یاد آئے گا!
بارہ کروڑ ہاتھ فضا میں ہوئے بلند
بھارت کہاں کہاں سے گریباں بچائے گا؟

کچھ روز میں

کچھ روز میں دہکے گا دِل و جاں کا اَلاؤ
کچھ روز میں پگھلے گی غلامی کی یہ زنجیر!
ہم لوگ ترا قرض چکانے کو ہیں زندہ
کیوں اِتنی پریشاں ہے تو اے وادئ کشمیر؟

آزادئ کشمیر

اے جذبۂ غیرت ترے تعظیم سلامت!
ہے قبضۂ اغیار میں کیوں وادئ کشمیر؟
اِک خواب مسلسل ہمیں سونے نہیں دیتا!
اس خواب کی تعبیر ہے آزادئ کشمیر!!

فیصلہ

اے سنگدلو، غاصبو اے ظالمو، سُن لو!
یہ جنتِ ارضی ہمیں شہ رگ سے ہے پیاری
اب فیصلہ ہو کر ہی رہے گا سرِ میداں
کشمیر کی وادی ہے تمہاری کہ ہماری؟

اُنھیں سلام....!

مِرا وطن ہے منوّر اُنہی چراغوں سے
" ہوائے زر " میں بھی لَو جن کی تھر تھرا نہ سکی
ہزار بار " مبارک " انہیں جو بِک نہ سکے
انہیں " سلام " جنہیں مصلحت جھکا نہ سکی

یہ کیوں ہو گیا؟

لُٹی جیب بھی، آبرو بھی گنوائی
جواں حسرتوں کا بھی خُوں ہوگیا ہے
یہی غم انہیں مار ڈالے گا شاید!
یہ کیا ہوگیا ہے ، یہ کیوں ہوگیا ہے؟

نیّت بدل گئی

آنکھوں میں ناچتے ہیں رعونت کے دائرے
نیّت بدل گئی ہے اچانک کھڑے کھڑے
کیا جانے کس خیال سے اربابِ سیم و زَر
مسمار کررہے ہیں غریبوں کے جھونپڑے

سچ یہ ہے!!

فکرِ وطن نہ امن کی خواہش نہ دِل میں درد
فِطرت میں فرق ہے نہ طبعیت خراب ہے!
یہ جھوٹ ہے کہ ہے تجھے لاحق کوئی مرض!!
سچ یہ ہے جانِ من ' تری " نیّت " خراب ہے

سُلطانئی جمھور

اے چاکِ گریباں، ترے سلنے کی رُتیں
اے غنچۂ پیماں، ترے کھلنے کی رُتیں ہیں
موسم ہے یہ سُلطانئ جمہور کا محسنؔ
بچھڑے ہوئے احباب کے ملنے کی رُتیں ہیں

سفر کی شب

سفر کی شب میں جھپٹتی قضا کی دہشت سے
مُسافروں کی تھکن کس طرح لڑی ہوگی؟
کٹی پھٹی ہوئی لاشوں کو دیکھ کر محسنؔ
مجھے یقیں ہے کہ خود موت روپڑی ہوگی!

شاید.....!

آرام سے تو بیٹھ کے سوچا بھی کر کبھی!
یہ کیسا خوف ہے تجھے، کیسا ہراس ہے
نفرت بڑھا رہا ہے وطن میں ہر اِک طرف
شاید ترے مزاج کو سازش ہی راس ہے

سوچیں!

کِس نے پاک وطن کی خاطر اپنا آپ گنوایا؟
کِس نے گھر برباد کیے اور کتنا مال کمایا؟
ڈھلتا سورج ڈوب رہا ہے آؤ بیٹھ کے سوچیں!
جانے والے سال ہیں ہم نے کیا کھایا، کیا پایا؟

مُبارک

دھرتی کے ستاروں کو نیا سال مبارک!
اس دیس کے پیاروں کو نیا سال مبارک
جو شدتِ آلام سے رو بھی نہیں سکتے!
اُن دَرد کے ماروں کو نیا سال مبارک

کبھی اس طرف کبھی اُس طرف

یہ تمام دِن کی ہَما ہَمی یہ تمام صبحوں کی کشمکش
یہ تمام رات کو جاگنا کبھی اِس طرف کبھی اُس طرف
سبھی اہلِ دِل کو دکھا رہا ہے ترِی شکست کا آئینہ
ترِا دوڑنا ترِا بھاگنا کبھی اِس طرف کبھی اُس طرف

رَہ شوق میں ....!

رَہِ شوق میں تو بچھائے جا، کڑی سازشوں کی یہ کرچیاں
ہمیں منزلوں کا جنون ہے، کسی موڑ پر نہ رُکیں گے ہم
ہمیں سیم و زَر کی جھلک دِکھا نہ نئے نئے ستم آزما
کہ تو جانتا ہے بہت ہمیں، نہ بِکیں گے ہم نہ جھکیں گے ہم

بہانے

میں اکثر سوچتا ہوں، رَہزنوں کے جانشیں آخر
حقائق کیا چھپائیں گے، فسانے کیا تراشیں گے؟
غریبوں کی عدالت مجرموں کو جب بُلائے گی
خزانے لوٹنے والے بہانے کیا تراشیں گے؟

قرینہ

جو سوئے عاقبت ہوئے، وہ زینہ ہم بھی رکھتے ہیں
کہ احساس و عمل کا آبگینہ، ہم بھی رکھتے ہیں
میسّر آپ جیسی راحتیں ہم کو نہیں ، صاحب
وگر نہ سانس لینے کا ' قرینہ ' ہم بھی رکھتے ہیں

گالیاں

ہجومِ اہلِ دِل میں یوں بھی سنجدہ مسائل پر
بزرگانِ وطن کی تالیاں اَچھی نہیں لگتیں!
سیاسی شُعبدہ بازوں کو سمجھاؤ کہ جلسوں میں
شریفوں کی زباں سے گالیاں اچھی نہیں لگتیں!

قسم!

عدوئے آبروئے ملک و ملّت، وہم ہے تجھ کو
کہ تیرے ہموا، احساس کلیاں مَسل دیں گے
مگر ہم نے قسم کھائی ہے دھرتی کے تقدس کی
تِری سب سازشوں کو ہم بصد نفرت کچل دیں گے

سیاست کے لئے

سیاست کے لیے تازہ ہوا لینے گئے ہوں گے
سبق اپنے بزرگوں سے نیا، لینے گئے ہوں گے
ذرا سا آسرا، وعدہ وفا کا، عقل تھوڑی سی
وہ امریکہ کے دَر سے اَور کیا لینے گئے ہوں گے؟

نصب العین

طبعیت لاکھ بَرہم ہو سیاسی بد نصیبوں کی
سِتم گاروں کے حیلے ہوں کہ ہو سازش رقیبوں کی
ہر اِک ماحول میں لیکن ہمیں ثابت یہ کرنا ہے
کہ نصب العین ہے اپنا فقط خدمت غریبوں کی!

شرط یہ ہے ...... !

مُفلسوں کے سچ کی گرمی سے نمٹنے کے لیے
جھوٹ کا درجہ بھی فارَن ہیٹ ہونا چاہیئے
راس آجاتی ہیں آخر ذلتیں، رسوائیاں!
شرط یہ ہے آدمی کو " ڈِھیٹ " ہونا چاہیے

یہ لوگ

لبوں پہ ' رنگِ خوشامد ' سجائے پھرتے ہیں
دِلوں میں ' بُغض و حسد' کو چھپائے پھرتے ہیں
کسی کو ' رنجِ صدارت ' کسی کو زَر کی ہوس،
' یہ لوگ ' خود کو تماشا بنائے پھرتے ہیں

دماغی کیفیت

بلند اپنی ہلاکت کی چھڑی کرنے لگے صاحب!
ملامت اہلِ دِل کو ہر گھڑی کرنے لگے صاحب!
علاج " اُن " کی دماغی کیفیت کا اب ضروری ہے
کہ مُنہ چھوٹا ہے اور " باتیں بڑی" کرنے لگے صاحب!

جڑھے کون؟

دعویٰ ضرور کیجیے لیکن یہ سوچ کر!
دیوانۂ سیاستِ دوراں کی بڑھے کون؟
رشوت کی جڑ اُکھاڑیئے لیکن جنابِ من!
پہلے جواب دیجئے رشوت کی جڑ ہے کون؟

ذرا سی بات پہ

غُبارِ راہ میں پوشیدہ " وسوسے " ہیں بہت
ذرا سی بات پہ " ترکِ تعلقات " نہ کر
شریکِ عہد اگر تھا " حصولِ منزل " تک!
سفر میں رُخ نہ بدل، نفرتوں کی بات نہ کر

بیادِ فیضؔ

کہیں " میلہ " لگے یا زخم دہکائیں جنوں والے!
ترے ہجراں میں ہم بھی لمحہ بھر کو جھوم لیتے ہیں
دَرِ دِل اتفاقاً وا بھی ہو جائے تو حسرت سے
تری چاہت میں ہم ' دستِ صبا' کو چُوم لیتے ہیں

کھیل تک

آپس کا " اختلاف " نہ بدلے " عِناد " میں!
خوشبوئے اِنتخاب سے منصب کی بیل تک
ہے " جذبۂ خلوص " پہ رونق کا انحصار
جمہوریت کے کھیل سے " کرکٹ کے کھیل تک"

سوداگرانِ موت

ہر دشمن عوام کی " سازش " کو جھوم کر
جذبات کے بھنور میں جکڑتے رہیں گے ہم!
جب تک خود اپنی جاں ہے سلامت خدا گواہ!
" سودا گرانِ موت " سے لڑتے رہیں گے ہم!

حادثہ

اس حادثے پہ " اہلِ ہنر " سوچتے رہیں
وہ چپ رہیں جو " اہلِ زباں و ضمیر " ہوں
پنجاب میں یہ رسم ہے رائج کہ اب یہاں
' ایم اے ' بنیں کلرک تو ' ان پڑھ ' وزیر ہوں

قلم عوام کے نام

جو لوگ ظلم و ستم سہہ کے سانس لیتے ہیں
متاعِ لوح و قلم ان کی صبح و شام کے نام
سخنورو پئے جمہوریت یہ عہد کریں!!
سخن وطن کے لیے ہے قلم عوام کے نام

تجارت

غیروں سے کبھی مل کے شرارت نہیں کرتے!
تعمیر سرِ آب عمارت نہیں کرتے!
ایماں ہے اصولوں کی سیاست پہ ہمارا
ہم لوگ ' ضمیروں ' کی تجارت نہیں کرتے!

صبحِ وطن

اے بارگہِ صبحِ وطن تجھ پہ نچھاوِر!
سانسوں کی یہ چاندنی بھی زَرِدیدۂ نم بھی
تسکین دِل و خونِ رگِ جاں کے علاوہ
حاضر ہے میرے تارِ گریباں کا علَم بھی

جہالت

نجانے کون سمجھاتا ہے اُن کو بولیاں ایسی؟
نجانے کِس جہاں کی کِس جہاں میں بات کرتے ہیں
اُنہیں تہذیب کی دہلیز پر اِک عُمر گزری ہے !
مگر اب تک جہالت کی زباں میں بات کرتے ہیں

سُورج

منزل کی طلب میں پسِ زندان و سرِ دار!
کٹتے ہوئے پایا کبھی جھکتے نہیں دیکھا
اے روز اُبھرتے ہوئے سُورج ذرا کہنا!
تُو نے ہمیں رستے میں تو رُکتے نہیں دیکھا ؟

کچھ نہ پوچھئے!

انبارِ سیم و زَر کو لُٹانے کے باوجود!
کیوں وجہ ننگ وعار ہوئے کچھ نہ پوچھئے!
ناکام ہو کے برسرِ میداں پھر ایک بار
وہ کتنے شرمسار ہوئے کچھ نہ پوچھئے

ہٹ دھرمی

زباں سے گالیاں دینے کی بے شرمی نہیں جاتی
خلافِ اہلِ دِل کی سازش کی سرگرمی نہیں جاتی
وہ کتنی مرتبہ رُسوا ہوئے یارو . . . مگر اب تک
سرِ کوئے سیاست اُن کی ہٹ دھرمی نہیں جاتی

سازش

رِیا کاری ہوئی اُن کی حدِ اِمکان سے باہر
سیاسی خال و خد اُن کے ہوئے پہچان سے باہر
وہ فارغ لوگ ہیں، سازش دوا ہے اُن کی فطرت میں
کبھی ایوان کے اندر کبھی ایوان سے باہر!!

اتحاد

چھوڑو یہ تفرقے ، یہ شرارت یہ سازشیں!
چاہت کی داستاں تو اُدھوری ہے دوستو!!
دشمن کی دھمکیوں سے نمٹنے کے واسطے
آپس میں اِتحاد ضروری ہے دوستو!

تصوّر

افلاک پہ ٹوٹے ہوئے تاروں کے نشا ں سے
تم لوگ سمجھتے ہو یہ ہنگامِ سحر ہے؟
تم عید منانے کے تصوّر میں ہو لیکن
کشمیر کا چہرہ تو ابھی خون میں تَر ہے

سوال

دیارِ دِل کی صفِ دُشمناں سے آتے ہیں؟
زمیں کے لوگ ہیں یا آسماں سے آتے ہیں؟
کوئی جواب تو دو اے محافظانِ وطن!
یہ بنک لُوٹنے والے کہاں سے آتے ہیں؟

ذرا سی دیر

وہ ڈھل رہا ہے عدو کے غرور کا سُورج
ہتھیلیوں پہ چراغِ وفا جلا کے چلو
بکھر رہی ہیں وہ دیکھو صفیں حریفوں کی
ذرا سی دیر کو یارو قدم مِلا کے چلو

قیل و قال

شرارت جب بھی کرتے ہیں برائے مال کرتے ہیں
سیاست میں نجانے کیا وہ قِیل و قال کرتے ہیں
بڑھاپا اوڑھ کر ہم سے بگڑ جاتے ہیں محفل میں
کبھی ناراض بچوں کی طرح ہڑتال کرتے ہیں

شہرت

دلکشی کوچہ و بازار کی حد تک ہوگی
جاں کنی ساعتِ افطار تک ہوگی
آؤ شہرت کے لیے چھوڑ دیں کھانا پینا
بھوک ہڑتال تو اخبار کی حد تک ہوگی

خوش فہمیاں

لو دُور ہوگئیں سبھی خوش فہمیاں، جناب
اچھا ہوا دماغ کے شیشے تو جُڑ گئے!
اِک جوس کے گلاس پہ ہڑتال توڑ دی؟
چڑیوں کے ساتھ ہاتھ کے طوطے بھی اُڑ گئے

بات کرو

جو بن پڑے تو کسی مہرباں کی بات کرو
فروغِ حُسنِ رُخِ دوستاں کی بات کرو
بُھلا کے دِل سے کدورت مٹا کے بغض و حسد
وطن کے نام پہ امن و اماں کی بات کرو

مہنگائیاں

بجھا لیتے، لہو پی کر ہم اپنا . . . . تشنگی اپنی
مگر کچھ خواہشیں اپنا لہو پینے نہیں دیتیں
برہنہ تن بھی گہ کر ہم گذر اوقات کر لیتے
مگر بازار کی مہنگائیاں جینے نہیں دیتیں

سیلاب

شہ رگ میں سَدا صورتِ سیماب ہے کشمیر
وجدان میں ڈھلتا ہوا اِک خواب ہے کشمیر
لے جائے گا ہر ظلم و تشدّد کو بہا کر!
جذبوں کا مچلتا ہوا سیلاب ہے کشمیر

دُشمن

نفرت کی ہر شام کا تلچھٹ خوابِ سحر تک آتا ہے
دِل میں جلتی آگ کا شعلہ دیدۂ تر تک آتا ہے
گھر میں بے شک شور مچاؤ لیکن اتنا یاد رہے!
دُشمن کی دیوار کا سایا اپنے گھر تک آتا ہے

امانت

خیالِ ارضِ خداداد عمر بھر .... رکھنا!
عدو کی سازشِ پیہم پہ بھی نظر رکھنا
وطن ہے دیں کی امانت بقولِ فکرو شعور
جو ہوسکے تو امانت سنبھال کر رکھنا!

قسمت

یہ بات فقط بات نہیں حرفِ دُعا ہے!
آوازِ جہاں، خونِ شہیداں کی صدا ہے!
جو پنجۂ آمر کو جھٹک کر ہے فروزاں
کشمیر اُسی ہاتھ کی قسمت میں لکھا ہے

عید کا چاند

وہ سیہ بخت ' فاقہ کش مزدور
جن کا دِل غم میں مسکراتا ہے
عید کا چاند اُن کے اشکوں میں
شرم سے ڈوب جاتا ہے

یکم مئی

یہ دن کے بھرے سال میں آتا ہے بس اِک بار
کب اہلِ ستم، دیدۂ مغرور کا دن ہے
دُکھ بانٹ لیں، زخموں پہ چھڑک لیں ذرا شبنم
آمِل کے منائیں کہ یہ مزدور کا دِن ہے

تراشے

جبینِ تاریخ پر لہو کے سبھی ارادے رقم رہیں گے
ہمارے کردار کے تراشے، سدا سپردِ قلم رہیں گے
وطن کے سب دُشمنوں سے ٹکراؤ ایک ہو کر کہ یوں بھی محسنؔ
وطن سے قائم ہیں سب حوالے، وطن رہے گا تو ہم رہیں گے

دوزخی لُو

بے گناہوں کا لہو کب تک بنے گا رزقِ خاک
برف زاروں میں ہے یہ بارُود کی بُو کب تلک؟
کب تلک کشمیر کے پاؤں میں زنجیر ستم!
خُلد میں چلتی رہے گی دوزخی لُو کب تلک

آنسو

تیز آندھی کے مقابل جوڑتے ہیں کب سے؟
ظلمت شب میں وہ جگنو نہیں دیکھے جاتے
توڑ دے ظلم کے ہاتھوں کو کہ یارب ہم سے
اہلِ کشمیر کے آنسو نہیں دیکھے جارہے!

مل بیٹھنا

چند اربابِ سیاست کے ہیں پیارے مشغلے
سوچنا، بس سوچنا، ہر سوچ پر دِل بیٹھنا
اُن سے مت رکھو بھلائی کی توقع دوستو
اُن کی عادت میں ہے شامل ہر گھڑی مِل بیٹھنا

امن کا سفر

احساسِ فکر نبضِ غمِ دہر پر رہے
ہمراہ تیرے دینِ نبی ﷺ کی نظر رہے
اہلِ وطن کے دِل سے اُبھرتی ہے اِک دُعا
امن و سلامتی کا سفر بے خطر رہے

چہرہ

جب بھی کوئی معصوم بدن خاک پہ تڑپا
مٹتا ہوا ہر جبر کا سایہ نظر آیا!
تاریخ کو بے باک شہیدوں کے لہو میں
آزادئ کشمیر کا چہرہ نظر آیا!

دوسرا چہرا

لہو انسان کا سستا ہوا بارود کے دم سے
تجارت شہر سے نکلتی تو باڑے تک چلی آئی
نوازش قاتلوں کی پرورش کا دوسرا چہرہ
شرافت کی سیاست غل غپاڑے تک چلی آئی

میر واعظ

ظلم کی دُھوپ کا ہر رُوپ ہے بجھے کو مگر
برف زاروں میں سدا ذوقِ نمو بولے گا
جب بھی کشمیر کے ہونٹوں پہ لگی مُہر سکوت
میر واعظ ترا بیدار لہو بولے گا

موت

پاسباں عیش میں گم ہیں تو نگہباں خاموش
زندگی ریت کی دیوار تک آ پہنچی ہے
گھر میں بیٹھے رہو سہمے ہوئے بچوں کی طرح
موت اب کوچہ و بازار تک آ پہنچی ہے

گرمی

چیخ جائیں، ستم کے دیوتا سڑ سڑ کے گل جائیں
رُخ کشمیر پر اُٹھتے ہوئے سب ہاتھ جل جائیں
ہم اہلِ دِل یہ گرمی ہنس کے سہہ لیں گے مگر محسنؔ
کسی صورت غلامی کی یہ زنجیریں پگھل جائیں

دیکھیں

یہ کیا کہ غیر کے کہنے پہ ہر نظر دیکھیں
ملے جو وقت تو خود بھی اِدھر اُدھر دیکھیں
لگا رہے ہیں جو الزام اہلِ دِل پہ بہت
کبھی وہ اپنے گریباں میں جھانک کر دیکھیں

سوال

آنسو بن کر دُکھتی آنکھ میں اُبھرے ایک سوال
کون مِری شاداب زمیں کو کرنے لگا پامال؟
کس کی شہ پر ڈوب رہے ہیں اپنے خوں میں آج
ایک ہی جسم کے سارے ٹکڑے ایک ہی ماں کے لال؟

شمع

ہے شوق دِل و جاں میں سلامت تو سمجھنا
سازش کی کوئی شاخ نہ پھولی ہے
بارود کی آندھی میں سنبھالے ہوئے رکھنا
اس دیس کی ہر شمع جو مشکل سے جلی ہے

یارب!

اغیار کی سازش سے دِل و جاں کے علاوہ
خود میرے مؤرّخ کا قلم ہانپ رہا ہے
ظالم کے مظالم کا کوئی فیصلہ، یارب!
مظلوم کی چیخوں سے فلک کانپ رہا ہے

کتبے

ان کی دروغ گوئی بے جسم و جان ہوگی
ہر جنس رائیگاں کی اونچی دکان ہوگی
کتبے پڑھے جو ہم نے یاد آئی اِک نصیحت
جیسا ضمیر ہوگا . . . . ویسی زبان ہوگی!

کہاں چلیں

کچھ آسماں پر بھی رقص کرتی ہیں بدلیاں بدگمانیوں کی
کچھ اپنے محور سے امن کی رُت بھی ان دنوں میں پھری ہوئی ہے
کہاں چلیں ہم برائے تسکیں عقیدتوں کے گلاب لے کر
کہ سرزمینِ امام ضامن تو زلزلوں میں گھری ہوئی ہے

امن

قتل و غارت گری کے سائے میں
زندگی موت کے مساوی ہے
امن کا ایک پُرسکوں لمحہ
ظلم کی اِک صدی پہ حاوی ہے

بجٹ

کاش مہنگائی کے عفریت کو ہو موت نصیب
کاش ٹل جائیں سروں سے یہ قضا کے سائے
دِن سنور جائیں غریبوں کے فضا ڈُھل جائے
کاش اِس بار جبٹ آئے تو ایسا آئے!

تنقید و تنقیص

تنقید ان کا شغل ہے تنقیص کاروبار
کیا کچھ ہے عرضِ حال میں حائل، نہ دیکھنا
اخبار میں بس اپنے مسائل اُچھالنا
محدود کس قدر ہیں وسائل، نہ دیکھنا

نیکی

مقروض کرکے خود کو فریبِ نظر نہ کھا
فقرو غنا بھی حُسن میں سج دھج سے کم نہیں
ٹوٹے ہوئے دِلوں کو کبھی جوڑ کے تو دیکھ
نیکی یہ مختصر ہے مگر حج سے کم نہیں

چاھیے

ساری کدورتوں کو مٹادینا چاہیے
نام وطن فلک سے ملادینا چاہیے
دشمن کی سازشوں کو کچلنے کے واسطے
آپس کی رنجشوں کو بھلا دینا چاہیے

قدم دو قدم

ہمارے دِل میں نہیں دشمنی کسی کے لیے
وہ دوستی کی فضا میں ذرا ڈھلے تو سہی
ہم اس کو بڑھ کے لگالیں گے اپنے سینے سے
وہ اپنی سمت قدم دو قدم چلے تو سہی